شہیدِ کربلا
تصنیف لطیف
سلطان العاشقین
علامہ مہرِ محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں

شانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

المعروف

شہیدِ کربلا

جلد اوّل

تصنیفِ لطیف

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، برہان الواصلین، سلطان العاشقین، استاذ الشعراء والادباء

استاذ الحفاظ والقراء، استاذ العلماء والفضلاء، شیخ العرفاء والسلکا حضرت علامہ مولانا

الحاج الحافظ القاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ **مہر محمد خان ہمدم** نقشبندی قادری توکلی مرتضائی برکاتی پٹیالوی

ناشر **مکتبۂ ہمدم** ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور

فون: 049-4381163 موبائل: 0300-4879860

maktabaehamdam@gmail.com

کتاب	:	شہیدِ کربلا
تصنیف	:	علامہ مہر محمد خاں ہمدم (ؒ)
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر محمد ریاض انجم
نظر ثانی	:	صاحبزادہ محمد اقبال خاں ربانی ہمدمی
کمپوزر گرافک ورک	:	کامران ہاشمی 0300-4151362
پرنٹنگ پریس	:	
بارِ اول	:	1938ء
بارِ دوم	:	1943ء
بارِ سوم	:	1955ء
بارِ چہارم	:	1962ء
بارِ پنجم	:	2005ء
بارِ ششم	:	نومبر 2012ء
تعداد	:	1100
ہدیہ	:	-/400 روپے

ناشر **مکتبۂ ہمدم** ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور

فون : 049-4381163 موبائل : 0300-4879860

maktabaehamdam@gmail.Com

انتساب

میں اپنی ناچیز خدمت کو شاہِ کونین، مالکِ دارین، ماوائے ثقلین، ملجائے دارین
نواسۂ مصطفیٰ، دلبندِ مرتضیٰ، جگرپارۂ سیدۃُ النساء فاطمۃُ الزہراء، امام الاتقیاء
رہنمائے صوفیاء، پیشوائے عرفاء، مقتدائے اولیاء، دافعُ البلاءِ والوباء
حضور پُرنور امامُ الانام عالی مقام سیدنا و مولانا و ملجانا و ماوانا

حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہ

کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

ترجمہ: فقیروں کو نوازنا شہنشاہوں کیلئے کچھ مشکل نہیں۔

؎ قبلۂ اصفیاء حسین کعبۂ اولیاء حسین
جس کو ملے مصطفیٰ اس کو ملا پیارا حسین

؎ خشک ہے کشتِ زندگی چیخ رہی ہے کائنات
خوں کدۂ حجاز سے پھر نہ کوئی اٹھا حسین

ہمدم (رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین
دین است حسین، دین پناہ است حسین
سر داد، نداد، دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسین

از حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ:

- (حضرت سیدنا امام الثقلین) امام حسین رضی اللہ عنہ سردار اور (با اختیار) بادشاہ ہیں۔
- حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سراپا دین اور دین (متین) کیلئے مضبوط سہارا ہیں۔
- آپ نے (اسلام کی سربلندی کیلئے راہِ حق میں) سرِ اقدس تو پیش کر دیا مگر (بیعت کیلئے یزید پلید کے ناپاک) ہاتھوں میں اپنے مقدس ہاتھ نہ دیئے۔
- سچی بات تو یہ ہے کہ توحید و رسالت کی عمارت کی بنیاد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب ''شہیدِ کربلا'' سلطان العاشقین رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف میں سے ایک مستند معرکۃ الآراء اور شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اس کی جملہ خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کتاب ہذا میں قرآنِ پاک میں جن انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے تذکرے ہیں ان کے ابتلاء و آزمائش کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے امتحانات ایک طرف اور شہیدِ کربلا کے تمام مصائب و آلام اور امتحانات یقیناً دل کو گرما اور روح کو تڑپا دینے والے ہیں۔

جب کتاب ''شہیدِ کربلا'' 1964ء میں الحاج مولانا بشیر احمد مرتضائی ہمدمی رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے چھپوا کر لائے تو سلطان العاشقین نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہو کر مجمعِ عام میں یہ اعلان فرمایا (جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ ہمدم زندگی بھر کی نیکیوں میں سے کوئی ایسی نیکی جس پر تجھے ناز ہو تو میں کتاب ''شہیدِ کربلا'' پیش کر کے عرض کروں گا کہ اے مولا کریم! میرے پاس عظیم نیکی یہ کتاب ''شہیدِ کربلا'' لکھ کر لایا ہوں۔ مجھے یقینِ کامل اور اُمیدِ واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اس ''شہیدِ کربلا''

کے وسیلہء جلیلہ سے میری بخشش اور نجات فرما دے گا۔ (ان شاء اللہ)

سُلطانُ العاشقین علاّمہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں بیمار تھے زندگی کی اُمید تک نہ تھی۔ امامِ دوجہاں امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے زیارت فیضِ بشارت سے بہرہ ور فرمایا جبکہ کتاب ''شہیدِ کربلا'' آپ کے مقدس ہاتھوں میں تھی۔ فرمایا کتاب ''شہیدِ کربلا'' مجھے بہت پسند ہے۔

جس طرح آپ کے نانا جان حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا قصیدہ بردہ شریف پسند فرمایا۔ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے کتاب شہیدِ کربلا کو بھی پسند فرمایا اور فرمایا کتاب ''شہیدِ کربلا'' ابھی نامکمل ہے۔ اسے مکمل کریں۔ آپ نے دست بستہ عرض کی میں تو بسترِ مرگ پر لیٹا ہوں۔ زندگی کی اُمید نہیں۔ آپ نے فوراً بارگاہِ ایزدی میں دعا کیلئے ہاتھ بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دعا کر کے آپ کیلئے تین سال کا عرصہ مزید لے کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یمحوا اللّٰہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (رعد :39)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ عزوجل کی عطاء کردہ زندگی معمول کے مطابق آخری راتیں محافلِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر رہی تھیں جن میں آخری محافل پیر رانا ذکاء الدین خان ہمدمی اور ڈاکٹر منظور حسین ہمدمی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر سیف الملوک ہمدمی کے ہاں 12`13`14 رجب المرجب کو تھیں۔

ساری رات شہیدِ کربلا کا دیوانہ وار ذکر کرتے رہے۔ کوئی بھی محفل ہوتی تو ذکرِ آلِ اطہار اور ذکرِ اہلِ بیت ضرور فرماتے۔ اگلے روز اپنے مریدِ صادق شیر محمد ہمدمی رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر فرمایا یہ میری زندگی (جو امامِ دو جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ نے عطا کی تھی) آج اس کا آخری دن ہے۔ 14 رجب المرجب 28 اپریل 1983ء بروز جمعرات کو محفلِ میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ پیر رانا ذکاء الدین خاں ہمدمی نقشبندی قادری کے ہاں منعقد تھی۔ دورانِ محفل بے شمار عقیدت مندوں اور مریدین کے جھرمٹ میں یارسول یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیوانہ وار ذکر کرتے کرتے واصلِ باللہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صَلِّ علیٰ کہتے کہتے

محمد محمد پکیندے گزر گئی
احد نال احمد ملیندے گزر گئی

اس کتاب ''شہیدِ کربلا'' کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب پیر رانا محمد ذکاء الدین خاں ہمدمی، الحاج رانا محمد یامین خاں ہمدمی، مولانا محمود احمد افتخار ہمدمی رحمۃ اللہ علیہ، صوفی محمد سرور ہمدمی رحمۃ اللہ علیہ، محمد سرور ساقی ہمدمی، الحاج صوفی محمد عاشق ہمدمی اور بندۂ ناچیز محمد اقبال خاں ربانی ہمدمی باری باری عمرہ کی سعادت

حاصل کرنے حرمین طیبین شریفین کی زیارت فیضِ بشارت کیلئے جب حاضر ہوئے تو کتاب میں درج تمام واقعات کو موقع کی مناسبت سے مقاماتِ مقدسہ پر پڑھنے پڑھانے سننے اور سنانے کا موقع ملا۔ ایسے ہی پایا جیسا کہ شہیدِ کربلا میں موجود واقعات وحالات ہیں۔

اور کربلا معلّٰی سے آنے والے خوش نصیب زَائرین علماء و مشائخ اور بزرگوں سے جب کتاب ہذا میں درج مختلف مقامات کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے کتاب ''شہیدِ کربلا'' کو بغور دیکھا اور پڑھا۔ تصدیق کی کہ تمام منازل اور مناظر وہاں پیش آنے والے واقعات کو پڑھ سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام حالات و واقعات اور مقامات کو مصنف (حضور سُلطانُ العاشقین علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے نورِ بصیرت (دل کی آنکھوں) سے دیکھ دیکھ کر قلمبند فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ فرما رہے تھے۔

؎ آنکھوں میں تصوّر ہے ان کا دل اور جگر میں رہتے ہیں
یہ ان کی کرم نوازی ہے جو میری نظر میں رہتے ہیں

کعبہ کی زیارت کرنے سے حق دار جنت کے بنتے ہیں
بھلا ان کو پھر ہم کیا سمجھیں سرکار کے گھر میں جو رہتے ہیں

کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (حدیث نبوی)

ترجمہ: مومن کی فراست (سمجھ بوجھ) سے ڈرو پس بے شک مومن اللہ تعالیٰ عزوجل کے نُور سے دیکھتا ہے۔

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے
دو عالم کی خبر رکھتا ہے، دِیوانہ محمد کا

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ حضرتِ مُصنّف علامہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ قافلہ اہل بیت میں شامل تھے۔ تمام حالات و واقعات کو قریب سے دیکھ اور سن کر تحریر فرما رہے تھے۔ برملا یوں کہنا پڑے گا کہ سُلطانُ العاشقین رحمۃ اللہ علیہ "شہیدِ کربلا" امام بیکساں کے ساتھ ساتھ تھے ہیں اور رہیں گے۔ (اِن شاءَ اللہ)

شہیدِ کربلا کا مضمون اتنا رِقت انگیز محشر خیز ہے۔ کتاب شروع کرنے والا ایک مرتبہ شروع کر لے تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، کیونکہ یہ معرکہ حق و باطل ہے۔

اگر باطل ابلیس بن کر آیا تو حق آدم نجی اللہ علیہ السلام بن کر آیا
اگر باطل نمرود بن کر آیا تو حق ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بن کر آیا
اگر باطل فرعون بن کر آیا تو حق موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بن کر آیا
اگر باطل ابوجہل بن کر آیا تو حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن کر آیا
اگر باطل یزید بن کر آیا تو حق حسین ابن علی رضی اللہ عنہ بن کر آیا

ناظم اُمور و ناشر
(صاحبزادہ) محمد اقبال خاں ربانی ہمدمی
ایم۔ اے عربی اسلامیات

مکتبۂ ہمدم ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور

باعثِ تالیف

فقیر نے حضرت مولانا حافظ و قاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی قادری پٹیالوی، فاضل دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کوئی مرتبہ عرض کیا کہ آپ شہزادۂ کونین، ملجائے دارین، نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول، حضور امامِ عالی مقام، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مقدسہ کو قلمبند فرمائیں۔ طرزِ تحریر اس قدر دلکش اور روح افزا ہو کہ جو اسے ایک بار شروع کردے پھر وہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کا نام نہ لے بلکہ بار بار اسے پڑھنے کیلئے دل چاہے۔ دلائل اس قدر قوی ہوں کہ مخالفین بھی صداقت کا اعتراف کریں۔ طرزِ تحریر اس قدر آسان ہو کہ کم لکھے پڑھے خواتین و حضرات بھی آسانی سے پڑھ سکیں۔ مگر مولانا موصوف یہی فرماتے رہے کہ میں اس بارِ گراں کو اُٹھانے کے قابل نہیں۔ یہ کام تو کسی فاضل سیرت نگار کا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ فقیر کے بار بار اصرار کرنے پر مولانا موصوف کو مجبور کر دیا اور آپ نے اس سیرتِ مقدسہ کو قلمبند فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ دو ماہ کے بعد مجھے آپ نے مسودہ عطا فرمایا۔ میں نے اسے خوب عقیدت و محبت سے مزے لے لے کر پڑھا۔ اسے نہایت ہی پُراثر دلکش اور وجد آور پایا۔ مولانا موصوف نے

شہیدِ کربلا پر جس نرالے انداز سے بحث فرمائی وہ آپ ہی کا خداداد خاصہ ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: یہ خوش نصیبی بازو کی طاقت سے نہیں ملتی۔ جب تک عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ عزوجل نہ عطا فرمائے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چہار ابواب پر مشتمل ہے۔

☆ - برقِ انتقام بر دشمنانِ امام

یہ کتاب مولانا موصوف نے جذبات سے بالاتر ہو کر قلمبند فرمائی ہے۔

یہ کتاب حضرات علمائے کرام اور مشائخ عظام کیلئے ایک بہترین ہدیہ جبکہ تمام پڑھے لکھے حضرات کیلئے بے بہا تحفہ ہے۔ جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔

یہ کتاب اہلِ محبت کیلئے مشعلِ ہدایت اور آئینہ صداقت ہے غرضیکہ اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ اللہ رب العزت عزوجل اسے اپنے محبوبِ مکرم اور صحابہ و اہلِ بیت معظم کے طفیل نافع و قبول فرمائے اور حضرت مصنف کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یا ربَّ العلمین۔

(حضرت مولانا) محمد اسحاق ہمدمی کرناوی (رحمۃ اللہ علیہ)

مورخہ 10/ اکتوبر 1936ء

عذرِ مؤلف

مکرمی حضرت مولانا محمد اسحاق ہمدی کرنالوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بار بار حکم فرمایا کہ آپ حضور پرنور امام الثقلین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مقدسہ کو قلمبند کریں! مگر میں حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں یہی عرض کرتا رہا کہ یہ کام کوئی فاضل سیرت نگار ہی انجام دے سکتا ہے۔ میں اس قابل نہیں اس بارِ گراں کو اُٹھا سکوں مگر مولانا موصوف کے پرزور اصرار نے مجبور کر دیا کہ میں اپنے کج مج الفاظ کو نثر میں ترتیب دے کر بصورتِ گلدستہ عقیدت و محبت خدمتِ امام عالی مقام میں پیش کروں۔ اگر حضور نے میرے اس ناچیز گلدستۂ عقیدت کو قبول فرما لیا تو یہ میری نجات کیلئے کافی ووافی ہے۔

ربُّ العزت عزوجل کی رحمت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور صحابہ کرام و اہلِ بیتِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عنایت سے یہ کام بخیر وبخوبی انجام پایا۔ حضرات علمائے کرام و مشائخ عظام سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ دلائل و مسائل اور حالات و واقعات کے قلمبند کرنے میں سُقم (کمی) پائیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(علامہ مہرِ محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ)

مورخہ 10/اکتوبر 1936ء

نگارشِ اوّلیں

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حق و باطل کی آویزش روزِ ازل سے ہے۔ ابدالآباد تک جاری و ساری رہے گی کبھی یہ ابراہیم خلیل اللہ کے روپ میں غرور کے بتوں کو پاش پاش کر کے حق و صداقت کا بول بالا کرتی ہے اور کبھی موسیٰ کلیم اللہ کی شکل میں فرعون کی خدائی کو بحرِ قلزم میں غرقاب کر دیتی ہے۔ نخلِ اسلام پر بادِ سموم کے جھکڑ اثر انداز ہوئے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے 72 جانثار رفقاء کے ہمراہ اپنے مقدس خون سے اس کی آبیاری کی۔

قیامت تک اس پیکرِ وفا فخرِ انسانیت پر بشریت ناز کرتی رہے گی۔

☆ نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور فرزند دلبند حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ نے دین حق کی سرفرازی کیلئے قربانی کی وہ لازوال داستان پیش کی کہ ملائکہ بھی اَلاَمان وَالحَفیظ کا ورد کرنے لگے۔

☆ فاطمہ کے لال رضی اللہ عنہ نے وقت کے فرعونوں پہ یہ ثابت کر دیا کہ انسانیت

حق کی پاداش میں باطل کے نرغہ میں آجائے تو رسمِ شبیری ادا کر کے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتی ہے۔ بقول علامہ اقبال

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

☆ حضرت امام عالی مقام حق کے علمبردار تھے وہ نہ صرف امت کے محسن بلکہ تمام انسانیت اور دنیا اس کی احسان مند ہے۔ کیونکہ انہوں نے حق کی سربلندی اور باطل کی رسوائی کا عظیم فریضہ سرانجام دیا ہے۔

حسنین کریمین کون تھے؟ وہ انسانی عظمت کے مینار تھے بلکہ عظمت خود ان کے گھر کی ادنیٰ کنیز تھی۔ فیضانِ نظر اور مکتب کی کرامت دونوں ان کی ہم رقاب تھیں۔

نومولود شہزادوں کے اسماء گرامی کو خود حضرت جبرائیل علیہ السلام ربِ کائنات کی بارگاہ سے لے کر حاضر ہوئے اور خالقِ کائنات کی طرف سے مبارکبادی کے پیغامات دیئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو ان کی حیاتِ طیبہ میں ہی خاتونِ جنت کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

جس کے والد ماجد کے چہرے کی زیارت بھی عبادت ہو، خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھوں پر سواری کروائی اور فرمایا کہ "سوار بھی خوب" ہے۔ جس کی عظمت کے سامنے۔ برگزیدہ صحابہ کرام سر جھکائے جنگل کے چوپائے بھی جن کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں۔ وہ صرف حسین ابن علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس نے

میدانِ کربلا میں اپنا خاندان قربان کر کے اسلام کو نئی زندگی سے روشناس کرایا۔

بقول شاعر حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اس عظیم کارنامے کے طفیل آپ علیہ السلام امر ہو گئے اور آپ کی قربانی قلم کاروں کا موضوع سخن بنی۔ یہ سلسلہ آپ کی شہادت سے شروع ہوا اور تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

شعراء کرام اور نثر نگاروں نے نظم اور نثر دونوں میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انہی خوش قسمت لوگوں میں ایک بزرگ ہستی۔ حضرت علامہ مولانا مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جن کا نامِ نامی اسم گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کی ذات ہمہ صفت موصوف تھی۔ آپ ہر میدان میں خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔ ادب ہو یا ملکی سیاست، خطابت ہو یا دین متین کی تبلیغ، آپ ہمیشہ ہراول دستے میں شامل رہے۔ زیرِ نظر کتاب شانِ حسین رضی اللہ عنہ المعروف ''شہیدِ کربلا'' آپ کی جملہ تصانیف میں سے ایک ایسی قابلِ قدر اور ایمان افروز تصنیف ہے جو پہلی بار 1936، دوسری بار 1944 اور تیسری بار 1964 اور چوتھی بار 2005ء اور پانچویں بار نومبر 2012ء میں منصہ شہود پر

جلوہ گر ہوئی۔

شہیدِ کربلا ایک ایسا روح پرور موضوع ہے جو مدتِ مدید اور عرصۂ دراز سے عاشقانِ اہلبیت رسول ﷺ کیلئے موضوعِ سخن بنا رہا اور ان شاء اللہ مستقبل کے مصنفین بھی اپنے اسپ قلم کو جنبش دیتے رہیں گے مگر علاّمہ ہمدم موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ان گنت مصائب و آلام کا سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک (انبیاء قرآن) کی ابتلاو آزمائش کے ساتھ تقابلی جائزہ امثال کے ذریعے پیش کر کے شانِ حسین رضی اللہ عنہ کو لاثانی کر دیا۔ ان کا یہی منفرد انداز انہیں دیگر مصنفین سے ممتاز کرتا ہے۔ میں اپنی اور تمام عالمِ اسلام کی طرف سے علاّمہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی سعی جمیلہ اور محنتِ شاقہ کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں

بالخصوص صاحبزادہ محمد اقبال خاں ربّانی ہمدمی تحسین و آفرین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے والدِ ماجد کی اس غیر معمولی کاوش کو پانچویں بار پھر منظرِ عام پر لانے کا عزم صمیم کیا۔ اللہ رب العزت علاّمہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبزادہ صاحب کی مساعیِ جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ امین ثُمّ امین۔

ڈاکٹر محمد ریاض انجم

(سیکرٹری جنرل بلھے شاہ

ادبی سنگت قصور۔ پنجاب' پاکستان

0321-7071947

سلطان العاشقین

حضرت مولانا علامہ ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی قادری توکلی مرتضائی برکاتی

تاریخ کے آئینے میں

(نشانِ منزل)

شریعت کے رہبرِ شہیر، طریقت کے بدرِ منیر، حقیقت و معرفت کے معلّمِ کبیر، محسنِ اہلسنت، خلیفۂ مفتیِ اعظم، کشتۂ عشقِ رسولِ اکرم، شاعرِ اسلام، مصنف سیرتِ خیر الانام، عاشقِ صادق سید الشہداء امام عالی مقام، حضرت علامہ مولانا الحاج حافظ و قاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی قادری توکلی مرتضائی برکاتی پٹیالوی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ فَاذْکُرُوْنِیْ پر کاربند رہتے ہوئے گزرا ہے اسی وجہ سے مدتیں گزرنے کے باوجود ان کا ذکر خیر اور ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اکنافِ عالم میں فیضانِ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی پرکیف صدائیں ان کے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بین دلیل ہیں۔ لوگوں کے

دلوں میں ایسے بندگان خدا کی عقیدت اس محبت کا نتیجہ ہے جس کا آغاز اور اعلان خالق کائنات خود کرتا ہے اور اس محبت پر اَذْكُرُكُمْ[1] اور سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی صورت میں قرآن کریم کی گواہی بھی فراہم کرتا ہے تاکہ ذہنِ انسانی میں پیدا ہونے والی تشکیک کا امکان ہی نہ رہے۔ مخلوقِ خدا ایسی پاکباز ہستیوں کو ایک محسن کے طور پر نہ صرف ہمیشہ یاد رکھتی ہے بلکہ ان کی اتباع اور پیروی کے ذریعے اکتسابِ فیض بھی کرتی ہے کیونکہ انہی کے کردار و عمل اور حسنِ اخلاق نے گمراہی کی دلدل میں پھنسے ان گنت انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے نمونہ عمل دیا ہوتا ہے۔ انہی نیک ہستیوں کی سعی جمیل نے انسانوں کو وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ[2] کے مقصدِ تخلیق سے آشنا کر کے قربِ خداوندی کی ابدی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے انسانیت سالہا سال ان کے نقوشِ پا سے نشانِ منزل تلاش کرتی ہے۔

ولادت :

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ 1916ء میں ریاست پٹیالہ (ہندوستان) کے معروف شہر سنور کے ایک علمی اور روحانی گھرانے میں ایک صوفی منش شخصیت جناب الٰہی بخش خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ گھر کے پروقار اور علمی و فکری ماحول نے بچپن ہی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا شوق پیدا کر دیا تھا جس کی تکمیل کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] البقرہ: ۱۵۲ [2] الذاریات: ۵۶

نے چار سال دس دن کی عمر میں با قاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔ والدین کی دعاؤں اساتذہ کرام کی تربیت اور مشائخ عظام کی فیضانِ نظر نے آپ کو ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ کی منازل طے کروا کر سلطان العاشقین کے مقام پر فائز کر دیا۔ بفضلِ خداوندی سیرت طیبہ اور تاریخ وفقہ کے ساتھ ساتھ اسلام کے دیگر اہم موضوعات پر نظم ونثر میں انتہائی مدلل و معتبر کتب کثیرہ تحریر کرنے کی بناء پر اپنے معاصرین میں ہمدم تخلص سے مشہور ہوئے۔

تعلیم وتربیت :

ابتدائی تعلیم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائی شہر سنور سے حاصل کی بعد ازاں حفظ قران کی تکمیل اور تجوید وقرات کی تعلیم کے لئے استاذ القراء جناب قاری حفیظ الدین پانی پتی (جو اس زمانے میں علاقے بھر میں فن تجوید وقرات کے حوالے سے بہترین استاد کے طور پر جانے جاتے تھے) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے لئے پانی پت کا سفر اختیار کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ برس کی عمر کو پہنچنے تک ابتدائی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بہترین حافظ قرآن اور قاری خوش الحان ہونے کا اعزاز بھی پانی پت سے حاصل کر لیا تھا۔

سندِ فراغت وخلافت:

ابتدائی تعلیم اور حفظ و تجوید سے فراغت کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ علوم اسلامیہ ودینیہ کی تحصیل کے لئے مفتی اعظم ریاست پٹیالہ (ہندوستان) حضرت علامہ

مولانا محبوب علی خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شب و روز محنت کر کے فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ اور دیگر مروجہ علوم و فنون حاصل کیے۔ بعدازاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عالم اجل مولانا عبدالجلیل خاں صدر مدرس دارالعلوم عربیہ حنفیہ کریمیہ شہر جالندھر (ہندوستان) سے شرح جامی، ہدایہ، مشکوۃ شریف اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تشنگی ابھی باقی تھی جسے بجھانے کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ریاست پٹیالہ سے حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نگر لاہور کی طرف رختِ سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر دارالعلوم حزب الاحناف کے بانی قبلہ مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا ابوالبرکات سید احمد شاہ قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عالم اسلام کی اس عظیم دینی درسگاہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ یہیں قیام کے دوران خصوصی طور پر قبلہ سید صاحب سے درس حدیث لے کر سند فراغت اور آپ کے روحانی سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازت و سندِ خلافت بھی حاصل کی۔

تصوف و سلوک کی روحانی منازل:

حضرت علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں تعلیم کے دوران ہی اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے حضور مفتی اعظم شیخ العرفاء والسالکین حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ رضوی مشہدی قادری اشرفی کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی، اسی دوران تصوف اور

سلوک کی روحانی منازل طے کرنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مرتضائیہ میں حضرت پیر طریقت شیخ کامل خواجہ مہر محمد صوبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ علاوہ ازیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر مشائخ کرام نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ، سلسلہ عالیہ توکلیہ اور بالخصوص سلسلہ عالیہ مرتضائیہ میں خواجہ نور محمد فنافی الرسول رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔

عملی زندگی وآغاز تدریس وافتاء :

آپ رحمۃ اللہ علیہ ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کے بعد ریاست نابھہ (ہندوستان) کے سرکاری طور پر مفتی مقرر ہوئے جہاں سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس منصب کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ ریاست نابھہ میں اسلامی اور فقہی اعتبار سے تمام لوگوں کی نگاہوں کے مرکز تھے عوام الناس روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرتے تھے۔ سرکاری، نجی اور معاشرتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی علمی پیاس بجھانے کے لئے مسند تدریس پر بھی فائز رہے۔

فرائض وواجبات اور سنن پر مداومت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات قرآن سنت کے مطابق تھے۔ زندگی کی بڑی سے بڑی مصروفیت بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرائض وواجبات کی بروقت ادائیگی کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خلوت وجلوت میں ہمیشہ اتباع

رسول ﷺ کا خاص خیال رکھا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی بھی عمل سنت مصطفیٰ ﷺ کے خلاف نہ ہو۔آپ سنت رسول ﷺ کی اصل روح کو نہ صرف پوری طرح سمجھتے تھے بلکہ اس پر سختی سے عمل پیرا بھی تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے افعال واعمال اور رہن سہن کے طور طریقوں میں بے جا نمود و نمائش کے مخالف تھے۔آپ کی گفتگو نہایت مہذب اور برمحل ہوتی تھی،کوئی ناشائستہ اور غیر مہذب لفظ استعمال نہ فرماتے،آپ کی مجلس غیبت، چغلی، دوسروں کی بدخواہی اورعیب جوئی وغیرہ سے پاک ہوتی تھی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نجی و معاشرتی زندگی کا ہر پہلوانتہائی سادہ اور پروقار تھا۔

خانقاہی وسیاسی زندگی:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں خانقاہی اور سیاسی نظام کو بڑی خوبصورتی سے جمع کیا ہوا تھا۔

نِکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری ۔۔۔ کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اَندوہ دلگیری

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف محراب ومنبر سے وابستہ اپنی ذمہ داریاں بطریقِ احسن نبھارہے تھے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خطابت وامامت اور درس وتدریس کے ذریعے ہزاروں لوگ نہ صرف فیض یاب ہورہے تھے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی سے ان گنت انسان گمراہی کی دلدل سے نکل کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہورہے تھے۔دوسری طرف آپ رحمۃ اللہ علیہ سیاسی حوالے سے بھی انتہائی سرگرم رہے متحدہ ہندوستان اوراس کے بعد پاکستان میں بھی دین وملت کے تحفظ اور مُسلمِ اُمّہ

کے مفاد میں چلائی جانے والی ہر تحریک میں بیدار مغز مسلم قائدین کے شانہ بشانہ اپنی اخلاقی اور شرعی ذمہ داریوں کو انتہائی مدبرانہ انداز میں پورا کرتے رہے۔

جمعیت علمائے پاکستان میں ذمہ داریاں:

قیام پاکستان کے بعد اس مملکت خداداد کے استحکام اور نظام مصطفی ﷺ کے عملی نفاذ کے لیے کی جانے والی تمام تر کوششوں کو منظم کرنے کے لیے تحریک پاکستان میں مثالی کردار ادا کرنے والے علماء و مشائخ کرام کو غزالیِ زماں علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے جمعیت علماء پاکستان کے نام سے سواد اعظم کی نمائندہ سیاسی جماعت تشکیل دی، جس کے پہلے صدر علامہ ابوالحسنات قادری اور ناظم اعلیٰ علامہ سید احمد سعید کاظمی مقرر ہوئے تو اس موقع پر علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیل چونیاں ضلع قصور کا صدر مقرر کیا گیا۔

تحریک ختم نبوت میں قائدانہ کردار:

1953ء میں مقامِ مصطفی ﷺ کے تحفظ کی خاطر شروع ہونے والی تحریک ختم نبوت میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کردار صف اول کے قائدین میں سے کسی سے کم نہ تھا اسی دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں لیکن آقائے کریم رسولِ کائنات ﷺ کی عظمت و ناموس کا تحفظ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فرض اوّلین تھا اور اس فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی مصلحت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے راستے میں حائل نہ ہو سکی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک وطنِ عزیز

میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے عملی نفاذ کے لئے جمعیت علماء پاکستان کی مساعی میں برابر کے شریک رہے۔

تبلیغ دین متین:

محبت رسول ﷺ اور امت مسلمہ کی خیر خواہی کے جذبہ صادق کے تحت حضرت ہمدم رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور ساری زندگی اسی پر کار بند رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالنے سے لے کر حیات مستعار کے آخری لمحے تک ایک ایک ساعت دین اسلام کے حصول و تبلیغ واشاعت اور عشق رسول ﷺ میں صرف کی۔ اسی بنا پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر دینی خدمات اور علمی و روحانی مرتبہ و مقام کا اعتراف آپ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین علماء و مشائخ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد تصنیفات پر تقریظات لکھ کر کیا۔ جن میں جلیل القدر اسماء غزالیِ زماں رازیِ دوراں علامہ احمد سعید کاظمی، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی، فقیہہ اعظم علامہ نور اللہ نعیمی، شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، ابو الکلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، بیہقی دوراں علامہ سید محمود احمد رضوی، سلطان الواعظین ابو النور مولانا محمد بشیر کوٹلوی، پیر طریقت میاں جمیل احمد شرقپوری، الحاج مولانا ابو داؤد محمد صادق، رومی زماں الحاج مولانا محمد یعقوب حسین شاہ ضیاء القادری، علامہ شاہ عارف اللہ قادری اور شاعر پاکستان مولانا عزیز حاصل پوری سمیت ہندو پاکستان کے متعدد علماء کرام و مشائخ عظام

اور شعراء کرام نے حضرت علامہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کو زبردست انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا مثلاً شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی نے شاہنامۂ اسلام (ہمدم رحمۃ اللہ علیہ) پر ان الفاظ میں تقریظ رقم فرمائی ہے کہ ''مولانا ہمدم پٹیالوی نے تاریخ اسلام کو منظوم لباس ہی نہیں پہنایا بلکہ طرح طرح کی گلکاریوں سے بھی آراستہ فرمایا ہے اور بعض جگہ مولانا موصوف نے عمیق ترین تلمیحات اور استعارات کے رنگ میں تصوف کے ذوقیہ اور وجدانیہ اور کشفیہ مدارج و مقامات کی بھی تشریح فرمائی۔ تاریخ اسلام اور تصوف سے ذوق رکھنے والے حضرات کو چاہئے کہ کتاب ہذا کو ہمیشہ پڑھتے رہیں اور فیض حاصل کرتے رہیں رب العزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو نافع و مقبول فرمائے اور مولانا موصوف کو مزید خدمت اسلام کی توفیق عطا فرمائے آمین یاربّ العالمین''۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل:

حضرت علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے اہم اور نمایاں پہلو قرآن مجید، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک سے والہانہ محبت و عقیدت ہے جو حضرت علامہ ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ہر گوشے میں نظر آتی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری ہو یا نثر نگاری، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وعظ و تقریر ہو یا درس و تدریس ہر موقع پر ان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گویا عشق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل نظر آتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حال میں اپنے آپ کو قرآنِ کریم اور

دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ رکھا۔ قرآن مجید حفظ کرنے سے لیکر زندگی کے آخری لمحے تک دس پاروں کی تلاوت روزانہ کا معمول رہا اور اسے کبھی ترک نہ کیا اور اسی طرح ہر سال ماہ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح میں بھی باقاعدگی سے قرآن پاک سُنایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں متعدد کتب مثلاً: شانِ قرآن، قرآن شریف کا تعلیمی کورس دو حصص، تسہیل البیان اور تفسیر نورانی وغیرہ کتاب اللہ سے آپ کی گہری وابستگی کا اظہار ہیں۔

مودت اہل بیت اور شہید کربلا:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا حوالہ اور پہچان حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ پر فنا ہونا ہے۔ اسی بے حد محبت و وارفتگی کی بنا پر آپ کو فنا فی الرسول ﷺ کا عظیم درجہ حاصل ہوا۔ اسی حوالے سے حضرت ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں متعدد کتب مثلاً شانِ مصطفیٰ، نورِ مصطفیٰ، معجزاتِ مصطفیٰ، سیرت خیر الانام، معراج جسمانی، میلاد رسول رحمانی اور علم غیب رسول رحمانی وغیرہ ایسی ہیں جو آقائے کریم ﷺ کے حضور ناز میں نذرانہ عقیدت نظر آتی ہیں۔ عشق رسالتماب ﷺ کا تقاضا ہے کہ آپ کی اہل بیت اطہار کو بھی کائنات کی ہر چیز سے عزیز جانا جائے حضرت ہمدم رحمۃ اللہ علیہ اس میدان میں بھی سلطان العاشقین کے بلند مقام پر فائز المرام رہے اور شانِ فاطمہؓ، شانِ حسن رضی اللہ عنہ، مظلومِ کربلا، زینب دا سوہنا ویر، حیاتِ شہدا، اور شہید کربلا کی صورت میں متعدد کتب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے

ساتھ لازوال مودت کا واضح ثبوت ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ کتاب شانِ حسین المعروف بہ شہید کربلا ہے۔ اس کی مقبولیت کا راز حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء اور خاص مریدین کی محفل میں اس طرح بیان کرتے ہیں "راز کی کچھ باتیں کرنے والی اور کچھ نہ کرنے والی ہوتی ہیں، پھر فرمایا آپ سب کو یاد ہوگا کہ جن دنوں میں بیمار تھا اور بیماری اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ مجھے اپنی زندگی کی امید ختم ہو چکی تھی۔ اسی دوران میں ایک رات سویا تو میرے مقدر کا ستارہ اوج کمال پر جا پہنچا شہزادہ کونین مالک دارین ماوائے ثقلین نواسہء رسول سید الشہداء امام عرش مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا السلام علیک یا امام المتقین آپ رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا بیٹا ہمدم آپ نے میری سیرت و شہادت پر شہید کربلا نامی جو کتاب لکھی ہے وہ مجھے بہت پسند آئی ہے لیکن وہ ابھی تک نامکمل ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے مکمل کریں، میں نے عرض کیا حضور میں بیمار ہوں اور بسترِ مرگ پر ہوں، مجھے یہ یقین نہیں کہ میری زندگی مجھے اس قدر مہلت دے گی یا نہیں، اس کتاب کی تکمیل کے لئے تو کافی عرصہ درکار ہے۔ سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنی نظریں اُوپر اُٹھا کر لوح محفوظ پر دیکھا تو ارشاد فرمایا اے ہمدم تمہاری عمر واقعی ختم ہو چکی ہے بتاؤ کتنا عرصہ چاہئے؟ میں نے عرض کی حضور تین سال آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے مولا کریم! ہمدم کو مزید تین سال عطا فرما، اللہ کریم نے آپ رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اس حساب سے آج میری زندگی کا آخری دن ہے"۔

شانِ حسین المعروف بہ شہید کربلا کی مقبولیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے روایتی طریقہ کار سے ہٹ کر منفرد انداز میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔اس کتاب کی ترتیب اور مضامین نے اس کے حسن میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہے۔حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب لکھتے ہوئے فقط تاریخ یا فضائل تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ شہادت سے متعلق اٹھنے والے تمام سوالوں کے مدلل جواب بھی قلمبند کیے ہیں تا کہ کسی کو اعتراض و انکار کی ہرگز جرات نہ ہو سکے۔شہید کربلا ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل ہے،مقدمہ میں جو مضامین زیر بحث لائے گئے ہیں ان کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو اقسام روح، اقسام حیات ،اقسام شہادت ،اقسام نعمت ،اقسام مصیبت ،حیات انبیاء و اولیاء، روح اور نفس کا جہاد ،شانِ مجاہد ،شانِ شہید ،مقاماتِ امتحان اور فلسفۂ شہادت وغیرہ۔عامیانہ اور سطحی طریقہ کار سے ہٹ کر ہر مضمون کی صداقت کو آیات قرآنی اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا گیا ہے۔بقیہ چار ابواب میں جناب سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جناب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک مختلف ادوار میں مبعوث ہونے والے انبیاء کرام کو راہ حق میں پیش آنے والے امتحانات اور مصائب کا تذکرہ اور ساتھ ساتھ حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے امتحانات اور مصائب کو ذکر کیا گیا۔شہید کربلا کے بارے میں مقتدر علماء اور مشائخ عظام کی رائے ہے کہ یہ کتاب ہر انسان کے لئے مشعلِ ہدایت اور آئینۂ صداقت ہے۔ اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے۔اللہ کریم اپنے

حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے طفیل اسے نافع اور مقبول فرمائے۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین، آپ کی اولاد خلفاء اور تمام مریدین کے لئے ذریعہ نجات بنائے آمین یارب العالمین۔

وصال وسالانہ عرس مبارک :

شان حسین المعروف بہ شہید کربلا سمیت کتب کثیرہ کے مصنف حضرت علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ عشق رسالت مآب ﷺ اور خدمت اسلام میں اپنی زندگی کے مصروف ترین شب و روز گزار کر 14 اور 15 رجب المرجب کی درمیانی شب بمطابق 28 اپریل 1983ء بروز جمعرات اپنے مرید خاص پیر راناز کا والدین ہمدمی کے گھر پر منعقدہ میلاد مصطفیٰ ﷺ کی ماہانہ محفل میں یارسول یا نبی ﷺ کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ہر سال بکرمی تقویم کے اعتبار سے اسوج کے آخری ہفتہ کو آستانہ عالیہ ہمدم چھانگا مانگا تحصیل چونیاں ضلع قصور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتا ہے۔ جس میں اندرون و بیرون ملک سے کثیر تعداد میں علماء کرام، مشائخ عظام، حفاظ و قراء سمیت ہزاروں مریدین و عقیدت مند حضرات شریک ہوکر دارین کی برکتوں اور فیضان ہمدم رحمۃ اللہ علیہ سے مستفید ہوتے ہیں۔

آپ کے جانشین حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ پیر محمد اقبال خاں ربّانی

ہمدمی نہ صرف آپ کے فیوض و برکات کی تقسیم اور سلاسل خیر کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں بلکہ ان میں خوبصورت اضافہ بھی کر رہے ہیں۔ جن میں فیضان ہمدم ٹرسٹ کا قیام آپ کا اہم کارنامہ ہے جس کے تحت آپ کی نگرانی میں بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم کے ادارے شب و روز سینکڑوں تشنگان علم کی علمی و روحانی پیاس بجھانے میں مصروف ہیں۔ جس کا عملی ثبوت ہر سال تنظیم المدارس کے سالانہ امتحانات میں درجنوں طلباء و طالبات شرکت کر کے نہ صرف اعلی پوزیشنوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں بلکہ ضلع بھر میں ایک شاندار ریکارڈ بھی رکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں طلباء وطالبات کی ضرورتوں کے پیش نظر 22 کنال پر محیط فیضان ہمدم یونیورسٹی کے وسیع و عریض نیو کیمپس کی بنیاد رکھ کر وابستگان حضور سلطان العاشقین کی آنے والی نسلوں پر احسان فرمایا ہے۔ آپ حضرت ہمدم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی وراثت کی ترسیل اور مزار پر انوار کی تعمیر و ترقی اور عالی شان مسجد کی تعمیر اس انداز سے جاری رکھے ہوئے ہیں کہ وہاں پر حاضری دینے والے ہر مرید و زائر کو روحانی فیوض و برکات کے حصول کے ساتھ ساتھ تاریخِ اسلام اور خانقاہی نظام سے بھی کماحقہ واقفیت حاصل ہو رہی ہے۔

ممتاز احمد ربانی ہمدمی

سیکریٹری جنرل مصطفائی تحریک پاکستان

پرنسپل المصطفیٰ قرآن کالج، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ (1)

شمس العلماء، بدر الفضلاء، بیہقی زماں، رازیِ دوراں، بحرِ علومِ عقلیہ و نقلیہ شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت العلّام الحاج الحافظ **محمد عبد الستار سعیدی** مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ

راقم کے پیشِ نظر اس وقت عظیم الشان تصنیف جلیل ''شہیدِ کربلا'' ہے جو کہ حضرت گرامی مرتبت، سلطان العاشقین، مرجع العلماء والفضلاء علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری مہر محمد خاں ہمدم نقشبندی قادری توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے رشحات قلم کا ثمر ہے۔ کتاب انتہائی تحقیقی اور جامع ہے۔ اس میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عظمت و شان سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو شاندار اور احسن پیرائے میں خراجِ تحسین پیش فرمانے کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر علمی مسائل پر بھی محققانہ بحث فرمائی ہے۔ مثلاً فلسفۂ شہادت، اقسام شہادت، اقسامِ حیات، اقسامِ روح، اقسامِ نعمت اور اقسامِ مصیبت وغیرہ۔ الغرض حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی عوام و خواص کیلئے انتہائی مفید و نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ مصنف کے درجے مزید بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حافظ محمد عبد الستار سعیدی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مورخہ: 2012/11/6ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ (2)

حضرتِ اقدس، اَفصح الفصحاء، تاجُ الشُعراء، اُستاذُ العلماء شیخُ العرفاء، سیّدی وسَنَدی، مولائی ومَلجائی، رومیِ زماں جامیِ دوراں، مظہرِ حسّاں، اُستاذُ الشُعرائے ہندوپاکستاں اُستاذِی المعظم ذُوالمجدِ والکرم حضرت علامہ مولانا الحاج محمد یعقوب حسین شاہ صاحب ضیاء القادری

البدایونی، دامت برکاتہم العالیہ جوہرآباد کراچی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ خدا عزوجل اور نعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں اسلام وایمان کی دل افروز، جانفزا نشانیاں ہیں۔ آفرینشِ عالم اور تخلیقِ آدم علیہ السلام کی اساس ہی توحید واسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے قائم کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی ورسول نے جہاں

توحید و اسلام کی اشاعت فرمائی وہاں محبوبِ خدا خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت بھی مخلوقِ الٰہی کو دی۔

یہاں تک کہ منشاءِ الٰہی کی تکمیل ہوئی۔ پھر پردۂ غیب سے حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمِ شہود میں ظہور فرمایا۔

دنیائے کفر و الحاد میں حقیقت نما حقائق آفریں انقلاب آیا۔ گلشنِ رنگ و بو میں بہارِ جاوداں آئی۔ عالمِ آب و گل میں تجلیاتِ الٰہیہ نے جلوہ افشانی فرمائی۔ وہ وقت بھی آیا کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی خوشخبری دی۔ (المائدہ 3:)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (کنزالایمان)

اداشناسِ اصحابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماتھا ٹھنکا اور بارگاہِ نبوی میں قیاس آرائیاں ہونے لگیں آخر مشیتِ ربانی پوری ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی نے حیاتِ جاودانی کی خلوت سرا میں جلوہ فرمائی۔

خلفاءِ راشدین کا مبارک زمانہ گزرا۔ بنو اُمیہ اور بنو عباس کی حکمرانیاں، دیگر سلاطینِ اسلام کی جہانبانیاں دنیا کے ہر خطہ میں دنیوی ترقی کا ساز و سامان بنیں۔ یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ کرۂ ارض میں، تمدنی، اقتصادی برتریاں تہذیب و اخلاق کی فراوانیاں صرف اسلام ہی کے برگزیدہ افراد کے ذریعے ہوئیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت نے برصغیر کی کایا پلٹ دی علمی، ادبی، تمدنی، تہذیبی ترقیاں معراجِ کمال کو پہنچیں۔

علوم وفنون کے دریا بہے ہندوستانی قدیم تہذیب کا یہ عالم بھی قابلِ ستائش ہے۔

1965ء میں شہیدِ ملت، عظیم البرکت حضرت مولانا شاہ عبدالماجد صاحب القادری البدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ میرٹھ میں منعقد کیا۔ اس فقیر کو جلسہ کے انتظامات کیلئے چار روز قبل روانہ کیا وہاں پر آریہ سماج کا بھی ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا۔

جلسہ کے آخری روز مسلمانوں کو رفعِ شکوک کے لیے ایک گھنٹہ کا وقت دیا گیا آریہ سماج کا ایک وفد ہمارے کیمپ میں آیا۔ ان کے انتہائی اصرار پر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب متھراوی ماہرِ سنسکرت فاضل ہفت زبان کے ہمراہ فقیر ضیاء القادری اور میرے برادرِ طریقت مولانا عبدالصمد صاحب آریہ کے جلسہ گاہ میں گئے۔ جلسہ گاہ میں علاوہ اہلِ ہنود کے مسلمانوں کا بھی بے شمار مجمع تھا۔

ہندوستان کے مشہور مہاشے منشی رام جی، پنڈت شرویا جی، نندی جی، مراری لال وغیرہ اپنے اسٹیج پر پہلے سے ہی موجود تھے ہم لوگوں کو اسٹیج کے بالمقابل اور کچھ فاصلہ پر کرسیاں اور میزیں سجا کر بٹھایا گیا۔ تقریریں ختم ہونے کے بعد ہمیں بھی مخاطب کیا۔

ہم نے اپنا نمائندہ مولانا عبدالماجد صاحب موصوف کو بنایا دس دس منٹ مناظرین کو تقریر کے لیے دیئے گئے اسلامی نمائندے نے بانیانِ جلسہ کے شکریہ کے بعد صرف ایک مختصر سا سوال جو پیش کیا۔ وہ یہ تھا کہ آپ چاروں ویدوں کو الہامی قرار دیتے ہیں مسلمان معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ چاروں وید کس زمانہ میں نازل ہوئے اور کن افراد پر نازل ہوئے۔ ان کے حالاتِ زندگی کیا ہیں؟

اس کے جواب میں آریہ سماج لیڈروں نے بڑی تلخ و ترش آئیں بائیں تقریریں

کیں مگر آخر تک کوئی پنڈت نزولِ وید کے حالات نہ بتا سکا۔ پہلے ہی جلسہ میں واضح ہو گیا کہ وید کی قدامت یا اس کا نزول محض کوشش اعتقادی سے ہی ہے۔

اسلامی نمائندہ حضرت مولانا موصوف نے تمام ہندو مسلم مجمع سے درخواست کی کہ آپ لوگ بتائیں ہمارے سوال کا سماجی مقررین نے کوئی جواب دیا ہے؟ مجمع میں تالیاں بج گئیں اور آریہ مناظرین کو شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔

اردو نظم ونثر کی تاسیس (بنیاد) بھی ہندوستان میں مسلمانوں نے ہی رکھی۔ اردو بھاشا کے موجد حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی خالقِ باری تصنیف صدی پیشتر شاملِ نصاب تھی۔

اس کے بعد اکبر اعظم اور شاہجہان کے عہد میں لشکری زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ نثر نگاری کے موجد مرزا رجب علی بیگ اور شعروادب کے بانی سرور صاحب ہیں۔

سلطنتِ مغلیہ کے زمانہ میں اردو نظم ونثر نے نمایاں ترقی کی۔ آج ہزاروں نثر نگار اور ہزاروں شاعر ہندوستان اور پاکستان میں موجود ہیں جنہوں نے خطابت وکتابت اور شعروادب کو پروان چڑھایا۔

ہمارے محترم وعزیز اور بزرگ باوقار حافظ قاری علامہ مہرِ محمد خاں صاحب ہمدم جس طرح مشہور عالم وفاضل وخطیب ہیں اسی طرح ناظم وشاعر وادیب بھی ہیں آپ کثیر التصانیف اہلِ قلم ہیں۔ آپ کا ذخیرۂ تالیفات اگر ایک طرف شعروادب کا مخزن ہے تو دوسری جانب تاریخی، ادبی، مذہبی، نثر نگاری کا معدن ہے۔

آپ کے شاعرانہ افکار بھی لطافتِ سخن سے مرصع ہیں اور آپ کی محققانہ قلم کاریاں

بھی معلومات کا مرقع ہیں۔ان تمام فاضلانہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایہ عارف وصوفی بھی ہیں۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے شیخِ طریقت اور صاحب درس بھی ہیں۔مذہبِ حقہ اہلسنت کی تبلیغ آپ کا مشرب ومسلک ہے۔

پاکستان کے سنّی علماء ومشائخ آپ کے معترِف ہیں فقیر ضیاءُ القادری کے لیے یہ آپ کی محبت باعثِ نازو افتخار ہے کہ آپ نے شاعرانہ حیثیت سے حمد ونعت ومناقب میں اس فقیر سے رشتۂ تلمذ قائم کر کے ضیائی شعراء میں شرکت قبول فرمائی۔آپ نے نظم ونثر میں مندرجہ ذیل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

1-شاہنامہ اسلام (ہمدم) چہار جلد 2-انوار المصابیح دو جلد 3-انوارِ مہر ہدایت 4-شانِ فاطمہ 5-شہیدِ کربلا دو جلد 6-اسرارِ معرفت 7-شیخِ کامل 8-تسہیل البیان 9-مصحفِ ہمدم 10-مناظرہ ہوشیار پور 11-معراج نامہ اسلام 12-مظلومِ کربلا۔

آپ کی بکثرت کتب میں شاہنامہ اسلام (ہمدم) نظم ونثر میں ایک وسیع ضخیم تاریخ ہے جس کو جہاں تک چاہیں آپ پھیلا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا فیضِ خطابت وکتابت وسیع سے وسیع تر فرمائے اور آپ کی ہر تصنیف اہلِ علم واہلِ ذوق میں مقبول ہو۔(آمین ثم آمین)

دعا گو: فقیر ضیاالقادری غفرلہ، جوہر آباد، کراچی ۱۳۸۱ھ، ۱۰ شعبان المعظم

تقریظ (3)

حضرتِ مہر محمد ذی وقار
عالم وفاضل خطیب وشیخ وپیر

بُوالمعانی نقشبندی قادری
عارفِ حق صوفیِ روشن ضمیر

شاعر بے مثل و ناثر لاجواب
ماہر اصناف شعر و نظم گیر

خوش نگارِ حلقہَ اہلِ قلم
صاحبِ تالیف و تصنیفِ کثیر

آپ کے حسنِ بیاں کے معترف
عارف و محمود ، مولانا بشیر

آپ کے واصف شہِ فیضِ الحسن
ہیں مناقب خواں معین الدیں مدیر

آپ کے مدّاح احمد یار خاں
کاظمی و ازہری روشن ضمیر

شاہنامہ نیز تسہیلِ البیان
نیز تفسیرِ نورانی نیز انوارِ منیر

مصحف و اسرار و شانِ فاطمہ
الغرض تصنیف ہر اک دلپذیر

ذوقِ تصنیف آپ کا ہے لاجواب
آپ اپنے فن کے ہیں مہرِ منیر

تا ابد فیض آپ کا جاری رہے
آپ پر ہو رحمتِ ربّ قدیر

ہوں تصانیف آپ کی مقبول سب
ہوں بیانات آپ کے سب شہد وشیر

قادریت ہو مبارک آپ کی !
آپ کے حامی ہوں پیرِ دستگیر

مجھ سے نسبت آپ کی میں کیا کہوں؟
آپ عالی منزلت میں اِک فقیر

تقریظ (4)

عیسوی سن شانِ حسین کی ضیا
ہوش افزا شانِ حسین بے نظیر

ہمدم خوش بیاں کی ہر تصنیف
ہے عجب بے مثال اے دل لکھ!

اے ضیاء سال شاہنامہ کی
شاہنامہ ضیائے محفل لکھ!

دعاگو: فقیر ضیاء القادری البدایونی غفرلہ جوہر آباد کراچی
۱۰ شعبان المعظم 1381ھ

الحمد للہ

فلسفہ شہادت

شہادتِ حسنین رضی اللہ عنہما

شہادۃ رحمۃ للعلمین

کی سیرتِ طیبہ کا ایک مستقل اور مکمل باب ہے۔

شہیدِ کربلا

کی زیارت فیضِ بشارت اور کتاب ہذا کی تلاوت (محبت سے پڑھنا) باعثِ رحمت و برکت اور تعلیماتِ امام حسین رضی اللہ عنہ پر عمل کرنا ہم سب کیلئے نجات کا ذریعہ ہے۔

فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ

بیشک حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما جنتیوں کے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شہیدِ کربلا کے طفیل نافع و مقبول فرمائے۔ امین ثم آمین

منجانب: صاحبزادگان و وابستگان

آستانہ عالیہ حضور سلطان العاشقین ہمدم رحمۃ اللہ علیہ

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

ثناء و حمد کے لائق وُہی خلّاق و سُبحاں ہے
وُہی ہے خالق و مالک وُہی رزّاق و رحماں ہے

وُہی ہے جُملہ مَوجودات و مَخلوقات کا خالق
وُہی دانا و بینا ہے وُہی ہے مالک و رازق

وُہی ہے لَایَزَالُ و لَمْ یَزَلْ اَحَدُ و صَمَدْ دائم
اَزل سے تا اَبد ہر آن خود ہے باقی و قائم

اُسی نے حرفِ "کُن" کہہ کر کیا کونین کو پیدا
اُسی کے حُسنِ تخلیقات پر ہیں دو جہاں شیدا

وُہی اِس بزم موجودات کا ہے مالک و آقا
وُہی ہے داور محشر وُہی دو جگ کا ہے داتا

وُہی ہے ذُوالجلال و ذُوالکرام و رازِقِ مطلق
وُہی ہے حافظ و ناصر وُہی ہے خالِقِ مطلق

وُہی بخشش کنندہ ہے شہید و شاھد و اَشْھدَ
رحیم و اکرم و ارحم رشید و ارشد و امجد

غنی و مُغنی و مُعطِی و ھادی حافظ و ناصر
وُہی ہے اوّل و آخِر وُہی ہے باطن و ظاہر

اُسی کی ذات والا سے ہے قائم عالمِ اِمکاں
اُسی کی ہر جگہ پر ہو رہی ہے حمد بے پایاں

اُسی کی شانِ والا میں ہے آیا نَـاھِیْ و اٰمِـر
وُہی بالا و اعلیٰ ہے وُہی ہے خالقْ و قادر

اُسی کی ذرہ ذرہ میں ہوئی جلوہ نمائی ہے
شہود و غیب میں اُس کی ہی شانِ کبریائی ہے

اُسی کا کُـنْـتُ کَـنْـزًا مَـخْـفِیًا فرمانِ والا ہے
اُسی کی نَحْنُ اَقْرَبْ اور مَعَکُمْ شانِ والا ہے

رموزِ حق سمجھ سکتے نہیں اہلِ جہاں باہم
ہَماں فہمد چوں گوردد از مکان و لامکاں ہمدم

محمد ﷺ حامد و محمود و احمد ہے مُبَشِّر ہے
وہی طٰہٰ مُزَمِّلؔ بھی مُدَثِّرؔ اور سرور ہے

محمد ﷺ باعثِ ایجاد ہے مختار عالَم ہے
محمد ﷺ ہادی اعظم حبیب ربِّ اکرم ہے

محمد ﷺ اوّل و آخِر محمد ﷺ باطن و ظاہر
محمد ﷺ شاہد و مشہود و اٰمِر، نَاہِی و ناصر

محمد ﷺ شانِ عالَم ہے محمد ﷺ جانِ عالَم ہے
خدا کا نائبِ اکرم ہے اور محبوبِ اعظم ہے

محمد ﷺ نورِ یزدانی محمد ﷺ سرِّ رحمانی
محمد ﷺ مظہرِ ذاتِ الٰہی ظِلِّ ربّانی

یتیموں اور مسکینوں ، غریبوں کا یہی آقا
ضعیفوں ، بیکسوں اور نحیفوں کا یہی داتا

محمد ﷺ صاحبِ دینِ احد اور صاحبِ قرآں
محمد ﷺ حجتِ حق نورِ رب اور خاتمِ دوراں

وہ مکی اور مدنی بھی رسولِ ہاشمی وہ ہے
حجازی و ترازی و تہامی خاتمی وہ ہے

انہی کی شانِ والا میں ہوا لولاک ہے نازل
انہی کی عرش ہے مسند انہی کی لامکاں منزل

انہی کی شانِ والا میں ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ آیا
فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی حق نے فرمایا

محمد ﷺ صاحبِ تاجِ شفاعت صاحبِ اِسْرَاء
محمد ﷺ خاتمِ پیغمبراں یٰسٓ اور طٰہٰ

شہادت ناز کرتی ہے

حسین ابنِ علی تم پر شہادت ناز کرتی ہے
سخاوت ناز کرتی ہے لطافت ناز کرتی ہے

ہزاروں کوفیوں کو کربلا میں قتل کر ڈالا
یہ وہ تھا معرکہ جس پر شجاعت ناز کرتی ہے

حسین ابنِ علی جیسا دکھا دو کوئی عالَم میں
وہ جس کی ذات پر قرآں کی آیت ناز کرتی ہے

تیرا ذوقِ عبادت زیرِ خنجر کربلا والے
عبادت تھی یہ وہ جس پر عبادت ناز کرتی ہے

رہے خود آپ پیاسے دے دیا اعداء کو سب پانی
مروت تھی یہ وہ جس پر مروت ناز کرتی ہے

علی اصغر کو بھی راہِ خدا میں کر دیا حاضر
یہ قربانی تھی وہ خود جس پہ ملت ناز کرتی ہے

وہ چوکھٹ جس کی دربانی کو جبرائیل آتے تھے
یہ وہ بیتِ نبی ہے جس پہ جنت ناز کرتی ہے

سرِ اقدس جھکایا زیرِ خنجر آپ نے ہمدم
یہ وہ سجدہ تھا خود جس پر عبادت ناز کرتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرتِ انسان

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ روح لطیف ہے جبکہ جسم کثیف۔ روح عالمِ امر کی ساکن جبکہ جسم عالمِ خلق کا روح گویا عالمِ خلق میں ایک مسافر ہے جب روح قرآن پڑھتی ہے تو خوب جھومتی اور وجد کرتی ہے۔ اسے قرآن پڑھ کر بہت ہی مسرّت ہوتی ہے کیونکہ قرآن روح کے دیس کا ایک روحانی اور نورانی خط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ جل جلالہ ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (النسآء: 174)

ترجمہ: اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اُتارا۔ (کنزالایمان)

خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے دیسی اور پردیسی یعنی روح اور جسم کو اکٹھا فرمادیا۔ ان دونوں کی تربیت عالمِ امر اور عالمِ خلق کی غذاؤں سے فرماتا ہے۔

عالمِ امر کی غذائیں روح کو انبیاء و اولیاء کے واسطہ سے عطا ہوتی ہیں۔ مثلاً ذکر کلمۂ طیبہ، درود شریف، تلاوتِ قرآن و دیگر اذکار و وظائف، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ تسبیح و تہلیل (لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ) وغیرہ یہ سب روحانی غذائیں ہیں۔ جن سے روح کی تربیت ہوتی ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد:28)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ (کنزالایمان)

اسی پر ناطق ہے۔ خدا نے جسم کی نشو ونما کیلئے دودھ، دہی، گھی، گوشت پھل، گندم، چاول وغیرہ پیدا فرمائے ہیں، جو اسی عالم میں پیدا ہوتے ہیں۔

جب جسم بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی شفایابی کیلئے عالمِ خلق کے اطباء اور ڈاکٹرز (Doctors) علاج کرتے ہیں وہ طرح طرح کی جسمانی ادویات تجویز کرتے ہیں اور پرہیز کرواتے ہیں۔ وہ تمام ادویات اسی عالمِ خلق کی ہیں جو استعمال کروائی جاتی ہیں۔ جب روح بیمار ہو جاتی ہے تو روح کا علاج روحانی اَطِبّاء یعنی علمائے کرام اور مشائخِ عظام، اولیائے کاملین کرتے ہیں وہ روحانی ادویات روح کی شفایابی کیلئے تجویز فرماتے ہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل:82)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اُتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کیلئے شفاء اور رحمت ہے۔ اسی پر دال ہے۔ (کنزالایمان)

ایں حکیمانِ جہاں دانشورند — برسقامِ تُو زِتُو واقف ترند
حالِ تو دانند یک یک مُوبمُو — زانکہ پُر ہستند از اَسرارِ ہُو

ترجمہ: یہ جہان کے حکیم عقل مند ہوتے ہیں۔ تیری بیماری پر تجھ سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ تیرے ہر ایک حال اور بال بال کو جانتے ہیں۔

جس طرح پیشاب اور پاخانہ وغیرہ لگنے سے جسم ناپاک ہو جاتا ہے اسے

پانی سے دھو کر پاک کر لیا جاتا ہے اسی طرح کفر و شرک نفاق اور دیگر گناہوں سے روح ناپاک ہو جاتی ہے پھر اسے توبہ اور ذکر و فکر کے پانی سے پاک کیا جاتا ہے یا کسی عارفِ ربانی کی نگاہِ کرم سے پاک ہو سکتی ہے۔

کر صاف دل کو غیر سے اس کو وضو کہیں
پر شرط ہے پیارے کہ ہر دم وضو رہے

مفکرِ اسلام علامہ محمد اقبال علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

ترجمہ: مٹھی بھر مٹی (مراد انسان کی ذات) سے کیمیا کو پیدا کر کسی ولیِ کامل کی چوکھٹ کو چوم لے۔

اَقسامِ روح

انسان میں دو روحیں ہیں: ایک روحِ سُلطانی جس کا مقام دل ہے۔ جبکہ دوسری روحِ سیلانی جس کا مقام دماغ ہے۔

☆- **روحِ سُلطانی:** وہ روح ہے جس کے ساتھ انسان کی زندگی قائم ہے۔ یہ روح تا حیات جسم میں رہتی ہے۔

☆- **روحِ سیلانی:** وہ روح ہے، جو دماغ میں رہتی ہے۔ جس سے انسان کے ہوش و حواس برقرار رہتے ہیں۔

☆ - روحِ سُلطانی جسم سے موت کے وقت نکلتی ہے روحِ سُلطانی کے نکلنے سے انسان مردہ کہلاتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط۔ (الِ عمران:185)

ترجمہ: ''ہر جان کو موت چکھنی ہے''۔ (کنزالایمان)

☆ - روحِ سیلانی: سونے کے وقت نکلتی ہے۔ روحِ سیلانی کے نکلنے کا نام نصف موت ہے۔ روحِ سیلانی کے نکلنے کا نام نیند ہے۔ جس طرح روح سیلانی کے نکلنے کے بعد بھی اس کا جسم سے تعلق بدستور قائم رہتا ہے۔ روح خواہ کسی بھی جگہ ہو جب کسی نے سونے والے آدمی کو ہلایا یا کسی نے بلایا (پکارا) تو روح ہزاروں میل سے آنِ واحد میں آ کر جسم میں فوراً داخل ہو جاتی ہے اور سونے والا فوراً بیدار ہو جاتا ہے۔

☆ - اسی طرح سُلطانی روح کے جسم سے نکلنے کے بعد بھی اس کا تعلق جسم سے قائم رہتا ہے۔ (جس طرح بجلی کے بٹن کا تعلق پاور ہاؤس سے) جب بھی کوئی اس کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے آیا تو اسے فوراً معلوم ہو گیا۔ کون؟ کب اور کیسے آیا ہے؟ معلوم ہوا کہ موت نہ تو روح کی فنا کا نام ہے (جبکہ روح کو فنا نہیں) اور نہ جسم کی فنا کا، موت صرف روح اور جسم کے ضعیف تعلق کو کہا جاتا ہے۔ اب روح کیونکہ اس جسم کی تربیت نہیں فرماتی اس لئے جسم بعد موت گل سڑ جاتا ہے۔ چونکہ روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے۔ اس لئے قبر میں نیکوکاروں کے جسم کو راحت پہنچتی ہے اور طرح طرح کے خدائی غذاؤں انعامات و اکرامات سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: ۱۶۹)

اسی پر ناطق ہے اور بدکاروں کے جسم کو طرح طرح کے عذاب ہوتے ہیں اور دونوں کی ارواح کو پورا پورا احساس بھی ہوتا ہے۔

اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔

ترجمہ: قبر جنت کے باغوں میں سے باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

خیال رہے کہ روح نورانی اور لطیف ہے۔ وہ جسم میں اس طرح سماتی ہے جس طرح کوئلہ میں آگ یا گلاب کے پھول میں عرق ہوتا ہے۔ بعد وفات روح کا جسم سے یہ تعلق نہیں رہتا بلکہ بجائے داخلی تعلق کے روح سے خارجی تعلق رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہ کا تعلق رعیت سے ہوتا ہے مگر یاد رہے کہ یہ روحانی تعلق اجسام سے ہم نے عام عرض کیا ہے ورنہ انبیاء و اولیاء کا جو اپنے اجسام سے تعلق ہوتا ہے وہ ویسا ہی ہوتا ہے جو حیاتِ ظاہری میں بلکہ حیاتِ ظاہری سے بھی قوی تر ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

امام شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے (حدائقِ بخشش)

حیاتِ انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ

انبیاء و اولیاء کی برزخی زندگی عوام سے بہت زیادہ قوی تر ہوتی ہے۔ ان کے اجسامِ مقدسہ گلنے سڑنے سے پاک اور ان کی ارواحِ طیّبات دونوں جہاں کی بے تکلف سیر فرماتی ہیں اور وہ حضرات پوری پوری طرح کائنات میں تصرف فرماتے ہیں۔ اپنے نیاز مندوں کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں ان سے ہر طرح کے مصائب و آلام دفع فرماتے ہیں۔ ان کی ہر جگہ امداد و اعانت فرماتے ہیں۔ ان سے دشمنوں کو دور فرماتے ہیں۔ ان کے مال و جان کی دشمنوں سے حفاظت فرماتے ہیں۔ وہ حضرات اپنی قبور میں نمازیں ادا فرماتے ہیں۔ اذکار و اشغال میں مصروف رہتے ہیں۔ شبِ معراج تمام نبیوں اور پیغمبروں علیہم السلام نے حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے ساتھ تمام نبیوں (پیغمبروں) نے حج ادا کیا۔ جس کی حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی۔ ہم اگر خواب میں کچھ کھائیں تو صبح بھوکے رہتے ہیں اور اسکی لذت بھی محسوس نہیں کرتے۔ وہ حضرات اگر خواب میں کچھ کھائیں تو لذت بھی محسوس کرتے ہیں شکم سیر بھی ہوتے ہیں۔ غرضیکہ

اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا، اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا۔ (تفسیر روح البیان)

ترجمہ: ہماری روحیں ہمارے جسم اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں۔

انہیں حضرات پر ناطق ہے۔ وہ حضرات ہماری طرح کھانے پینے کے

محتاج نہیں ہیں۔ ہم اگر کھانا پینا چند دنوں کیلئے چھوڑ دیں تو مر جائیں وہ حضرات اگر بارہ سال یا تمام عمر کچھ نہ کھائیں پئیں تو اسی طرح زندہ رہیں۔ اس پر انبیاء واولیاء کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آلِ عِمْرٰن: ۱۶۹)

ترجمہ: بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

؎ فنا کیسی بقا کیسی جب اُس کے آشنا ٹھہرے
کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے کبھی اِس گھر میں آ ٹھہرے

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

---♦---

؎ بلھے شاہ اسیں مرنا ناہیں گور پیا کوئی ہور

---♦---

؎ ولی اللہ دے مردے ناہیں کردے پردہ پوشی
کی ہویا جے دنیا اُتوں ٹُر گئے نال خموشی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَآءِ اِلٰی دَارِ الْبَقَآءِ۔

ترجمہ: سُنو! اللہ تعالیٰ کے دوست مرتے نہیں بلکہ فناء کے مکان سے بقاء کے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

؎ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے (علامہ اقبالؒ)

اَقسامِ حیات

حیات تین قسم پر ہے:

(i) حیاتِ حِسی (ii) حیاتِ حقیقی (iii) حیاتِ حکمی

(i) حیاتِ حِسی وہ ہے جو محسوس ہو۔

(ii) حیاتِ حقیقی وہ ہے جو حقیقت میں بھی زندہ رہے۔ جیسے روح کی زندگی کہ وہ جسم سے جدا ہو کر بھی حیات (زندہ) رہتی ہے۔

(iii) حیاتِ حکمی وہ ہے جو دیکھنے میں نہ آئے مگر اس پر زندگی کے بہت سے احکام جاری ہوں۔ جیسا کہ انبیاؑ و مرسلین کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہ ہوئی۔ ان کی بیویوں سے نکاح کرنا حرام۔ نیز شہداء کی شہادت کے بعد بقائے جسم کے احکام جاری ہوں اور عطائے رزق وغیرہ و دیگر احکام جاری ہوں۔

اَقسامِ موت

حیات کی طرح موت بھی تین قسم پر ہے:

(i) موتِ حِسی (ii) موتِ حقیقی (iii) موتِ حکمی

(i) موتِ حِسی وہ ہے جو بظاہر محسوس ہو۔

(ii) موتِ حقیقی وہ ہے جو حقیقتاً مر جائے جیسا کہ قیامت کے دن جانوروں کو بدلا دِلا کر فنا کر دیا جائے گا اور فرمایا جائے گا۔

کُـونُـوا تُـرَابًـا یعنی ''تم مٹی ہو جاؤ''۔

قیامت کے دن ان کو فنا کر دیا جائے گا۔

(iii) موتِ حکمی وہ ہے جو بظاہر زندہ ہو مگر اس پر موت کے احکام جاری ہوں، جیسا کہ مرتد اگر چہ وہ بظاہر زندہ ہے مگر اس کا مال اس کی ملکیت سے نکل چکا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے۔

ہمارے اس مختصر سے بیان سے معترضین کے تمام اعتراضات وشبہات کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب ہم مجاہد کے چند فضائل وخصائص عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

شانِ مجاہد

لفظِ مجاہد جہاد سے نکلا ہے۔ جہاد کے لغوی معنیٰ ہیں ''کوشش کرنا'' اور اس کی کئی اقسام ہیں:

(i) جہاد بِـالِّسَانْ، (ii) جہاد بِـالْـقَـلَـمْ،

(iii) جہاد بِـالسَّیفْ۔

(i) اگر جہاد زبان سے ہو تو اسے جہاد بِالِّسان کہا جاتا ہے۔

(ii) اگر جہاد قلم سے ہو تو اسے جہاد بِالْقَلَمْ کہا جاتا ہے۔

(iii) اگر جہاد تلوار سے ہو تو اسے جہاد بِالسَّیفْ کہا جاتا ہے۔

قصہ مختصر ہر ایک جہاد کا درجہ اور مقام علیحدہ علیحدہ ہے۔ جہاد کے اصطلاحی

معنٰی ہیں "اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ الْحَقْ" کیلئے راہِ حق میں لڑنا۔ اگر راہِ حق میں لڑکر زندہ رہا تو غازی اور اگر لڑتے لڑتے راہِ حق میں جاں بحق ہو گیا تو شہید کہلاتا ہے۔

بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ : ۱۵۴)

جہاد کے مختلف درجات اور مقامات ہیں۔

مثلاً جب کوئی زبان سے جہاد کرتا ہے یعنی لوگوں کو منبرِ رسول ﷺ پر بیٹھ کر یا کسی جلسہ میں کھڑا ہو کر قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ کے رموز واسرار اور حقائق ومعارف بیان فرماتا ہے تو اسے مُبلّغِ دین کہا جاتا ہے۔

جب کوئی کسی دارالعلوم میں مسندِ تدریس پر بیٹھ کر قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر پڑھاتا ہے تو اسے معلمِ دین (مدرس) کہا جاتا ہے۔

جب کوئی قلم لے کر قرآن وحدیث وفقہ وتفسیر کے احکام قلمبند کرتا ہے تو اسے معلمِ شریعت (مصنف) کہا جاتا ہے

جب کوئی کسی دارالسلوک میں بیٹھ کر طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم فرماتا ہے تو اسے شیخِ طریقت (مرشد) کہا جاتا ہے۔

جب کوئی دارالعرفان میں مسندِ عرفان پر بیٹھ کر طالبانِ حق کو مراقبات و مشاہدات کی تعلیم وتلقین فرماتا ہے تو اسے شیخِ حقیقت کہا جاتا ہے

جب کوئی کسی معرکہ میں تلوار لے کر فوجی وردی پہن کر دین حق کی اعانت کیلئے دشمنوں سے لڑتا ہے تو اسے مجاہدِ دین وملت کہا جاتا ہے۔

مقامی بن کے آیا ہے نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مجاہد کے مقدس قدموں کے نیچے جو خاک آجاتی ہے وہ بھی قیامت تک کیلئے نورانی اور تابانی ہو جاتی ہے۔ جس سے عشاق کے قلوب وارواح روشن ہو جاتے ہیں اور دائمی مریضوں کیلئے اکسیرِ اعظم ہو جاتی ہے۔

؎ بر مقامیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحبِ نظراں خواہند بود

ترجمہ: جس مقام پر تیرے قدموں کے نشان ہوتے ہیں اہلِ نظر کیلئے قیامت تک وہ جگہ سجدہ گاہ بن جاتی ہے۔

؎ جس جگہ پہ تو نے قدم رکھے وہیں میں نے کعبہ بنا لیا

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرہ: 125)

ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

(کنزالایمان)

☆- مجاہد وہ ہے جو راہِ حق میں شہید ہو کر بروزِ حشر انبیاء علیہ السلام کا گواہ ہوگا اور گنہگاروں کی شفاعت کرے گا۔

؎ آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

☆- مجاہد وہ ہے، جو تاریک گھر میں روشن چراغ کی طرح ہے۔

☆- مجاہد وہ ہے، جو جہان سے ظلم وستم وحشت و بربریت کا خاتمہ فرما کر امن

وسکون قائم کرنے والا ہے۔

☆- مجاہد وہ ہے، جو شریفوں کی عزت و شرافت کا محافظ اور مظلوموں کا فریادرس، بے بسوں کا بس اور بیکسوں کا کس (جائے پناہ) ہے اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے والا اور استبداد کو مٹانے والا ہے۔

؎ غفاری و قہاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- مجاہد وہ ہے، جو سرکشوں، شریروں، کافروں اور مشرکوں کو راہِ ہدایت دِکھانے والا ہے اور دینِ حق کی طرف بُلانے والا ہے۔

؎ بتّوں سے چھڑا کر بڑے سرکشوں کو
درِ کبریا پہ جھکا دینے والے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- مجاہد وہ ہے، جو دُشمنانِ اسلام اور عدوّانِ قرآن کو منبرِ رسول پر بیٹھ کر نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں دعوتِ اسلام دیتا ہے اور دینِ حق کی طرف بلاتا ہے۔

؎ خوب فرمایا جنابِ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کرتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- مجاہد وہ ہے، جو رات کو مصلّے پر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے اور دن کو میدانِ جنگ میں "اِعْلَاءِ کَلِمَةِ الْحَقِّ" کیلئے دشمنانِ اسلام کے

سامنے سینہ سپر ہوتا ہے۔ گویا کہ رات کا نمازی اور دن کا غازی ہوتا ہے۔

؎ نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- مجاہد وہ ہے، جو مصلّے پر کھڑا ہو کر اپنے مسلمان برادران کیلئے خدا کے دربار میں رو، رو کر عرض کرتا ہے۔ یَا اَللّٰہُ جل جلالہ

؎ جوانوں کو میری آہِ سحر دے   پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر، دے
خدایا آرزو میری یہی ہے   میرا نورِ بصیرت عام کر دے

☆- مجاہد وہ ہے، جو مسجد و مدرسہ میں نہیں بلکہ نیزے کی نوک پر چڑھ کر دشمنانِ اسلام کو قرآن سناتا ہے۔

؎ قرآں کو منبروں پہ سنایا گیا مگر
نیزے پہ کس نے چڑھ کے سنایا تیرے بغیر (مصحفِ ہمدم)

☆- مجاہد وہ ہے، جو راہِ حق میں اپنا پیارا مال اور پیاری اولاد اور محبوب جان قربان کرتا ہے اور جاتا جاتا دوسروں کو اس محبوب قربانی کا سبق دے جاتا ہے۔

؎ تو ابھی رہگزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر فارس و شام سے گزر
گرچہ بہت ہے دِلکشا حُسنِ فرنگ کی بہار
طائرِ بلند و بال دانہ و دام سے گزر (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- مجاہد وہ ہے، جو راہِ حق میں جان دے کر حیاتِ اَبدی حاصل کرتا ہے اور اس حیاتِ اَبدی کا دوسروں کو سبق پڑھاتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرہ : 154)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ (کنزالایمان)

☆- حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ و قدرت میں میری جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں، پھر جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں، پھر جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں۔ (ابنِ ماجہ صفحہ 422)

معلوم ہوا کہ شہادت حضور ﷺ کو تمام اَعمال سے زیادہ محبوب تھی۔ جس کی حضور ﷺ دعا فرماتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی سرفراز فرمایا۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جہاد فی سبیل اللہ کیلئے صبح یا شام سفر کرنا دنیا وَمَافِيْهَا (جو کچھ اس میں ہے) سے بہتر ہے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص غازی کیلئے سامانِ جہاد مہیا کرے اور وہ

سامان لے کر چلا جائے اس کے آنے تک برابر ثواب ملے گا۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص خود جہاد کرتا ہے اور مجاہد پر مال خرچ کرتا ہے اسے ایک روپے کے بدلے سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا۔

(ابنِ ماجہ: صفحہ 422)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات کو مورچہ میں شہید ہو گیا اس کے تمام اعمال کے برابر ثواب ملتا رہے گا اور جنت میں اس کا رزق مقرر کر دیا جائے گا۔ فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔ قیامت کے روز ہر خوف و ہراس سے محفوظ رہے گا۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مورچہ پر رہنے والے کو سال کی نماز اور روزوں کی عبادت سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ جو رمضان میں مورچہ پر رہے ایک دن کا ثواب ہزار برس کے نماز و روزہ سے زیادہ ہے۔ اگر وہ زندہ واپس آیا تو ہزار برس تک کی اس کی برائیاں نہ لکھی جائیں گی بلکہ نیکیاں ہی لکھی جائیں گی اور اسے مورچہ پر رہنے کا ہمیشہ ثواب عطا ہوتا رہے گا۔ (ابنِ ماجہ: باب الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں خدا نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو جانوں کے قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے مگر جو دریا میں شہید ہو اس کی جان اللہ تعالیٰ عزوجل خود اپنے ہاتھ سے نکالتا ہے۔ (ابنِ ماجہ: باب الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں مجاہد کا گھوڑا جو لید اور پیشاب کرتا ہے۔ اسے اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ (ابنِ ماجہ: بابُ الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص راہِ حق میں اتنی دیر لڑا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ (ابنِ ماجہ: بابُ الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص طالبِ شہادت ہو وہ اگر بستر پر بھی مرے گا تو خدا اس کو شہیدوں کا درجہ عطا فرمائے گا۔ (ابنِ ماجہ: بابُ الجہاد)

مجاہد کے بہت سے فضائل ہیں مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

سوال: جہاد کو جہاد کیوں کہا جاتا ہے؟ مسلمان قتال کیوں نہیں کہتے؟

جواب: قتال کے معنیٰ ہیں قتل کرنا۔ اسلام نے قتال کو حرام فرمایا ہے۔ اگر اسلام میں قتال جائز ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کی آٹھ سو سال تک حکومت رہی۔ مسلمان اپنے دورِ حکومت میں تمام کافروں اور مشرکوں کو ختم کر ڈالتے۔ آج ایک بھی کافر نظر نہ آتا۔ خدا کی زمین پر گستاخِ رسول کے علاوہ ہر ایک کو رہنے کا حق ہے۔

اسلام اَغیار سے اپنی حقانیت کو دلائل و براہین کے ذریعہ منواتا ہے۔ نہ کہ تلوار کے ذریعہ۔

اسلام جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کے حقوق کا بھی محافظ ہے۔ وہ کسی غیر مسلم کو تلوار کے ذریعہ مسلمان نہیں بناتا۔ بلکہ اخلاق کے ذریعہ۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ :256)

ترجمہ: کچھ زبردستی نہیں دین میں۔ (کنزالایمان)

مجاہد اس وقت تلوار اُٹھاتا ہے جب غیر مسلم (کافر) اسلام پر جارحانہ اقدام کریں۔ مسلمانوں کے دین اور شعائرِ اسلام کو مٹانا چاہیں۔ انہیں اسلام پر عمل پیرا ہونے سے روکیں۔

بقائے اسلام اور حفاظتِ جان و مال کیلئے تلوار اُٹھانا جہاد ہے۔ اپنی ترقی اور اپنے وقار اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے تلوار اُٹھانا قتال ہے۔ جیسا کہ آج امریکہ، روس اور برطانیہ کا معمول ہے۔

؎ یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

سوال: جہاد کا درجہ اسلام میں تمام اعمال سے زیادہ کیوں ہے؟

جواب: جہاد میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے زیادہ مشقت ہے۔ جہاد میں سفر بھی مصائب و آلام کا جھیلنا بھی۔ بیوی بچوں کی جدائی بھی وطن سے دوری بھی۔

؎ شالا مسافر کوئی نہ تھیوے
ککھ جنہاں تھیں بھارے ہُو (سُلطان باہُو)

بھوک اور پیاس بھی ہر وقت جان کا خطرہ بھی۔ شہادت کے بعد لاش کو

جلانا، سروں کو نیزوں پر چڑھانا۔ مستورات کو کنیزیں بنانا۔ مجاہدوں کو غلام بنانا اور طرح طرح کی سزائیں دینا اور طرح طرح کی سزائیں دے کر بھوکے اور پیاسے رکھ کر شہید کر ڈالنا۔ بعد میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے شہیدوں کے جسموں کو روندنا۔ غرضیکہ مجاہد ہزاروں مصائب جھیل کر درجہ شہادت حاصل کرتا ہے۔ دوسرے اعمال میں اتنی مشقت نہیں۔ جتنی جہاد میں ہے۔ اسی لئے جہاد تمام اعمال سے افضل ہے۔

سوال: فلسفہء جہاد کیا ہے؟ واضح کر کے بیان فرمائیں؟

جواب: جہاد بہت سے فلسفوں پر مبنی ہے۔ جن لوگوں کا وجود امنِ عامہ کیلئے خطرہ ہو۔ ان کو مٹا دینا یا کسی حکمت سے ان کو دبا دینا۔ بدمعاشوں کو سزائیں دینا تا کہ امن قائم رہے۔ جیسا کہ کھیت سے گھاس دور کر کے فصل کی حفاظت کی جاتی ہے۔

انسان کا گلا سڑا عضو کاٹ دیا جاتا ہے تا کہ تمام جسم نہ گل سڑ جائے اور زندگی خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ جارحین، معاندین، کافرین بیکار گھاس کی طرح ہیں۔ جو شریفوں اور غریبوں کیلئے خطرناک یا گلے ہوئے اعضاء کی طرح ہیں۔ انہیں کاٹ کر شریفوں اور غریبوں کی حفاظت کرنا مقصودِ جہاد ہے۔

جہاد سے شرفاء اور غرباء باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اگر جہاد نہ ہوتو ہر ایک شریف اور غریب کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ جہاں میں کوئی مسلمان بھی احکامِ اسلام پر عمل پیرا نہ ہو سکے گا۔ اگر آج ہندو، سکھ اور عیسائی ڈرتے ہیں تو

وہ ایک مسئلہءِ جہاد ہی تو ہے۔ اگر اسلام سے جہاد کو خارج کر دیا جائے تو اسلام بے روح ہو کر رہ جائے گا۔ جیسا کہ امریکہ اور غیر مسلم قومیں چاہتی ہیں کہ جہاد ختم کر دیا جائے اور یہ قیامت تک ختم نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ بقول علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

شانِ شہید

شہید کا ماخذ شہود ہے یا شہادت۔ شہود کے معنیٰ ہیں۔ حاضر ہونا یا موجود ہونا جبکہ شہادت کے معنیٰ ہیں گواہی دینا۔ شہید جامِ شہادت پیتے ہی جنت میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔

یاد رہے! کہ دوسرے موتیٰ (مردوں) کیلئے قبر میں جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے یا مومن کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جاتا ہے۔ جہاں اسے جنت کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔

کوئی مومن قیامت سے پہلے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں جزائے اعمال کیلئے نہیں بلکہ ایک خصوصی ٹریننگ کیلئے گئے تھے تاکہ دنیا میں تشریف لا کر آپ اپنی اولاد کیلئے باغات و مکانات تعمیر فرما سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت میں جزائے اعمال کیلئے نہیں بلکہ معراج شریف

مقصود تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور وہ آخری زمانہ میں تشریف لاکر اسلام ہی کی دعوت و تعلیم فرمائیں گے۔

صرف شہداء وہ حضرات ہیں جو تاجِ شہادت حاصل کرتے ہی جنت میں موجود ہوتے ہیں۔

شہید کے معنٰی حاضر ہونا ہی ہے۔ جب شہید تاجِ شہادت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ عزوجل اسے اپنی بارگاہ میں حاضر کر کے پوچھتا ہے۔ اے شہید تو بتا کوئی اور تمنا تو نہیں؟ وہ عرض کرتا ہے یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْن وہی میدانِ کارزار (میدانِ کربلا) ہو اور تین دن کی بھوک پیاس ہو۔ پچاس ہزار کا یزیدی لشکر سامنے ہو۔ خیموں کو اسی طرح آگ لگی ہو۔ بچوں اور تمام مستورات کی زبانوں پر اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ کے کلمات جاری ہوں اور سامنے تمام اعوان وانصار کے لاشے ایک محشر خیز منظر پیش کرتے ہوں۔ میں تنِ تنہا پچاس ہزار یزیدیوں سے معرکہ کروں۔

میری نظر دشمنوں کی طرف بھی ہو اور اہل بیت کے خیموں کی طرف بھی۔

میری نظر علی اکبر، علی اصغر، عون ومحمد، قاسم وعبداللہ رضی اللہ عنہم کے بے گور وکفن لاشوں پر بھی ہو اور دشمنوں کے لشکرِ خونخوار پر بھی۔

میرا تمام جسم نیزوں، بھالوں، تلواروں کے حملوں سے زخمی ہو۔ پھر میرا سر سجدہ میں جھکے اور دشمن مجھے تیری راہ میں بے دردی سے ذبح کریں پھر میرے

تمام اعوان وانصار اور عزیزان کی لاشوں کو پامال کیا جائے۔ پھر ہمارے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جائے۔

میں یہ تمام مناظر تیری اور تیرے حبیب ﷺ کی رضا کیلئے اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ ہمارے لاشے بے گور و کفن میدانِ کربلا میں ایک عجیب خونی منظر پیش کرتے ہوں اور کوئی آ کر میری لاش پر یہ کہتا ہو۔

؎ غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

کیونکہ ربُّ العزت شہادت کے بعد شہید کو اپنی بارگاہ میں حاضر کر کے پوچھتا ہے۔ اس لئے اسے شہید کہتے ہیں۔

شہید کے معنٰی گواہ کے بھی ہیں۔ بروزِ حشر تمام اُمتِ مصطفٰی ﷺ حضرات انبیاء علیہم السلام کی گواہی دیگی جبکہ ان کی اقوام انکار کر دیں گی کہ یا اِلٰہَ العلَمین ہمیں انبیاؤ مرسلین نے تیرے احکام ہی نہیں پہنچائے۔ ہم تیرے پیغمبروں اور تیرے احکام پر کس طرح ایمان لاتے۔

تمام انبیاء علیہم السلام خدا سے عرض کریں گے کہ اے مولا کریم! یہ بد بخت جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم نے تیرے احکام ان تک پہنچائے مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا تھا۔ ربُّ العزت ارشاد فرمائے گا کہ اے انبیاؤ مرسلین! اچھا تم اپنی تبلیغِ حق کے پہنچانے پر کوئی گواہ پیش کرو؟

یہ سن کر تمام انبیاؤ مرسلین گواہی کیلیے اُمتِ مصطفیٰ ﷺ کے شہدائے کرام کو پیش کریں گے۔ عام مسلمان انبیاء کی طرف سے گواہی دیں گے اور شہدائے کرام خدا کی طرف سے گواہ ہوں گے۔ عام گواہوں کی شہادت پر جرح ہوسکتی ہے جو سرکاری گواہ ہوں ان پر جرح نہیں ہوسکتی۔ بروزِ حشر ان کی گواہی پر کوئی جرح نہیں ہوگی۔

یادر ہے کہ مقدمہ کا دارومدار گواہوں پر ہوتا ہے۔ اگر گواہ مضبوط ہوں تو مقدمہ بھی مضبوط اور مدعی بھی جاندار اور حاکم کے قلم میں بھی زور۔ اگر گواہ کمزور ہوں تو مدعی بھی کمزور مقدمہ بھی کمزور۔ حاکم بھی مدعی کے حق میں معذور۔ بروزِ حشر حاکمِ اعلیٰ خود اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن ہوگا اور مدعی تمام انبیاؤ مرسلین گواہ شہدائے کرام ان کے شاہدِ مطلق اور مصدق خود محبوبِ ربُ العلٰمین ہوں گے۔

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ : 143)

ترجمہ: تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (کنزالایمان)

یا پھر شہید شہود سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں، معشوق و محبوب۔

شہید وہ ہوتا ہے جس سے اس کا عاشق و محب محبت کرے۔ مگر شہید وہ محبوب ہے جسے خدا بھی چاہے اور خاتم المرسلین بھی۔ تمام انبیاؤ مرسلین بھی چاہیں اور تمام مسلمان بھی اسے محبوب سمجھیں کہ اس نے اسلام کی سربلندی اور صیانت

(نگہبانی) کیلئے جان کی بازی لگادی۔ مسلمانوں کے ملک وملت اوران کی عزت و آبرو جان و مال کیلئے اپنی قربانیاں پیش کردیں۔ تمام شرفاءُ غرباء اپنے اور بیگانے محبوب سمجھیں اور ہر محفل میں اس کی مدح سرائی کریں کہ ان کی عزت و عظمت اور مال واولاد کی حفاظت کیلئے بدمعاشوں اورلٹیروں سے لڑکر شہید ہوا۔ غرضیکہ خدااورتمام خدائی کا یہ محبوب ومعشوق ہے۔اسلئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اسی روز وشب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہیں (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

آج بھی ہر ایک حکومت فوجی اور سپاہی کی بہت خاطر تواضع اور ناز برداری کرتی ہے۔اس لئے کہ کوئی حکومت کے سامنے زمین پیش کرتا ہے اور کوئی دولت۔مگر فوجی (سپاہی) مجاہد اپنی عزیز جان پیش کرتا ہے۔

اللہ ربُّ العزت کوشہید اس لئے زیادہ محبوب ہے کہ کوئی اس کیلئے وقت قربان کرتا ہے۔جیسا کہ غازی۔کوئی اس کیلئے وطن قربان کرتا ہے جیسا کہ مہاجر اپناوطن چھوڑتا ہے۔کوئی اس کیلئے مال خرچ کرتا ہے جیسا کہ زکوٰۃ دینے والا اور عام صدقات وخیرات کرنے والا اپنی دولت سے مسجد و مدرسہ تعمیر کرانے والا۔کنوئیں ،سڑکیں اور پل بنوانے والا۔مگر شہید اپنی جانِ عزیز خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔جو وقت،وطن اور مال وغیرہ سے کہیں زیادہ محبوب ہوتی

ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ عزوجل کو شہید تمام مسلمانوں سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

دم دم نال ذکر کراں میں تیریاں شاناں دا
تیرے نام توں وار دیواں جنّی میری عُمر ہووے

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

شہید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح مناسبت ہوتی ہے۔

1- اگر باوضو آدمی کو نیند آ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر کسی طاہر آدمی پر موت واقع ہو جائے تو اس کا غسل فاسد ہو جاتا ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

تَنَامُ عَيْنَایَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِی (بخاری و مسلم)

ترجمہ: میری آنکھیں آرام کرتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

شہید کی شہادت غسل نہیں توڑتی۔اگر کسی کو موت آ جائے تو اس کے پہلے کپڑے اُتار کر اور اسے غسل دے کر کفن پہنا کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ موت سے اس کے کپڑے پاک رہے اور نہ ہی اس کا جسم۔شہید کے کپڑے بھی پاک رہتے ہیں کیونکہ اس کا پیشاب، پاخانہ اور خون بہنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے اور اس کا غسل بھی باقی رہتا ہے اور اسے انہیں کپڑوں میں بغیر غسل و کفن، دفن کر دیا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند وضو نہیں

توڑتی اور شہید کی شہادت غسل نہیں توڑتی۔

بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرة : ١٥٤)

ترجمہ: بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں خبر نہیں۔ (کنزالایمان)

2- نبی ﷺ کے فضلات یعنی بول و براز اور خون اُمت کے حق میں پاک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا پیشاب مبارک اُمِ اَیمن رضی اللہ عنہا نے پیا اور حضور ﷺ کا خون مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ سے ذکر کیا تو حضور ﷺ نے توبہ کا حکم نہ فرمایا بلکہ انہیں جنت کی بشارت دی۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فضلات اُمت کے حق میں طاہر ہوتے ہیں۔ شہید کا خون بھی پاک ہوتا ہے۔ اگر شہید کا خون آلودہ کپڑا کسی کنویں میں گر جائے تو کنواں پاک ہی رہے گا۔ اگر شہید کا خون ناپاک ہوتا تو اسے غسل بھی دیا جاتا اور اسے کفن بھی پہنایا جاتا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے فضلات اور خون پاک ہیں اور شہید کا خون پاک ہے۔

3- انبیاء علیہم السلام وفات شریف کے بعد روح مع الجسد اپنی قبر میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کے اجسام کو مٹی وغیرہ نہیں کھا سکتی۔

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ يُصَلُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ۔

ترجمہ: تمام انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ پس اللہ کا نبی

زندہ ہے۔

حضراتِ شہداء کرام کی حیات روح مع الجسد پر قرآن شاہد ہے۔

بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ: ۱۵٤)

ترجمہ: بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں خبر نہیں۔ (کنز الایمان)

معلوم ہوا کہ انبیا و مرسلین بھی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور شہدائے کرام بھی روح مع الجسد زندہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ تو زندہ ہے وَاللہ، تو زندہ ہے وَاللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

؎ کافر ہے جو منکر ہے حیاتِ شہداء کا
ہم زندہ و جاوید کا ماتم نہیں کرتے

☆ شہید وہ ہے: جس کی فوراً ہی بخشش کردی جاتی ہے۔

☆ شہید وہ ہے: کہ جس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اسے دیدارِ خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

☆ شہید وہ ہے: جسے مقامِ جنت دکھا دیا جاتا ہے اور وہ سبز پرندہ کی صورت میں جنت کی سیر کرتا ہے۔

☆ شہید وہ ہے: جسے عذابِ قبر نہیں ہوتا۔

☆ شہید وہ ہے: جو بروزِ قیامت خوف و ہراس سے محفوظ ہوگا۔

☆ شہید وہ ہے: جس کے سر پر بروزِ حشر تاجِ وقار ایسا رکھا جائے گا کہ جس کا ایک یاقوت (لعل) تمام دُنیا و مافیہا (دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے) سے بہتر ہوگا۔

☆ شہید وہ ہے: جس کا نکاح بہتر (72) حوروں سے کر دیا جاتا ہے۔

☆ شہید وہ ہے: جو بروزِ قیامت اپنے ستر (70) عزیزوں کی شفاعت فرمائے گا۔ (ترمذی)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل کو دو قطرے اور دو قدم بہت پیارے ہیں۔ ایک وہ قطرہ (آنسو) جو اللہ تعالیٰ عزوجل کے خوف سے بہے اور دوسرا وہ قطرہ (خون) جو راہِ حق میں بہے۔ ایک وہ قدم جو راہِ حق میں چلے، دوسرا وہ قدم جو فریضۂ حق ادا کرنے کیلئے چلے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تلوار شہید کی تمام خطائیں مٹا دیتی ہے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بروزِ حشر شہید کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو۔ (ابنِ ماجہ، بابُ الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں شہید کو موت کی اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کسی چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے سو درجات ہیں جنہیں خدا نے شہداء کیلئے تیار فرمایا جو راہِ حق میں جہاد کرتے ہیں۔ ان درجوں کے درمیان

اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ (مشکوٰۃ باب الجہاد)

☆ شہداء جنت میں سبز پرندوں کے اجسام میں جہاں چاہیں سیر فرماتے ہیں اور میوے کھاتے ہیں۔ ان کی قندیلیں عرشِ الٰہی کے نیچے ہوتی ہیں۔ وہ سیر فرما کر پھر اپنی قندیلوں میں چلے جاتے ہیں۔

☆ خدا ان سے تین بار پوچھتا ہے کہ تمہاری آرزو کیا ہے؟ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ ہم تیری راہ میں جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ (ابنِ ماجہ باب الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص راہِ حق میں جاں بحق ہو جائے وہ بھی شہید، جو راہِ حق میں اپنی موت مرے وہ بھی شہید، جو شخص طاعون سے مرے وہ بھی شہید، جو شخص پیٹ کے مرض سے مرے وہ بھی شہید۔ (مشکوٰۃ باب الجہاد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مرا اس نے جہاد کیا اور نہ اسے کبھی جہاد کا خیال آیا۔ اس کی موت نفاق پر ہوئی۔ (مشکوٰۃ باب الجہاد)

☆ معلوم ہوا کہ مرتبۂ شہادت حضور ﷺ کو بہت ہی محبوب تھا۔ اگر وہ حاصل نہ ہو تو جہاد کی تمنا دل میں ضرور ہونی چاہیے۔ اگر تمنائے جہاد اور آرزوئے شہادت بھی دل میں پیدا نہ ہوئی تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ منافق ہو کر مرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اقسامِ شہادت

شہادت کی دو قسمیں ہیں:

(i) شہادتِ حقیقی

(ii) شہادتِ حکمی

(i) شہادتِ حقیقی بیان کردی گئی ہے یعنی راہِ حق میں اِعلاءُ کَلِمَۃِ الحَقّ اور حفاظتِ اِسلام کیلئے شہید ہونا اس میں قاتل پر دیت (خون بہا، جرمانہ) واجب نہیں۔

(ii) شہادتِ حکمی وہ ہے کہ کسی معرکہ میں قتل تو نہ ہو مگر ربُّ العزت بروزِ حشر اسے زُمرۂ شہداء میں اُٹھائے، جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو عورت زچگی کی حالت میں مرجائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص طاعون (مرض) میں مرے وہ بھی شہید ہے، جو شخص مصیبت پر صبر کر کے مرے وہ بھی شہید ہے، جو شخص طلبِ دین کرتا ہوا مرے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنے مال واولاد کی حفاظت کرتا مرے وہ بھی شہید ہے۔ غرضیکہ یہ تمام شہداء شہادتِ حکمی میں داخل ہیں۔

؎ رحمتِ حق بہانہ مے جوید .... بہانمی جوید۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے۔ نہ کہ عوض (بدلہ، قیمت) چاہتی ہے۔

شہادتِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

(i) شہادتِ فقہی

(ii) شہادتِ غیر فقہی

(i) شہیدِ فقہی وہ ہے جو عاقل بالغ ظلماً قتل کیا گیا ہو یا زخمی ہو کر کوئی دُنیاوی نفع حاصل نہ کر سکا ہو۔ یعنی نہ اپنا علاج کرا سکا۔ اور نہ کچھ کھا پی سکا اور نہ کسی درخت وغیرہ کا سایہ لے سکا۔ نہ ایک وقت کی نماز سے دوسرے وقت کی نماز تک ہوش وحواس کے ساتھ زندہ رہا۔

شہیدِ فقہی کا شرعی حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے غسل دیا جائے نہ کفن پہنایا جائے بلکہ انہیں خون آلودہ کپڑوں میں نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے۔ یہی وہ شہادتِ عظمیٰ ہے جو شہید کو جنت میں خون کے آنسو رلاتی ہے اور شہید پھر اُسی معرکہ میں جانے کی بار بار تمنّا کرتا ہے وہ شہادتِ عظمیٰ کی لذت کو تمام جنت کی لذتوں پر نثار کرنے کو بصد جان و دل تیار رہتا ہے۔ شہید اس شہادتِ عظمیٰ کی لذت میں ایسا مسرور اور مخمور ہوتا ہے کہ حور و قصور اور دیگر لاکھوں انعامات واکرامات کے لذائذ اسے ہیچ نظر آتے ہیں۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا (ظفر علی خاں)

غرضیکہ دنیاومافیہا کے شاہی تاجوں کو شہید کے تاجِ شہادت سے وہ نسبت نہیں ہوسکتی جو ذرّہ کو آفتاب سے ہوا کرتی ہے۔ کاش دورِ حاضر کا نوجوان اس مقامِ شہادت کو جانتا اور مرتبۂ شہید کو پہچانتا تو آج مسلمانوں کو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

؎ وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے؟ راہ و رسمِ شاہبازی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

(ii) شہیدِ غیر فقہی وہ ہے۔ جس پر یہ احکام جاری نہ ہوں۔ جیسا کہ زچگی کی حالت میں مرنے والی، ڈوب کر، جل کر، طاعون میں مرنے والا وہ طالب علم جو حصولِ علمِ دین کرتا مرے۔ اسے غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا۔ یاد رہے اگرچہ یہ بھی شہید ہی ہیں اور زمرۂ شہداء میں شمار ہوتے ہیں مگر شہداءِ فقہی اور شہدائے غیر فقہی کے مقامات و درجات میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ شہدائے فقہی کی موت اختیاری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جہاد کیلئے بخوشی وطن، مال و دولت، بیوی اور بچوں کو خیر باد کہتے ہوئے خوب دولہا کی طرح سج کر نکلتے ہیں۔

وہ سفر کو حضر، بھوک کو راحت، پیاس کو فرحت، تکلیف کو مسرّت اور موت کو حیاتِ ابدی یقین کرتے ہیں۔ ان کے چہرے درخشاں دل فرحاں اور ایمان مضبوط ہوتے ہیں۔ اُن کی ارواح دم بدم انوارِ الٰہی سے ایسی منوّر و تاباں ہوتی ہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے قلوب کو بھی چمکاتی روشن فرماتی اور تاجِ شہادت کے حصول کیلئے یہ کہتی ہوئی نکلتی ہیں۔

؎ چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے (حدائق بخشش)

؎ دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر (بالِ جبریل)

شہادت کی مزید دو قسمیں ہیں:

(i) شہادتِ صغریٰ

(ii) شہادتِ کُبریٰ

(i) شہادتِ صغریٰ وہ ہے۔ جو کسی کافر و مرتد سے مقابلہ کر کے حاصل کی جائے۔ دونوں طرف خون ریز ہتھیار، تلوار، نیزے، بھالے، رائفل مشین گن، توپ، میزائل اور بم وغیرہ ہوں اور مجاہد اِن سے زخمی ہو کر شہید ہو۔ اسے شہادتِ صغریٰ کہتے ہیں مگر یہ مقامِ شہادت بھی بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، جو ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ: ۱۵۴)

اسی پر ناطق ہے اسے وہ حضرات سمجھ سکتے ہیں جو اس مقام سے گزرے یا جذبہءِ شہادت سے سرشار ہوں اور جامِ شہادت نوش کرنے کیلئے بے چین ہوں۔

؎ شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (علامہ اقبال)

(ii) شہادتِ کبریٰ وہ ہے۔ جس میں مجاہد نفس و شیطاں سے مقابلہ کرے اور اس معرکہ میں نفس و شیطاں کو شکستِ فاش دے کر خود فَنَا فِي الْوُجُوْد فَنَا فِي الشَّيْخ فَنَا فِي الرَّسُوْل، فَنَا فِي اللّٰه کے مراتبِ کبریٰ اور مقاماتِ عظمیٰ سے سرفراز ہو کر مسندِ دارالعرفان اور مسندِ دارُالعُشُوق پر بیٹھ کر طالبانِ حق کو مقامِ معرفت اور مقامِ عشق سے روشناس کرائے اور انہیں بھی فَنَا فِي الرَّسُوْل، فَنَا فِي اللّٰه کی تعلیم و تربیت دے تاکہ وہ حضرات بھی اپنے نورانی، روحانی و عرفانی ہتھیاروں سے نفس و شیطاں کو شکستِ فاش دے کر شہدائے اکبر کہلائیں۔

شہید کی مزید چار قسمیں ہیں:

(i) شہیدِ اصغر ظاہری (ii) شہیدِ اصغر باطنی
(iii) شہیدِ اکبر ظاہری (iv) شہیدِ اکبر باطنی

1- شہیدِ اصغر ظاہری وہ ہے، جو دشمن کے مقابل کسی معرکہ میں اِعلاءُ کَلِمَةِ الْحَق کیلئے جہاد کر کے شہید ہو۔

2- شہیدِ اصغر باطنی وہ ہے، جسے کوئی دشمن زہر وغیرہ دے کر یا کسی خون ریز

ہتھیار سے قتل کر ڈالے۔ پھر اس دشمن کا پتہ نہ چلے۔

3- شہیدِ اکبر ظاہری وہ ہے، جو طالبِ حق ہو، جو عمر بھر نفس و شیطان سے جہاد وقتال کرے۔ وہ اپنی ظاہری و باطنی حیات میں مشہور ہو۔ یعنی جنہوں نے تمام عمر جہادِ اکبر کیا اور مسند ہائے طریقت پر بیٹھ کر لاکھوں طالبانِ حق کو جہادِ اکبر کی تعلیم دی ہو اور انہیں مقاماتِ فَنَا فِی الرَّسُوْل، فَنَا فِی اللّٰہ کے اعلیٰ مراتب سے ممتاز فرمایا ہو۔ یہ حضرات عالم ظاہر و باطن میں ہر آن خدا کے بے شمار فیوضات و برکات سے فیض یاب ہو کر تمام عالم کائنات کو اپنے فیضانِ خاص سے ہمیشہ ہی نوازتے رہتے ہیں۔ ان کے دم قدم سے طالبانِ حق کو ہمیشہ ہی ولائیتیں ملتی رہتی ہیں۔

4- شہیدِ اکبر باطنی وہ مجاہدِ عظیم ہے جو عمر بھر نفس و شیطان سے جہاد کرے مگر خدا کی شان وہ عالم ظاہر میں مشہور نہ ہو۔ عند اللہ و عند الانبیاء اور عند الملائکہ اس کی ولایت مشہور ہو۔ ان حضرات کی حاضری اگر تھوڑی دیر بھی نصیب ہو جائے تو سو سال بے ریا عبادت سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

؎ یک زمانہ صحبتِ با اَوْلیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: اولیاءِ کاملین کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا سو سالہ مقبول عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔

یاد رہے کہ اکثر شہدائے کرام ایسے ہوئے ہیں جو تمام شہادتوں سے ممتاز ہوئے۔ جیسا کہ شہدائے بدر، اُحد، خیبر و حنین، شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم

سجدے میں پی کے جامِ وصل قوم کو زندہ کر گیا
گر کے خدا کے سامنے ہم کو اُٹھا گیا حسین! (مصحفِ ہمدم)

شہادتِ صغریٰ اور شہادتِ کبریٰ پر ہم اپنی کتاب شاہنامۂ اسلام (ہمدم) جلد چہارم اور اسرارِ معرفت میں تفصیل سے بحث کر آئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ہم مختصر عرض کرتے ہیں۔

روح اور نفس کا جہاد

انسان دو قوتوں کا مجموعہ ہے:

(i) روحانی قوت (ii) نفسانی قوت

1- روحانی قوت وہ ہے، جس کا تعلق عالمِ اَمر سے ہے۔

2- نفسانی قوت وہ ہے، جس کا تعلق عالمِ خلق سے ہے۔

☆- قوتِ روحانیہ، صفاتِ نورانیہ کی حامل ہے۔

☆- قوتِ نفسانیہ، صفاتِ رذیلہ کی حامل ہے۔

☆- کبھی نفس اپنے لشکرِ اشرار سے روح پر حملہ کرتا ہے۔

☆- کبھی روح اپنے لشکرِ اخیار سے نفس پر حملہ کرتی ہے۔

☆- نفس کا لشکر دس سپاہیوں پر مشتمل ہے وہ سپاہی یہ ہیں۔

(i) شہوت (ii) حسد (iii) ریا (iv) حبِ دنیا
(v) حُبِ مال (vi) غیبت (vii) کذب (جھوٹ) (viii) تکبر
(ix) حرص (x) عناد

☆- روح کا لشکر بھی دس سپاہیوں پر مشتمل ہے وہ سپاہی یہ ہیں۔

(i) صبر (ii) شکر (iii) قناعت (iv) ذکر
(v) فکر (vi) توبہ (vii) تقویٰ (viii) رضا
(ix) توکل (x) ریاضت

جب نفس روح پر غالب آجاتا ہے تو انسان گناہوں میں مبتلا ہو کر خدا کی عبادت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ بیٹھتا ہے۔ صغائر و کبائر اور کفر و اِرتداد تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا مذاق اور اولیائے کرام کی کرامات کا تمسخر اُڑانے لگتے ہیں۔ وہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، قربانی و صدقات کو لغو اور بیکار جاننے لگتے ہیں۔

یاد رہے کہ اہلِسُنّت و جماعت کے سوا تمام فرقے نفس ہی کی پیداوار ہیں۔ کوئی فرقہ خدا کو نہیں مانتا جیسا کہ فرقہ دہریہ۔ کوئی فرقہ حضور ﷺ اور انبیاء و اولیاء کو نہیں مانتا جیسا کہ فرقہ چکڑالویہ۔ کوئی فرقہ حضور ﷺ کی بعض اولاد کو مومن مانتا ہے اور بعض کا منکر ہے۔ کوئی فرقہ حضور ﷺ کی بعض ازواجِ مطہرات کو مومن مانتا ہے اور بعض کا منکر ہے۔ کوئی ایک خلیفہ کو مانتا ہے اور تین خلفائے

راشدین کا منکر ہے۔ جیسا کہ فرقہ شیعہ۔ کوئی فرقہ حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہے اور ہزاروں معجزاتِ انبیاء کا منکر۔ جیسا کہ فرقہ مرزائیہ کوئی فرقہ آئمہ کی تقلید کا منکر ہے اور کوئی فضائل انبیاء و اولیاء اور صفات و خصائصِ انبیاء کا منکر۔ جیسا کہ فرقہ وہابیہ، دیوبندیہ غرضیکہ یہ تمام فرقے نفس ہی کی پیداوار ہیں۔
جن اولیائے کرام اور مشائخِ عظام کا ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں ان سے ان کا کوئی بھی تعلق اور دور کا واسطہ نہیں۔ جب نائبانِ رسول ہی سے تعلق ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اور رسول ﷺ سے خود بخود تعلق منقطع ہو گیا۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (التوبہ: 66)

ترجمہ: بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے۔ مسلمان ہو کر۔ (کنز الایمان)

اسی طرف اشارہ ہے۔

جب روح نفس پر غالب آ جاتی ہے تو حضرتِ انسان خدا کی عبادات اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں مصروف ہو کر تمام صغائر و کبائر ترک کر دیتا ہے اور اپنے اساتذہ و مشائخ کی برکت سے تمام اسلامی اعلیٰ مراتب سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ آہستہ آہستہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسند
مستِ شرابِ عشق بیک آہ مے رسند

ترجمہ: جس جگہ پر زاہد چلہ کشی کر کے پہنچتے ہیں۔ عشق کی شراب کا مدہوش و مست ایک آہ میں پہنچ جاتا ہے۔

اَقسامِ نعمت

دنیاوی نعمتیں دو طرح کی ہیں:

(i) نعمتِ صغریٰ (ii) نعمتِ کبریٰ

(i) نعمتِ صغریٰ ظاہری اعضاء کا عطا ہونا اور قائم رہنا۔ جیسا کہ کسی کے ہاتھ پیر (i) قوتِ باصرہ (ii) قوتِ سامعہ (iii) قوتِ شامّہ (iv) قوتِ ذائقہ (v) قوتِ لامسہ، سلامت ہو یا دنیاوی مال و دولت کا عطا ہونا۔

(ii) نعمتِ کبریٰ، باطنی اعضاء کا عطا ہونا اور قائم رہنا۔ جیسا کہ کسی کا دل و دماغ صحیح ہو۔ قوتِ حافظہ صحیح کام کرتی ہو یا خدا کی عطا سے جسمانی صحت صحیح ہو۔ یا اولاد کا ہونا دیگر ہزاروں نعمتیں ہیں۔ خدا کی نعمتوں کے عطیہ پر جو شکرِ حق بجالاتا ہے اور ان کے عطا ہونے پر غرباؤ مساکین پر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ خدا کی طرف سے بہت اجر ملتا ہے۔ ربُّ العزت کا شکر زبان سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً

سُبْحَانَ اللّٰہِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اور خدا کا شکر جوارِح (اعضاء) سے بھی ہوتا ہے مثلاً نماز ادا کرنا، جس میں تکبیر، قیام، رکوع، سجود، جلسہ، قعدہ وغیرہ ہیں۔ تمام اعضاء سے شکر ادا ہو جاتا ہے۔ نیز خدا کا شکر مال سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ جب راہِ حق میں یتامیٰ اور مساکین پر صدقہ کیا جاتا ہے۔ یہ خیرات کرنا مالی شکر ہے۔

چند فضائل ملاحظہ ہوں:

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو تم سے کھجور جتنا (حلال کمائی سے) صدقہ کرتا ہے خدا اسے قبول فرماتا ہے۔ پھر اسے پالتا اور بڑھاتا ہے۔ جس طرح کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خیرات پہاڑ کی مانند ہو جاتی ہے۔

☆ ایک روز حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا آج تم میں کون روزہ دار ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں۔

☆ پھر پوچھا آج تم میں سے کون جنازہ کے ساتھ گیا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں۔

☆ پھر پوچھا آج تم میں سے مسکین کو کس نے کھانا کھلایا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے۔

☆ پھر پوچھا کہ آج تم میں سے کس نے بیمار کی عیادت کی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے۔

☆ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا جس میں یہ باتیں جمع ہوں وہ جنتی ہے۔

(مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورتو! حقیر نہ سمجھو اپنے ہمسایہ کو ہدیہ یا صدقہ بھیجنے میں۔ اگرچہ وہ بکری کی کھری ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آدمی کے بدن میں جتنے جوڑ ہیں۔ ہر ایک پر روزانہ صدقہ واجب ہے۔ دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے۔ سواری پر کسی کو سوار کرنا صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ نماز کیلئے جانا یا جو قدم مسجد کی طرف اُٹھایا جائے یہ بھی صدقہ ہے۔ راہ سے کسی موذی چیز کا دور کرنا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جو شخص اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے۔ اللہ کی حمد کرے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے۔ خدا سے استغفار کرے۔ لوگوں کے راستے سے پتھر دور کرے یا ہڈی اور کانٹے کو راہ سے ہٹائے۔ یا کسی کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ یہ سب باتیں تین سو ساٹھ ہو جائیں۔ وہ شخص اس دن اس طرح چلتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو آگ سے روک رکھا ہے۔ (بخاری و مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا صدقہ ہے۔

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا صدقہ ہے۔

☆ ہر نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔

☆ ہر برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بیوی یا کنیز سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔

☆ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا شہوت کو پورا کرنا بھی ثواب ہے؟ فرمایا اچھا تم بتاؤ اگر کوئی اپنی شہوت کو حرام میں پورا کرتا گناہ

ہوتا کہ نا؟ اسی طرح اسے حلال انداز سے پورا کرنا ثواب ہے۔ (مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک بدکار عورت راستے سے گزر رہی تھی وہاں ایک کتا پیاسا مر رہا تھا۔ اس نے اپنی اوڑھنی سے اپنا جوتا باندھ کر کنوئیں سے پانی نکال کر اس کتے کو پلایا۔ خدا نے اس بدکار عورت کو بخش دیا۔

☆ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جانوروں پر احسان کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار پر احسان کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ باب الصدقات)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں ایک شخص نے راستے میں ایک درخت کی ایک ایسی ٹہنی کو کاٹ دیا جو مسافروں کو تکلیف دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل سے بخش دیا۔ (مسلم شریف)

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کسی کو کپڑا پہناتا ہے جب تک اس کا ایک دھاگہ بھی باقی رہے گا۔ کپڑا پہنانے والا اللہ تعالیٰ عزوجل کی امان میں رہے گا۔ (بخاری شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں: فرشتوں نے عرض کیا یا الٰہ العالمین کیا کوئی چیز تو نے پہاڑ سے بھی سخت پیدا فرمائی ہے؟ فرمایا ہاں لوہا ہے۔

پھر عرض کیا۔ کیا کوئی چیز لوہے سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں آگ۔

پھر عرض کیا۔ کیا کوئی چیز آگ سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں پانی۔

پھر عرض کیا۔ کیا کوئی چیز پانی سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں ہوا۔

پھر عرض کیا۔ کیا کوئی چیز ہوا سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں وہ انسان جو خیرات دائیں ہاتھ سے کرے بائیں ہاتھ کو پتہ بھی نہ چلے۔

(مشکوٰۃ فضائلِ صدقات 327)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بروزِ حشر مومن کا صدقہ اس کا سایہ ہوگا۔

(مشکوٰۃ فضائلِ صدقات 327)

☆ جس طرح نعمت عام ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل: 18)

ترجمہ: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ (کنزالایمان)

اسی طرح شکر بھی عام ہے۔ ہر ایک نعمت کا علیحدہ علیحدہ شکر ہے۔ مثلاً صحت کا شکریہ نماز ہے۔

مال کا شکریہ زکوٰۃ ہے۔ رزق کا شکریہ روزہ ہے۔

طاقت کا شکریہ کمزوروں کی امداد ہے۔

اب ہم شکر کے بعد کچھ ذکر و اذکار کے فضائل عرض کرتے ہیں۔

فضائلِ ذکر و ذاکر

☆ - ذاکر کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے فرشتے اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔

☆ - ذاکر کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی رحمت گھیر لیتی ہے اور اسے سکونِ قلب عطا ہوتا ہے۔

☆ - اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ملائکہ میں ذکر فرماتا ہے۔ (مسلم شریف)

☆ - بندہ کثرتِ نوافل سے خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

☆ - اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اس کے کان بن جاتا ہے۔ جس سے وہ سنتا ہے۔

☆ - اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

☆ - اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے۔

☆ - وہ اس کے قدم بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے یعنی اسے ربانی قوتیں عطا ہو جاتی ہیں۔ جن سے عجیب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ لوہا آگ میں رہ کر آگ کا کام کرتا ہے۔ بقول شاعرِ مشرق حکیم الامّت

؎ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

؎ غفاری و قہّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆ ذکر کے حلقے جنت کے باغات ہیں۔ (ترمذی شریف)

☆ غافلوں میں ذاکر ایسا ہے جیسے بھاگے ہوئے لشکر میں جہاد کرنے والا جیسے خشک درخت میں ہری شاخ اور اندھیرے گھر میں چراغ۔

☆ ذاکر جب اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ذکر قلب (دل) میں کرے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے جیسا کہ اس کی شایانِ شان ہے۔ جب ذاکر اسے جماعت میں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اسے بہتر جماعت (فرشتوں) میں یاد کرتا ہے۔ (رزین)

☆ ہر گھر کی کسی نہ کسی چیز سے زینت ہوتی ہے۔ اسی طرح مسجدوں کی زینت ذکر و ذاکر ہیں۔ (بخاری شریف)

☆ قیامت کے دن کچھ لوگ نورانی منبروں پر جلوہ گر ہوں گے۔ عام لوگ ان پر رشک کریں گے۔ (انہیں بتایا جائے گا کہ) یہ وہ لوگ ہیں جو مل کر اَللہ اَللہ کرتے تھے۔ (دُرِ منثور)

ہو، ہو دِیاں ضرباں لائی جا
جیویں من دا اِی ربّ نوں منائی جا

☆ کچھ ملائکہ ایسے ہیں جو ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے ہیں۔ جب انہیں پاتے ہیں۔ گھیر لیتے ہیں۔ پھر جا کر رب سے عرض کرتے ہیں کہ ہم ان بندوں کے پاس سے آئے ہیں، جو تیری کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ رہے تھے۔ رَبّ فرماتا ہے ہم نے انہیں بخش دیا۔ وہ عرض کرتے ہیں: کچھ لوگ اتفاقیہ بھی آ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے وہ بھی بخش

دیئے گئے۔ (طبرانی/مشکوٰۃ شریف)

معلوم ہوا کہ ذاکرین کے طفیل ان کے ساتھیوں کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔ جب ذاکر اور شاکر کے اس قدر فضائل ہیں کہ انہیں تھوڑی سی نیکی اور خیرات پر بہت انعامات واکرامات کا وعدہ ہے تو جو راہِ حق میں مجاہد ہو کر وطن اور مال واولاد کو ترک فرماتا ہے اور خدا ورسول کی رضا کیلئے ہزاروں مصائب جھیلتا ہے اور بے غسل وکفن دفن ہوتا ہے۔ اس کا عنداللہ کیا مقام ہوگا؟ ربُّ العزت ہر مسلمان کو مجاہد بنائے۔ امین ثم امین!

؎ خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
خداوندا مجھے صاحبِ جنوں کر (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اقسامِ مصیبت

جس طرح اللہ تعالیٰ عزوجل کی نعمتیں ہزاروں قسم کی ہیں مگر ہم نے صرف دو نعمتوں کا ذکر کیا۔ اسی طرح مصیبتیں بھی ہزاروں قسم کی ہیں مگر ہم یہاں پر صرف دو قسم کی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ شانِ شہید اور بھی اَظْہَر مِنَ الشَّمس (واضح) ہو جائے۔

مصیبت کی دو قسمیں ہیں:

(i) مصیبتِ صغریٰ (ii) مصیبتِ کبریٰ

1- مصیبتِ صغریٰ: وہ مصیبت جو چھوٹی مصیبت ہو جیسا کہ بیمار ہونا مال

ومنال، ساز وسامان کا سفر و حضر میں نقصان ہونا۔ گھر بار کا اجڑنا، فصل کا تباہ ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

2- مصیبت کبریٰ: وہ بڑی مصیبت ہے جیسا کہ اولاد کا مر جانا، بیوی کا فوت ہو جانا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ جانا، دائمی مریض ہونا اسی مرضِ مہلک میں فوت ہو جانا وغیرہ، ان مصائب میں جو صبر کرے اسے صابر کہا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (البقرہ :153)

یعنی ''بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے''۔

یاد رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب و آلام آتے ہیں وہ مصائب ان کے مراتبِ کبریٰ اور مدارجِ عظمیٰ میں مزید ترقی و عروج کیلئے ہوتے ہیں۔ نیز جو مصائب صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام اور اولیاء فخام پر آئے وہ بھی ان کی ترقی مراتب کیلئے تھے۔ عوام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ہیں۔

؎ جب میں کہتا ہوں خداوندا تو میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے تو اپنا نامۂ اعمال دیکھ (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

جو لوگ مصائب پر اللہ تعالیٰ عزوجل پر طعن و تشنیع کرتے، اپنے بالوں کو نوچتے ہیں اور سینہ کوبی کرتے ہیں۔ وہ ماتم کر کے منہ زخمی اور بے صبری کا مظاہرہ

کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ﷻ ان پر سخت قسم کے آخرت میں عذاب مسلّط فرمائے گا اور ان کی ناجائز حرکات سے اعمالِ صالحہ بھی سب برباد ہو جاتے ہیں جو حضرات ان مصائب و آلام میں صبر کرتے ہیں۔ ان کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ ان پر برو زِ حشر اللہ تعالیٰ ﷻ کے بے شمار انعامات و اکرامات ہوں گے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔

(البقرۃ: ۱۵۷)

ترجمہ: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ (ہدایت) پر ہیں۔ (کنزالایمان)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو جب اذیت پہنچتی ہے مثلاً کوئی مرض ہو یا کوئی اور تکلیف ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ گرا دیتا ہے۔ جس طرح پت جھڑ میں درخت کے سوکھے ہوئے پتے گرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو جو رنج و غم پہنچے یہاں تک کہ کانٹا چبھے اس کے سبب سے خدا اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بخار کو برا نہ کہو۔ بخار گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آنکھیں لے لیتا ہے جب وہ صبر کرتا ہے تو اسکے بدلے اسے جنت عطا کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ کو کوئی کم و بیش مصیبت نہیں پہنچتی مگر گناہ

کے سبب سے جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ (ترمذی شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب عبادت کرنے والا بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ﷻ اس کے موکل کو حکم دیتا ہے کہ اس کے اعمال اسی طرح لکھتا رہ جس طرح وہ تندرستی میں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے یا پھر میں اسے اپنے پاس بلالوں۔ (شرح السنۃ)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنی مصیبت زیادہ اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ﷻ جس قوم کو محبوب رکھتا ہے۔ اسے بلا میں مبتلا فرماتا ہے، جو راضی رہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ ﷻ بھی راضی رہا، جو ناراض ہوا اس سے اللہ تعالیٰ ﷻ بھی ناراض ہوا۔ (بخاری و مسلم)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کے علم میں کوئی ایسا مرتبہ ہوتا ہے جو بندہ کو اعمال کے سبب سے نہیں مل سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ ﷻ اسے جان و مال یا اولاد کی مصیبت میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ پھر اسے صبر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اس کے علم میں ہے۔ (ترمذی)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب مومن بیمار ہو کر تندرست ہو جاتا ہے تو اس کی بیماری اس کیلئے کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کیلئے نصیحت۔ منافق جب بیمار ہو کر تندرست ہوتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی طرح ہے کہ مالک نے اسے باندھ دیا اور پھر کھول دیا۔ (ابن ماجہ، احمد، مسند احمد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جب اپنے بندہ کو

مصیبت میں ڈالوں تو وہ اس پر میری حمد کرے۔ وہ صحت یاب ہو کر گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (ابوداؤد)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت فرمائے گا اے ابنِ آدم، میں بیمار تھا تو نے میری خبر نہ لی۔

☆ میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہ دیا۔

☆ یہ سن کر بندہ عرض کرے گا۔ یَا اِلٰـہَ الْـعٰلَمِیْن تُو تو رَبُّ الْعَالَمِیْن ہے جو بیمار ہونے اور کھانے پینے سے پاک ہے۔

☆ ارشاد ہوگا کہ اے ابنِ آدم فلاں بندہ بیمار تھا۔ فلاں بندہ بھوکا تھا۔ اس نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔

☆ فلاں بندہ پیاسا تھا۔ اس نے تجھ سے پانی مانگا تھا اگر تو انہیں کھانا اور پانی دے دیتا اور بیمار کی بیمار پرسی کرتا تو تُو مجھے انکے پاس ہی پاتا۔ (بخاری و مسلم)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کو جائے اگر صبح جائے تو شام تک ستر ہزار ملائکہ اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

☆ اگر شام کو جائے تو صبح تک اس کی بخشش کیلئے ستر ہزار ملائکہ دعا کرتے ہیں اور جنت میں اس کیلئے ایک باغ ہوگا۔ (مسلم شریف)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تو مریض کے پاس جائے تو اسے کہہ

کہ وہ تیرے حق میں دعا کرے۔ کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔ (مسند احمد، ترمذی)

☆ جب حضرت طاہر (طیب) رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں وصال فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبرستان میں دفن فرما کر گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فراقِ فرزند (بیٹے کی جدائی کے غم) میں آب دیدہ ہیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے خدیجہ روتی کیوں ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چھاتی سے دودھ جاری ہے۔ مجھے طاہر کی یاد آ رہی ہے۔ اسے یاد کر کے رو رہی ہوں۔ اس کی یاد ستا رہی ہے۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے خدیجہ مت رو۔ کیا تجھے پسند نہیں؟ کہ جب تو جنت کے دروازے پر پہنچے تو آگے طیب کھڑا ہو اور وہ تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے جنت میں بہت اچھی جگہ پر لے جائے۔

☆ یہ سن کر حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ درجہ ہر اس مسلمان عورت کو عطا ہو گا جو اپنے فرزند کی وفات پر صبر کرے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، جو بھی صبر کرے اور شکرِ الٰہی بجا لائے۔

☆ معلوم ہوا کہ مصیبتِ صغریٰ میں صبر کرنا عنداللہ (اللہ کے ہاں) بہت محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل صابر کو دنیا و آخرت میں بہت کچھ انعامات و

اکرامات اور اس کی بخشش کا وعدہ فرماتا ہے۔ جب چھوٹی چھوٹی مصیبتوں اور تکلیفوں میں صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ ﷻ مومن کو اس قدر نوازتا ہے تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ جو خوشی سے راہِ حق میں مال، اولاد اور وطن کو خیر باد کہہ کر بھوکا پیاسا ہزاروں مصائب جھیل کر شہید ہو جاتا ہے۔ عنداللہ اس کا کیا درجہ اور مقام ہوگا؟ خصوصاً نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول حضرت سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ جنہوں نے نہ صرف اپنا گھر راہِ حق کیلئے لٹایا بلکہ تین دن کے بھوکے پیاسے شہید ہوئے اور سر مبارک نیزے پر چڑھا۔ بقول شاعر

خشک ہے کشتِ زندگی چیخ رہی ہے کائنات

خوں کدۂ حجاز سے پھر نہ کوئی اُٹھا حسین

(مصحفِ ہمدم)

مقامات امتحان

اللہ تعالیٰ ﷻ کو نعمت اور مصیبت دونوں ہی محبوب ہیں، جو نعمتِ صغریٰ اور نعمتِ کبریٰ کے ملنے پر اللہ تعالیٰ ﷻ کا زبان، دل اور اعضاء سے شکر ادا کرتا ہے۔ وہ بھی محبوبِ خدا ہے، جو مصیبتِ صغریٰ اور مصیبتِ کبریٰ کے عطا ہونے پر صبر کرتا ہے اور ہر مصیبت کو فرحت و مسرّت سے برداشت کرتا ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ﷻ کا مطلوب ہے۔

یہ جہان ایک بہت بڑا دارالامتحان ہے۔ خدا اس کا ممتحنِ اعلیٰ ہے۔ تمام انبیاؑ و اولیاء مؤمنین و مسلمین علیٰ حسبِ المراتب (اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق) اس کی الگ الگ کلاسیں ہیں۔ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں اور مصیبتیں ان کلاسوں کا تعلیمی نصاب ہے۔ ہر ایک نبی و رسول صدیق و شہید و ولی و غوث اور مومن و مسلم کا حسبِ مراتب اللہ تعالیٰ امتحان فرماتا رہا۔

یہ امتحانات حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ نبی کے امتحان کی شان بہت بلند ہوتی ہے کیونکہ وہ عنداللہ ملائکہ سے بھی زیادہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے غیر انبیاء کے امتحانات کو انبیاء کے امتحانات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے خطائیں نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ وہ اُمت کے حق میں عطائیں ہوا کرتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا دانۂ گندم کھانا اولاد کے حق میں صدہا عطاؤں سے بہتر عطا ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام دانۂ گندم نہ کھاتے تو ہمیشہ بہشت ہی میں رہتے۔ جب وہ ہمیشہ ہی بہشت میں رہتے تو ہم پیدا نہ ہوتے۔ اور نہ ہمیں نعمتیں نصیب ہوتیں۔

معلوم ہوا کہ اولادِ آدم کا پیدا ہونا ان کی نسیان کا صدقہ ہے۔ پھر وہ خطا بھی نسیاناً (بھول کر) تھی جو عنداللہ قابلِ مواخذہ نہیں تھی۔

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵)

ترجمہ: وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (کنزالایمان)

اسی پر شاہد ہے اس مسئلہ پر پوری بحث ہم اپنی کتاب عصمتِ انبیاءِ ربانی میں کر آئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

یاد رہے کہ خطائے انبیاء کو اپنی خطاؤں پر قیاس کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شربت پر پیشاب اور حلوے پر نجاست کو قیاس کرنے لگے۔

ع چہ نسبت خاک رابعالمِ پاک

یعنی ''مٹی کو پاک جہان سے کیا نسبت؟''

اسی طرح صحابہ واہلِ بیت پر بھی کسی کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ان کا باہمی نزاع ''اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ'' یعنی ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے''۔ اسی پر دال ہے، جو عند اللہ محبوب و مرغوب تھا۔ اس لیے جو صحابہ کرام جنگ صفین اور جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ وہ سب شہدائے کرام ہیں اور زندہ ہیں۔

بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمرٰن: ۱۶۹)

کے مصداق ہیں اور تمام صحابہ کرام واہلِ بیتِ عظام عند اللہ مکرم و معظم و محترم ہیں۔

ے اگر اختلاف ان میں باہم دِگر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا

اسی طرح ہم اولیاؤ اغیاث پر بھی دوسروں کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ان کے سب اختلافات دینی و دنیاوی اخلاص پر مبنی تھے۔ ہم سب کے نیاز مند ہیں۔

ع خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

ترجمہ: نیک لوگوں کی خطائیں (غلطیاں) پکڑنا خطا (غلطی) ہے۔

اسی طرح ہم مومنین صالحین پر مومنین فاسقین کو بھی قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ مومنین کا نزاع واختلاف اخلاص پر ہوتا ہے اور فاسقین کا اختلاف عناد پر موقوف ہوتا ہے۔

یہ مختصر سی بحث ہم نے اس لیے بیان کی ہے تاکہ نبی اور غیرِ نبی ولی اور غیرِ ولی مومن مخلص اور مومن فاسق کا فرق مدِ نظر رکھ کر واقعات کو پڑھا جائے۔ جب یہ فرق مدِ نظر ہوگا تو اللہ تعالیٰ عزوجل کے فضل وکرم سے تمام شبہات اور اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

اللہ ربُّ العزت عزوجل نے جہاں انبیاؑ و اولیاء کو لاکھوں دینی و دنیاوی نعمتیں عطا فرما کر آزمایا اور انہیں ذاکر و شاکر پایا۔ وہاں انہیں مصائب و شدائد دے کر بھی آزمایا اور انہیں صابر و مستحکم پایا۔

اعلیٰ امتحانات کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا میدانِ کربلا میں حضور نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول حضرت سلطان العاشقین خاتم الصابرین، سیدنا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر ہوتی ہے۔

جس قدر امتحانات عالم میں ہوئے یا ہوں گے وہ سب میرے امام عالی

مقام سے میدانِ کربلا میں لیے گئے۔

اس امتحان کا اعلان خود احکم الحاکمین نے فرمایا۔ پھر تمام انبیاؑ و مرسلین سے کروایا۔ خود حضرت جبریل علیہ السلام نے ملائکہ میں اس امتحانِ عظیم کا اعلان کیا۔ ربُّ العزت کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام میدانِ کربلا سے مٹی اُٹھا کر لائے اور دربارِ رسالت میں پیش کی کہ یہ وہ میدانِ کربلا ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ یہاں پر وہ عظیم الشان امتحان ہوگا۔ جس کا اعلان تمام انبیاء نے اپنی اُمتوں سے فرمایا اور انہیں روشناس کروایا۔

یہ وہ امتحان ہے جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے رشک فرمایا تھا اور اس ذبحِ عظیم کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے تمنا ظاہر کی تھی۔

یہ ایک ایسا پُر مصائب پُر آلام امتحان تھا جسے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما کر روتے تھے۔

یہ وہ امتحان تھا جسے تمام صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام یاد کر کے خون کے آنسو رُلاتے رہے۔

یہ وہ اولوالعزم امتحان تھا جسے یاد کر کے حضرت سیدۃُ النساء، حضرت زینب، حضرت اُمِ کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن روتی رہیں۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان امتحان ہے جسے قیامت تک یاد کر کے تمام مسلمان محبانِ اہل بیت خون کے آنسو بہاتے رہیں گے۔

فلسفہء شہادت

حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک (تمام انبیاء و اولیاء صلحاء و اصفیاء کے) جس قدر امتحانات ہوئے یا قیامت تک جس قدر امتحانات ہوں گے۔ یہ سب امتحانات ہمارے بادشاہِ کونین، شہنشاہِ دارین، خاتم المرسلین، رحمتہ للعلمین احمدِ مجتبیٰ، محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابِ شہادت کے اوراق ہیں یا شہادتِ کبریٰ کے انوار و برکات جس سے تمام شہداءِ کرام کی شہادتیں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں اور جگمگاتی رہیں گی۔ ہمارے آقائے محترم کے طفیل سے تمام اکابر واصاغر کو صفات واوصاف، کمالات وکرامات عطا ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض دائمی طور پر جاری ہے اور جاری رہے گا۔

فَـإِنَّـهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْـهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّـاسِ فِي الظُّلَمِ (قصیدہ بردہ)

ترجمہ: کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آفتابِ فضیلت ہیں کہ انبیاءِ کرام (علیہم السلام) جس کے ستارے ہیں، جو اس کے اُجالوں کو اندھیروں میں لوگوں کیلئے ظاہر کرتے ہیں۔

شہادت کی دو صورتیں ہیں: (i) شہادتِ سرّیہ (ii) شہادتِ جہریہ

-1 شہادتِ سرّیہ:

اللہ تعالیٰ عزوجل نے شہادتِ سرّیہ کے وصف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا۔ جب خیبر میں ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابھی ایک ہی لقمہ تناول فرمایا تھا کہ گوشت پکار اُٹھا یا رسول اللہ ﷺ مجھے تناول نہ فرمائیں۔ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

یہ سن کر حضور ﷺ نے فوراً اسے چھوڑ دیا۔ ایک صحابی نے اس گوشت کا ایک ہی لقمہ تناول فرمایا تھا جس سے وہ اسی وقت شہید ہو گئے۔

حضور ﷺ نے جو ایک ہی لقمہ تناول فرمایا تھا وہ زہر حضور کے جسمِ اقدس میں خدا کے حکم سے اثر کر گیا جو حضور کے جسم میں وصال شریف تک قائم رہا اور وصال شریف اسی زہر سے ہوا اور حضور ﷺ وصفِ شہادتِ سرِیہ سے ممتاز ہوئے۔ اگر خدانخواستہ حضور خیبر میں اسی زہر سے شہید ہو جاتے تو

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: ٦٧)

ترجمہ: ''اور اللہ ہی تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے'' (کنزالایمان) کی تکذیب لازم آتی، جو محال ہے اور دینِ الٰہی کی تکمیل نہ ہوتی اور وعدۂ الٰہی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدة: ٣)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (کنزالایمان)

اس لیے اس زہر سے اس وقت تو حضور ﷺ کو محفوظ فرمالیا تاکہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی تصدیق ہو جائے اور وقتِ وصال شریف اس

زہر کو ظاہر فرما دیا تا کہ جسمِ اطہر پر ظاہر ہو کر شہادتِ سرّیہ کی تکمیل ہو جائے۔

2- شہادت جہریہ:

دوسری شہادت شہادتِ جہریہ ہے۔ یہ وصفِ شہادتِ جہریہ بھی حضور ﷺ کو عَلٰی سَبِیْلِ الْاَتَم عطا ہوا۔ حضور ﷺ نے اپنے آپ کو شہادتِ جہریہ کے لیے کئی جنگوں (غزوات) مثلاً بدر و اُحد، خیبر و حنین میں پیش فرمایا اور ان معرکوں میں حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ اقدس بھی زخمی ہوا اور خون بھی دندانِ مبارک اور چہرۂ اقدس سے بہا۔

حضور ﷺ بار بار شہادتِ عظمیٰ کیلئے دعائیں فرماتے رہے۔ اگر حضور ﷺ کسی معرکہ میں بظاہر کسی کافر کی تلوار سے شہید ہو جاتے تو وعدۂ الٰہی وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی تغلیط لازم آتی جو محال ہے۔

یاد رہے کہ شہادت کیلئے مجاہد کا کسی معرکہ میں کسی کے ہاتھ سے مارا جانا شرط نہیں بلکہ اپنے آپ کو بصدقِ دل شہادت کیلئے پیش کر دینا کافی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکمِ الٰہی پا کر اپنے آپ کو قربانی کیلئے والد ماجد کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی پوری کوشش سے ذبح کرنا چاہا اور چھری چلاتے رہے مگر خدائے وحدہٗ لاشریک نے انہیں ذبح ہونے سے بچا کر دنبہ کی قربانی قبول فرمالی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وصفِ ذبیح سے ممتاز فرما دیا۔ اس کے بعد ان کا لقب ہی ذبیح اللہ ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ شہادت کے لیے شہید ہونا شرط نہیں. بلکہ اپنے آپ

اِخلاص لِلّٰہ کے ساتھ شہادت کیلئے پیش کرنا ہی شہادت ہے۔ اس لیے جن مجاہدین نے اپنے آپ کو شہادت کیلئے پیش کر دیا بظاہر وہ کسی معرکہ میں شہید نہیں ہوئے وہ بھی عنداللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح شہید ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تو ایک بال بھی نہیں کٹا مگر وہ ذبیح اللہ ہوئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توکئی معرکے کفار سے کیے آپ زخمی بھی ہوئے اور خون بھی بہا۔ دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصفِ شہادت سے بدرجۂ اتم موصوف تھے۔ اگر آپ بظاہر کسی معرکہ میں شہید ہو جاتے تو وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی تکذیب لازم آتی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصفِ شہادت سے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح موصوف فرمادیا اور وعدۂ الٰہی کی بھی تکمیل ہوگئی مگر پھر بھی دونوں شہادتوں کیلئے خدائے وحدہٗ لاشریک نے فرزندانِ رسول، جگر پارہائے بتول شاہانِ کونین، مالکانِ دارین، سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کو شہادتِ سرّیہ اور جہریہ کیلئے منتخب فرمایا تاکہ ان دونوں سے شہادت کی بظاہر تکمیل ہو جائے اور دونوں شہزادوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا مظہرِ اتم بنا دیا جائے۔

یہ دونوں شہزادے صورت و سیرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مشابہ تھے۔ اس لیے ان شہادتوں کیلئے انہیں منتخب کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان دونوں شہزادوں کو شہادتیں عطا ہوئیں۔ اس لیے یہ دونوں شہادتیں تمام انبیاؤ مرسلین کے مصائب وآلام کا مجموعہ ہیں اور تمام صحابہ کرام واہل بیت عظام

اور اولیائے کرام کے آلام کی آئینہ دار ہیں۔

فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ کے المناک حالات اور محشر خیز واقعات کو تو ہم اپنی محبوب کتاب شانِ حسن رضی اللہ عنہ میں عرض کر آئے ہیں۔

حضرت امام عرش مقام شاہِ کونین، مالکِ دارین، ماوائے ثقلین، ملجائے ملوین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے دردانگیز حالات، محشر خیز واقعات ہم اسی کتاب شہیدِ کربلا میں پیش کریں گے کہ مصائب و آلام کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ پھر ان تمام مصائب و آلام کا ظہور فرزندانِ رسول، جگر پارہائے بتول کی ذوات ستودہ صفات سے ہوا۔

خشک ہے کشتِ زندگی چیخ رہی ہے کائنات
خوں کدۂ حجاز سے پھر نہ کوئی اُٹھا حسین (مصحفِ ہمدم)

پہلے تو آپ کے نانا جان رحمۃ للعلمین، خاتم المرسلین کو جدا کیا گیا ابھی آپ خونی اشکباری فرما ہی رہے تھے کہ چھ ماہ بعد شہزادیِ کونین، ملکۂ دارین حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات ہوگئی۔

ابھی نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اماں جان کے غمِ فرقت سے اشکباری و گریہ زاری فرما ہی رہے تھے کہ ماوائے بیکساں، ملجائے بے بساں شیرِ خدا، حاجت روا، مشکل کشا، حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد کوفہ

میں عین حالتِ نماز میں شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ O

ابھی نانا حضور ﷺ، اماں جان اور بابا جان کی جدائی میں بے آب ماہی کی طرح تڑپ تڑپ کر اپنی زندگی کے دن پورے فرما رہے تھے کہ دشمنوں نے شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو سات مرتبہ زہر دیا۔ آخری زہر بہت ہی خطرناک تھا۔ جس سے تمام جگر کٹ کٹ کر بہہ گیا۔

آپ سیّدہ زینب، اُمِ کلثوم اور شہزادہ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ کو گلے لگا لگا کر زارو قطار روتے تھے۔ آخر چند لمحوں بعد شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ O

حضرت امام حسین کیلئے یہ حادثہ قیامتِ کبریٰ سے کم نہ تھا۔ آہ! نانا جان کے مدینہ طیبہ میں یہ حادثہ پیش آیا جو دارالامان تھا۔ جہاں قیدیوں کو رہا اور ظالموں کو معاف کیا جاتا تھا۔ ڈاکوؤں پر رحم اور مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا۔ جہاں یتیموں کو پالا اور مسکینوں کو مالا مال کیا جاتا تھا۔ جہاں پر بیواؤں کی حاجت روائی کی جاتی تھی۔

اب ایسا وقت ہے کہ مروان شیطان نے فوج بھیج دی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہو کہ خبردار اگر امام حسن رضی اللہ عنہ کو جوارِ رسول ﷺ میں دفن کیا تو ہم جنگ کریں گے اور لاش مبارک کی بے حرمتی کریں گے۔

غلاموں نے نواسۂ رسول سے دست بستہ عرض کیا۔ حضور آپ ہمیں اجازت دیں ہم ابھی اس مردود اور اس کی فوج کو جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اسے شرم نہیں آتی کہ نواسۂ رسول کو ہمارے سامنے فوج کی دھمکی دیتا ہے۔

یہ سن کر آپ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے نہیں میں بھائی جان کی وصیت سے مجبور ہوں۔ خود شاہِ زمن سیدنا امام حسن ہی نے وقتِ شہادت جنگ کرنے سے روک دیا تھا۔ آخر بھائی جان کے مقدس جسم کو لا کر اماں جان کے پہلو میں لٹا کر عرض کیا۔ اماں جان مبارک ہو تیرا حسن رضی اللہ عنہ تیری گود میں آ لیٹا ہے۔ بھائی جان آپ کو بھی مبارک ہو باقی رہا تیرا حسین رضی اللہ عنہ ......

یہ فرما کر خون کے آنسو بہانے اور زار و زار، رونے لگے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ حالتِ زار دیکھ کر اہلِ مدینہ پر ایک حشر برپا تھا۔ تمام بچے جوان اور بوڑھے خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ ابھی نانا جان، اماں جان، بابا جان اور بھائی جان کا درد و غم کم نہ ہوا تھا کہ مدینہ کے در و دیوار اور شجر و حجر سے اَلْفِرَاقْ اَلْفِرَاقْ کی صدائیں آ رہی تھیں۔

یزید پلید کا خط ملا اے (امام) حسین (رضی اللہ عنہ) آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا ہے اور ان کی جگہ میں حکمران بن گیا ہوں۔ لہٰذا یا تو آپ میرے ہاتھ پر بیعت فرما لیں ورنہ آپ کو قتل کروا دیا جائے گا اور سر نیزے کی نوک پہ رکھ کر دمشق کے بازاروں میں جلوس نکالا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جو بیعتِ یزید کا انکار کرے گا اس کا بھی یہی حال ہو گا جو آج (حضرت امام) حسین رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے۔

حضور امام عرش مقام نے یزید کا حکم نامہ پڑھا اور ولید بن عقبہ سے فرمایا کہ آپ اسے کہہ دیں کہ میں نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول ہوں میں اس فاسق و

فاجر کی بیعت کر کے اپنے نانا حضور ﷺ کی لاڈلی اُمت کی باگ ڈور اس ملعون فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں کیسے دے دوں؟

آپ نے تمام واقعہ اول سے آخر تک حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو سنایا۔

وہ سن کر زار و زار، رونے لگیں اور تمام اہلِ بیت اطہار میں اک حشر برپا ہو گیا۔

اس وقت اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمٰی حیات تھیں۔ عرض کیا نانی جان میں آخری سلام کرنے اور اجازت لینے آیا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ تاکہ میں کربلا کو جانے کی تیاری کروں یہ سن کر حضرت اُمِّ سلمٰی رضی اللہ عنہا زار و زار، رونے اور فرمانے لگیں بیٹا حسین تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میری تو اُمیدیں بیٹا تمہارے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔ بیٹا تمہارے سوا دنیا میں میرا کون ہے؟ جو میرے درد و غم میں کام آئے گا۔ بیٹا میں تو اس انتظار میں ہوں کہ جب میرا آخری وقت ہو تو تم مجھے کلمۂ طیبہ کی تلقین فرماؤ اور سورۂ یٰسین شریف پڑھ کر سناؤ۔ مرنے کے بعد میرے غسل کا انتظام تم اپنے ہاتھوں سے فرماؤ۔ اور کفن کا انتظام کرو تم خود امام بن کر میری نمازِ جنازہ پڑھاؤ اور اپنے ہاتھوں سے مجھے دفناؤ۔ پھر میرے لیے دعائے مغفرت فرماؤ۔ بیٹا میری قبر پر تم اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالنا۔ تم میری قبر پر قرآن پڑھنا۔ نصیبِ دُشمناں۔ بیٹا تم یہ کیا فرما رہے ہو؟ مجھ میں تابِ جدائی نہیں یہ فرما کر بے ہوش ہو کر فرشِ زمیں پر گر گئیں اور بے آب ماہی کی طرح تڑپنے لگیں۔

یہ منظر دیکھ کر امام اور تمام اہلِ بیت بھی رونے لگے۔ جب ہوش آیا تو حضور امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا نانی اماں میں یہ تمام امور انجام دیتا مگر کیا کروں مجبور

ہوں۔ حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ نانی اماں صبر کرو اور مجھے بخوشی میدانِ کربلا جانے کی اجازت دو۔

وعدہَ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

ترجمہ: جب محبوب سے ملاقات کی گھڑیاں قریب ہوتی ہیں تو دیدار کے شوق کی آگ اور بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔

پھر آپ نانی جان سے رخصت ہو کر نانا جان ﷺ کے روضہَ انور پر حاضر ہوئے اور نانا جان، نانا جان عرض کرتے ہوئے روضہ مبارک سے لپٹ گئے۔ زار و زار، رونے تڑپ، تڑپ کر حالاتِ زندگی سنانے اور اشکباری کے پھول روضہَ انور پر چڑھانے لگے۔ تمام رات رو، رو کر گزار دی۔ تمام رات نانا جان کی خدمت میں درود شریف اور تلاوتِ قرآن، ذکر و فکر کے ہدیئے پیش کرتے رہے۔

آخر عرض کیا نانا جان میرا آخری سلام قبول ہو میری آخری زیارتِ روضہَ انور ہے قبول ہو۔ کیوں نانا جان ٹھیک ہے! چلیں نانا جان آپ کی مرضی کلام نہ فرمائیں میں تو وہی حسین ہوں جب آپ سے روٹھ جایا کرتا تھا تو آپ اماں جان کے مکان پر مجھے منانے آیا کرتے تھے۔ جب میں رویا کرتا تھا تو آپ اماں جان کو فرمایا کرتے اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) حسین رضی اللہ عنہ کو رونے نہ دیا کرو۔ اس

کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ کیا آج آپ نانا جان اپنے حسین سے ناراض ہیں؟ جو کلام نہیں فرماتے۔ نانا جان آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ اے حسین! تُو میدانِ کربلا میں شہید ہوگا۔ تو میرے دین کا امین ہوگا۔ تو میرے دین کو اپنے خون سے زندہ کرے گا۔ آخر روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اپنے لاڈلے نواسے کو آغوشِ رحمت میں لے کر پیشانی کو بوسہ دیا اور زاروزار رو، رو کر فرمانے لگے۔

دُشمن بھی تو اس طرح ستاتے نہیں بیٹا
جیسے یہ رُلائیں وہ رُلاتے نہیں بیٹا

پھر آپ نانا جان سے اجازت لے کر اپنی اماں جان شہزادیٔ کونین سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزارِ پاک پر گئے اور اماں جان کے مزارِ اقدس سے لپٹ لپٹ کر روئے پھر اپنے تمام دردانگیز حالات اور محشر خیز واقعاتِ ہجرت سنائے۔

آخری سلام عرض کر کے پھر اپنے بھائی جان شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار پر آ حاضر ہوئے اور یہاں بھی مزار سے لپٹ لپٹ کر روتے رہے اور تمام دردانگیز حالاتِ ہجرت سناتے رہے۔ آخری سلام عرض کر کے پھر یکے بعد دیگرے تمام مزارات پر فاتحہ خوانی فرماتے ہوئے رخصت ہو کر گھر تشریف لائے۔

اہلِ بیت کو حکم دیا کہ اب جلدی تیاری کرو۔ تمام سامان اونٹوں پر لادو اور

تمام مستورات کو اونٹوں پر سوار کر دو۔ یہ حکم سنتے ہی حضرت عباس، حضرت علی اکبر، حضرت قاسم، حضرت عبداللہ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم نے قافلہ تیار کر کے عرض کیا۔ حضور قافلہ بالکل تیار کھڑا ہے۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا بھائی جان سیدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا بیمار ہے وہ بخار کی وجہ سے جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گی اور رو، رو کر جاں بحق ہو جائے گی۔ یہ سن کر آپ سیدہ صغریٰ کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا بیٹی صغریٰ السّلام علیکم۔ یہ میرا آخری سلام ہے۔ ہوش کرو بابا کی زیارت کرلو ورنہ......

یہ سن کر مجبور بیٹی نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ سر کی جانب امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ کھڑے سلام فرما رہے ہیں اور سفر کیلئے مسافرانہ لباس زیبِ تن ہے اور چلنے کی تیاری میں مصروف نظر آتے ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر سیدہ صغریٰ نے عرض کیا بابا جان خیر تو ہے آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ میں اس قابل نہیں کہ آپ کی جدائی برداشت کرسکوں۔ آپ جہاں جا رہے ہیں مجھے بھی ضرور ساتھ لے چلیں۔ مجھ میں تابِ جدائی نہیں۔ یہ سن کر فرمایا بیٹی تم ابھی بیمار ہو اور سفر کے قابل نہیں۔ جب تم تندرست ہو جاؤ گی تو میں خود علی اکبر کو بھیج کر تمہیں بلالوں گا۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ ابھی یہاں ہی رہ کر علاج کراؤ۔

یہ سن کر سیدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ بابا جان میں تو شدتِ بخار سے بے ہوش تھی اور نامعلوم رات کی تاریکی میں آپ نے کہاں جانے کا ارادہ فرمالیا ہے؟ میں آپ سے بخار اور بھوک پیاس کی شکایت نہ کروں گی۔ دوائی بھی خود

رگڑ کر پی لیا کروں گی۔ آپ مجھے بے شک اپنی شہزادیوں کے اونٹوں پر نہ بٹھانا بلکہ کسی کنیز کے ہمراہ سوار فرما دینا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پیدل ہی سفر کرلوں گی۔ بہر حال آپ مجھے ضرور ہمراہ لے چلیں۔ آپ کی کنیز بن کر بھیّا علی اصغر کا جھولا جھلایا کروں گی بخار کتنا ہی تیز کیوں نہ ہو میں آہ تک نہ کروں گی۔

ے ہو جانا خفا راہ میں گر روؤں گی بابا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوؤں گی بابا

جب سیّدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا پیاری پیاری مگر درد انگیز گزارشات کرتی ہوں گی تو اس وقت امام پاک پھوپھی اماں، اماں جان دوسری بہنوں اور بھائیوں کے دل پر کیا صدمہ گزرتا ہوگا۔ یہ وہ داستانِ غم ہے جسے ہر اولاد والا سمجھ سکتا ہے کہ اولاد سے جدا ہونا کیسے خون کے آنسو رلایا کرتا ہے۔ پھر سفرِ کربلا جس کی خاک پہلے سے اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے گھر بوتل میں موجود تھی۔ کیا سیّدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم نہیں تھا کہ آپ میدانِ کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے رہ کر شہادت پائیں گے۔ کیا حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو اس شہادتِ کبریٰ کا علم نہیں تھا؟ کیا حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو خاکِ کربلا بھول گئی تھی؟

آخر آپ اسی بے ہوشی میں حضرت صغریٰ کو چھوڑ کر فوراً قافلہ اہلِ بیت کو چلنے کا حکم دیتے ہیں اور مکہ معظمہ تشریف لاتے ہیں۔ وہاں سے منزل بہ منزل سفر فرما کر، کربلا تشریف لاتے ہیں۔ دسویں محرم الحرام جمعہ کا دن ہے جون کا مہینہ ہے اور دوپہر کا وقت ہے۔ سورج بہت ہی شدت سے شعلہ باری کر رہا ہے

اور تیز تیز گرم لوئیں چل رہی ہیں۔ خیموں کے چاروں طرف آگ روشن کر رکھی ہے تاکہ خیموں پر کوئی دشمن آ کر حملہ نہ کر سکے۔

بچوں، عورتوں اور جوانوں کی زبانوں پر ہائے پانی ہائے پانی کے نعرے ہیں۔ سامنے پچاس ہزار کا ٹڈی دل لشکر هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ، هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کیا ہے کوئی مقابلے کیلئے تیار؟ کیا ہے کوئی مقابلے کیلئے تیار؟ کے نعرے لگا رہا ہے۔ تمام پیدل اور سوار لوہے میں غرق نظر آتے ہیں۔ ان کیلئے کھانے پینے اور دیگر تمام عیش و عشرت کا سامان ساتھ موجود ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس صرف بیاسی سپاہی ہیں، جو سینہ تان کر دشمن کے پچاس ہزار سپاہیوں سے لڑنے کیلئے کھڑے ہیں۔ یہ تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ شوقِ شہادت میں اس قدر مسرور ہیں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ موت کسے کہتے ہیں۔ خنجر جب گلے پر چلتا ہے تو حیات کے تمام رشتے قطع کر ڈالتا ہے۔ تلوار جب سر پر لگتی ہے تو سر کو دو ٹکڑے کر دیا کرتی ہے۔

☆- وہ دشمنوں کے پچاس ہزار نیزوں، بھالوں، خنجروں، تلواروں اور کمانوں کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں۔

☆- وہ موت کو حیاتِ ابدی سمجھتے ہیں اور انہیں دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

☆- ہر مجاہد سب سے پہلے معرکہ آرائی کیلئے اذنِ امام رضی اللہ عنہ کا منتظر ہے۔

☆- اعوان و انصار، اہلِ بیت سے پہلے شہید ہونے کے شیدائی ہیں۔

☆- حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی مختصر سی فوج کو دیکھ کر اظہارِ مسرت فرما رہے ہیں اور دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر عرشِ معلیٰ لرز رہا ہے اور قدسی کانپ رہے ہیں۔

☆- یہ وہ محشر خیز منظر ہے جسے دیکھ کر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آب دیدہ ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر ملائکہ بھی رو، رہے ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر حورانِ بہشت آہ وبکا میں مصروف ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جس نے عالمِ جنات کو حیرت میں ڈال دیا۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو بھول جاتے ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اپنی قربانیاں بھول جاتے ہیں۔

☆- یہ وہ منظر ہے جسے یعقوب علیہ السلام دیکھ کر حضرت یوسف کے تمام اندوہ وغم بھول جاتے ہیں۔

☆ اے امام حسین رضی اللہ عنہ تیرے اس تبسم پر قربان جو تو نے میدانِ کربلا میں فرمایا۔

☆ اے امام حسین رضی اللہ عنہ تیری تین دن کی اس بھوک پیاس پر قربان جو قیامت تک مجاہدوں کو سبق دے گئی کہ اگر میدان میں معرکۂ دینِ اسلام کیلئے وقت آ جائے تو تم بھی اسی حال میں شہید ہو جانا۔ مگر اپنا ہاتھ دشمن کے ناپاک ہاتھوں میں نہ دینا۔

☆ اے امام حسین رضی اللہ عنہ تیری اس شجاعت کے قربان جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کی بگڑی بنادی۔

الغرض اس روز میدانِ کربلا ایک محشر خیز منظر پیش کر رہا تھا، جو باغِ رسول ﷺ ابھی ابھی ہرا بھرا نظر آرہا تھا وہ اسی گھڑی آتشیں شعلوں میں جھلس کر رہ گیا، جو چمنِ رسول ابھی ابھی جنت الفردوس کو شرما رہا تھا۔ وہ دس گھنٹے کے اندر اندر ایسا اُجڑا کہ اب اس میں کوئی پھول اور کلی نظر نہیں آتی تھی

؎ یہ عنایتوں کی جزا ملی یہ محبتوں کا صلہ ملا
جو چراغ نورِ نبی کا تھا اسے کربلا میں بجھا دیا

جو اعوان و انصار مجاہدانہ شان سے فوجِ حسینی میں ابھی ابھی نظر آ رہے تھے وہ ہزاروں یزیدیوں کو واصلِ جہنم فرما کر جامِ شہادت پی کر ایسی شہادت کی گہری نیند سو رہے ہیں کہ کروٹ بھی نہیں بدلنا چاہتے۔

علی اکبر، قاسم، عبداللہ اور عون و محمد رضی اللہ عنہم جو صبح سے پروانہ وار شمع حسینی پر قربان ہونے کے تمنائی تھے۔ اب وہ یکے بعد دیگرے تاجِ شہادت پہن کر عروسِ شہادت سے بغلگیر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

الغرض وہ امام عرش مقام جو صبح سے ہر ایک کو مرکب پر سوار فرماتے اور دادِ شجاعت دیتے ہیں جو شہید ہو جاتا ہے اس کی لاش کو اُٹھا کر لاتے ہیں اور خیمۂ اہلِ بیت کے سامنے لا کر لٹاتے ہیں۔

؎ جہیڑا کندھے رسول تے بیٹھ دا سی
کندھے چک لاشاں ڈھو ڈھو تھکیا اے

آپ تنِ تنہا رہ گئے اب حضور امام عرش مقام کو کوئی سوار کرانے والا ہے نہ کوئی مرکب کی باگ پکڑ کر روکنے والا جو کہے کہ حضور آپ نہ جائیں میں آپ

سے پہلے شہید ہوتا ہوں اور اب وہ وقت آ گیا کہ حضور خود اپنے مرکب پر سوار ہوتے ہیں اور پچاس ہزار یزیدیوں سے جنگ فرماتے ہیں۔ ہزاروں کو واصلِ جہنم کیا۔ حضور کے جسم پر اتنے بال نہیں تھے جتنے زخم تھے۔ آخری وقت آپ کے جسم مبارک کا تمام خون بہہ گیا تو تلوار کو روکا اور خون سے وضو فرمایا اور اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں جھکا دیا۔ ایک دشمن آیا اور آپ کو سجدہ ہی کی حالت میں اس نے شہید کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ O

الغرض تمام مصائب و آلام کا آپ پر خاتمہ ہو گیا اور آپ ہی خاتم الصابرین کے لقب سے مُلقّب ہوئے۔

بقولِ شاعر

اِس نواسے پر محمد مصطفیٰ کو ناز ہے
اِس کی ہمت پر علی شیرِ خدا کو ناز ہے
سجدے اوروں نے کیے اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

غمِ حسین رضی اللہ عنہ

غمِ حسین میں جو آنکھ اشکبار ہوئی
قسم خدا کی جہاں میں وہ ذی وقار ہوئی

بہایا خون شہیدوں کا اتنا اعداء نے
زمینِ کرب و بلا اُس سے لالہ زار ہوئی

حسین آپ کے مرقد پہ شور کرنے کو
قیامت آئی مگر آ کے شرمسار ہوئی

غمِ حسین میں جو مٹ گئے دل و جاں سے
شہادت ایسے شہیدوں پہ خود نثار ہوئی

زباں پہ نامِ مبارک جو آیا اے ہمدم
سکونِ قلب ملا آنکھ نور بار ہوئی

(تنویرِ حرم)

سلام بحضور۔ امام عرش مقام رضی اللہ عنہ

ابنِ حیدر کی عظمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ شہادت پہ لاکھوں سلام

جس کا مرکب بنے آپ ختمِ رُسل
اُس کی بے مثل عزت پہ لاکھوں سلام

چھوڑ کر اپنا خطبہ لیا گود میں
عینِ نورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

پشتِ حضرت پہ بیٹھا جو وقتِ نماز
اس کی شانِ محبت پہ لاکھوں سلام

ہے لعابِ دہن جس کا آبِ حیات
مظہرِ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جس کی خاکِ قدم لا دوا کی دوا
اس کی پُرکیف برکت پہ لاکھوں سلام

کر کے خون سے وضو جس نے سجدہ کیا
اُس کی شانِ عبادت پہ لاکھوں سلام

جس نے کربل میں زندہ کیا دین کو
اُس کی شانِ شجاعت پہ لاکھوں سلام

خون سے جس کے اسلام سینچا گیا
اس کی بے حد عنایت پہ لاکھوں سلام

کربلا میں جو اَعداء سے تنہا لڑا
اس کی بے مثل جرأت پہ لاکھوں سلام

سر کو نیزے پہ جس کے پھرایا گیا
اس کی شانِ سیادت پہ لاکھوں سلام

جس نے نیزے پہ چڑھ کر کے قرآں پڑھا
اس کی بے مثل قرأت پہ لاکھوں سلام

باادب جھوم کر تم اے ہمدم پڑھو
ابنِ حیدر کی عظمت پہ لاکھوں سلام

(مصحفِ ہمدم)

یوم عاشور

☆- یومِ عاشور کو اللہ ﷻ نے عرش و کرسی لوح و قلم، فرش و فلک اور پہاڑوں اور ہوا کو پیدا فرمایا۔

☆- یومِ عاشور کو حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور وفات بھی یومِ عاشور کو ہوئی۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر آ کر ٹھہری۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کا آتشکدہ ٹھنڈا ہوا۔

☆- یومِ عاشور (یعنی 10 ذوالحج) ہی کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ہوئی۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے اور قوم سے عذاب اُٹھا۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے قلزم کو طے کیا جبکہ تمام فرعونی لشکر غرق ہوا۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں پر فتح پائی۔

☆- یومِ عاشور ہی کو حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں تشریف لے گئے اور آج بھی جنت میں ہی ہیں۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا ہوئی۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت داؤد علیہ السلام پر انعام ہوا۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی عطا ہوئی۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی پائی۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

☆- یومِ عاشورہ ہی کو قیامت ہوگی۔ (عجائب المخلوقات)

معلوم ہوا کہ دس محرم الحرام خدا کو بہت ہی محبوب اور مقبول ہے۔ اس دن بہت سے انبیاء و مرسلین کی ولادت، ان پر انعامات و اکرامات اور ان کے امتحانات بھی اسی تاریخ کو ہوئے۔ اسی تاریخ کو نواسہ رسول، جگر پارۂ بتول کی شہادتِ عظمیٰ کیلئے منتخب فرمایا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی تاریخ کو اپنا اور اپنے عزیزان و انصار کا خون گلشنِ اسلام کو دے کر سرسبز و شاداب فرمایا۔ خود شہید ہو کر یزیدیت کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ فرما دیا۔

؎ قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

فضائلِ یوم عاشور

☆- یومِ عاشور کا حضور ﷺ نے خود روزہ رکھا اور اپنی اُمت کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

☆- یومِ عاشور کو جو غسل کرے ہر بیماری سے محفوظ رہے گا

☆- یومِ عاشور کو جو آنکھوں میں سرمہ لگائے اس کی آنکھیں سال تک دکھنے (بیماری) سے محفوظ رہیں گی۔

☆- یومِ عاشور کو جو کسی کی عیادت کرے گویا اس نے تمام اولادِ آدم کی بیمار پرسی کی۔

☆- یومِ عاشور کو جو شخص کسی کو ایک گھونٹ پانی پلاتا ہے گویا وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

☆- یومِ عاشور کو جو شخص چار رکعت نفل ادا کرتا ہے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ اس کے پچاس سالہ گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اسے جنت میں ایک نورانی محل عطا فرماتا ہے۔

☆- یومِ عاشور کو جو اپنی اہل وعیال (گھر والوں) پر فراخی سے خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ اس پر فراخی کرتا ہے۔

☆- جو شخص روزہ رکھتا ہے اس کیلئے وہ روزہ چالیس سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

☆- جو شخص اس رات کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﷻ اس کے رزق میں برکت کرتا ہے۔

☆- یومِ عاشور کو جو شخص چار رکعت (ہدیہ) حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کیلئے پڑھتا ہے۔ بعد سورہ فاتحہ ہر ایک رکعت میں پندرہ بار قل شریف پڑھتا ہے۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما اس کی شفاعت فرمائیں گے۔

☆- یہی عمل حضرت علامہ شبلی علیہ الرحمۃ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ ایک رات انہیں دونوں شہزادوں حسنین کریمین کی زیارت ہوئی۔ دونوں نے شبلی سے منہ پھیر لیا۔ شبلی نے عرض کیا حضور امامین کریمین بھلا مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ جو آپ حضرات اعراض (روگردانی) فرما رہے ہیں۔

☆- شہزادوں نے فرمایا اے شبلی تو ہمیشہ شبِ عاشورہ کو ہمیں جو ہدیہ ارسال کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے ہم شرمندہ ہیں۔ کل بروزِ حشر تجھے اس ہدیہ کا بدلہ دلوا کر تیرے سامنے منہ کریں گے۔ (جواہر غیبی)

☆- اب ہم اس مختصر سے مقدمہ کو ختم کر کے اصل موضوع کو شروع کرتے ہیں۔ مولا کریم تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

امین یا ربّ العٰلمین

ہمدم (رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

رب العزت عزوجل: اے فرشتو! میں زمین میں (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔

فرشتے: اے اللہ عزوجل! کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو فساد اور خونریزی کرے گا؟ ہم تیری تسبیح اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔

رب العزت عزوجل: اے فرشتو! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

مولا کریم عزوجل: اے جبریل علیہ السلام! فرشِ زمین پر جاؤ! اور ہر قسم کی سرخ، سیاہ سفید، کھاری، میٹھی، خشک اور نرم مٹی کی ایک ایک مٹھی لاؤ۔

حضرت جبریل یہ حکم سن کر فرشِ زمین پر آئے اور مٹی اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ زمین بولی!

زمین: اے جبریل علیہ السلام! آپ مجھے بتائیں تو سہی کہ مولا کریم میری مشتِ خاک سے کیا کام لے گا اور اس سے کیا چیز پیدا فرمائے گا؟

جبریل (علیہ السلام): اے زمین! تیری خاک سے اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارادہ ہے کہ وہ

حضرتِ انسان کو پیدا فرمائے اور اسے خلافت سے نوازے پھر اس خلیفہ کے سبب اولاد پیدا ہو کر تمام زمین پر پھیلے اور تمام روئے زمین آباد ہو جائے۔

زمین: اے جبریل! خدا کیلئے آپ میرے اُوپر رحم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل سے عرض کریں کہ مجھ سے حضرت انسان کو نہ بنائیں۔ اس کی اولاد میرے سینے پر فسادات کرے گی۔ گناہ کر کے مجھے ناپاک کریگی۔ پھر وہ نافرمان اولاد جہنم میں جائے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا کچھ حصہ دوزخ میں جائے۔

جبریل (علیہ السلام): اے ربُّ العزت! میں فرشِ زمیں پر آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے گیا مگر اس نے تیرا نام لے کر پناہ مانگی کہ مجھ سے انسان نہ بنایا جائے۔ میں اس لیے مٹی نہ لاسکا۔ مجھے رحم آ گیا۔

ربُّ العزت عزوجل: اے میکائیل! اچھا تم زمین سے ایک مشتِ خاک لاؤ تا کہ اس سے میں اپنا خلیفہ بناؤں۔ پھر میکائیل فرشِ زمیں پر آئے اور مشتِ خاک اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ زمین بولی۔

زمین: اے میکائیل علیہ السلام! خدا کی پناہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی عزت کا واسطہ دیتی ہوں۔ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ مجھ سے مشتِ خاک نہ اُٹھائیں۔

میکائیل (علیہ السلام): یاالٰہی! میں فرشِ زمیں پر گیا تھا۔ جب مشتِ خاک لینے لگا تو

زمین رو، رو کر تیری عزت کا واسطہ دینے لگی۔ مجھے تیرے نام کا
واسطہ سن کر رحم آ گیا۔ میں مشتِ خاک نہیں لا سکا۔

رب العزت عزوجل: اے اسرافیل علیہ السلام! اچھا تم فرشِ زمین پر جاؤ اور ایک مشتِ
خاک وہاں سے لاؤ تا کہ میں اس سے اپنا نائب بناؤں۔
حکمِ الٰہی سن کر حضرت اسرافیل علیہ السلام زمین پر آئے اور ایک مشتِ
خاک اُٹھانے کا ارادہ کیا مگر زمین نے پھر رو، رو کر خدا کی
عزت کا واسطہ پیش کیا اور خدا کی پناہ مانگی آخر اسرافیل علیہ السلام
بھی واپس آ گئے اور عرض کیا۔

اسرافیل (علیہ السلام): یاالٰہی! میں تیرے حکم کی تعمیل کیلئے فرشِ زمین پر گیا تھا مگر اس
نے تیرے نام کی پناہ مانگی اور تیری عزت کا واسطہ ڈالا۔ مجھے
رحم آ گیا۔ آخر میں واپس آ گیا۔

رب العزت عزوجل: اے عزرائیل علیہ السلام! یہ کام جبرائیل، میکائیل اور
اسرافیل علیہم السلام سے تو نہیں ہو سکا۔ اچھا تم فرشِ زمین سے ایک
مشتِ خاک لاؤ تا کہ میں اس سے اپنا خلیفہ بناؤں۔

عزرائیل (علیہ السلام): یاالٰہی! بہت اچھا میں ابھی جا کر حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ آپ
زمین پر آئے اور ایک مشتِ خاک اُٹھائی۔ زمین نے ہر چند
آہ و زاری کی۔ خدا کی پناہ مانگی مگر عزرائیل نے حکمِ مولیٰ
از ہمہ اَولیٰ پر عمل کیا۔ زمین کی ایک نہ سنی۔ فرمایا! اے زمین!

میں تیری آہ و زاری کی بناء پر خدا کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔

ربُّ العزت ﷻ سے عرض کیا۔ یَا اِلٰہی! میں حاضر ہوں۔
تیرے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔

ربُّ العزت ﷻ: اے عزرائیل علیہ السلام! اچھا تم نے اس مشتِ خاک کو زمین سے جدا کیا۔ اب تم ہی میرے بندوں کی جان قبض کیا کرنا۔

ربُّ العزت ﷻ: اے فرشتو! اس خاک کو زمین کے فلاں مقام پر رکھو (جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے) اور اس کا مختلف پانیوں سے گارا بناؤ۔
یہ حکم سن کر فرشتوں نے گارا بنایا۔ پھر اس پر اُنتالیس روز غم و رنج اور ایک دن خوشی کی بارش ہوئی۔ اسی لیے انسان کو رنج و غم زیادہ اور خوشی کم نصیب ہوتی ہے۔ پھر اس گارے کو عرفات کے نزدیک رکھ دیا گیا۔ پھر اس سے ربُّ العزت ﷻ نے ایک قالب اور ایک صورت بنائی۔ فرشتے اس قالب اور صورت کو دیکھ کر حیران تھے اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

ابلیس: اے فرشتو! تم اسے دیکھ کر تعجب کرتے ہو۔ یہ ایک خالی جسم ہے۔ اس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے، اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ ہاں اس کے بائیں جانب سینے کے پاس ایک بند

کوٹھڑی سی (یعنی دل) ہے۔ شاید اس کی وجہ سے خلافت کا حقدار ہو۔ یہ نفرت آمیز گفتگو شیطان لعین کی تھی۔

ربُّ العزت عزوجل: اے روح! اس قالبِ میں داخل ہو جا۔ روح پہلے تو اس خالی قالب کو دیکھ کر گھبرائی مگر جب پیشانیِ آدم کی طرف دیکھا تو اسے نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جگمگاتا ہوا نظر آیا تو فوراً پیشانیِ آدم میں داخل ہوگئی۔ (تفسیرِ عزیزی، خلاصۃُ الانبیاء)

پھر ربُّ العزت عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کی تعلیم عطا فرمائی اور فرشتوں سے فرمایا۔ کہ اے فرشتو! تم مجھے ان تمام اسماء کی خبر دو؟

یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا۔ اے اللہ عزوجل! تو پاک ہے۔ ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے عطا فرمادیا۔

ربُّ العزت عزوجل: اے آدم علیہ السلام! تم کائنات کی اشیاء کے اسماء سے ملائکہ کو مطلع کرو۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے تمام جہان کے اسماء بیان فرمادیئے۔ مولا کریم نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں نے تم سے نہ فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو۔ پھر ملائکہ کو حکم فرمایا کہ اس شکریہ پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدۂ (تعظیمی) کرو۔ یہ حکم سن کر تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدۂ (تعظیمی) کیا۔ (تفسیرِ کبیر)

تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی نورِ محمد ﷺ کو کرایا گیا تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانیٔ اقدس میں امانت رکھا گیا تھا۔

ے زبانِ حال سے کہتے تھے آدم
جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں (شاہنامۂ اسلام)

مولا کریم عزوجل: اے ابلیس! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ تو نے اسے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو نے تکبّر کیا یا اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔

ابلیس: اے ربُّ العزت عزوجل! ''میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے اور اسے خاک سے پیدا کیا''۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (ص: 76)

ترجمہ: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے پیدا کیا۔ (کنز الایمان)

ربُّ العزت عزوجل: اے ابلیس! نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوتی رہے گی۔

ابلیس: ربُّ العزت عزوجل! مجھے تو قیامت تک مہلت دے تا کہ میں تمام اولادِ آدم (علیہ السلام) کو گمراہ کروں۔ سوائے تیرے خاص بندوں کے۔

مولا کریم عزوجل: اے ابلیس! جا تجھے قیامت تک مہلت دی۔ تو میرے خاص بندوں پر قابو نہ پا سکے گا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ سے

زیادہ علم ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء کرام محفوظ ہیں۔ (خلاصۃ الانبیاء)

رب العزت عزوجل: اے فرشتو! حضرت آدم علیہ السلام کو نہایت ہی اعزاز کے ساتھ ایک تخت پر بٹھا کر جنت میں لے جاؤ۔ یہ حکم سنتے ہی ملائکہ کرام بہشت سے ایک خوبصورت تخت لائے اور انہیں لے گئے۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سیر و سیاحت فرمانے لگے اور طرح طرح کی نعمتیں کھانے اور طرح طرح کے لباس پہننے لگے۔ مگر باوجود اس کے کہ جنت میں لاکھوں نعمتیں تھیں مگر آپ بغیر ہم جنس کے بے قرار رہتے تھے۔

رب العزت نے جبرائیل کو حکم فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سو جائیں تو ان کی بائیں پسلی چاک کی جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمادیا۔ یہ دنیا میں پہلا آپریشن تھا۔

آپ جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ کو ایک حسین و جمیل بی بی بیٹھی نظر آئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا تو حکم الٰہی ہوا کہ اے آدم! پہلے اس خاتون کا مہر ادا کرو۔ پھر تم اسے ہاتھ لگانا۔ یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی۔

آدم (علیہ السلام): یاالٰہی! اس بی بی کا مہر کیا ہے؟ جو میں ادا کروں۔

مولا کریم عزوجل: اے آدم! حوا کا مہر یہ ہے کہ تم ہمارے محبوب خاتم المرسلین پر دس بار درود شریف پڑھو۔ اے آدم علیہ السلام! اگر ہم انہیں پیدا نہ فرماتے تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھا۔ ربُّ العزت نے فرشتوں کی گواہی سے حضرت آدم علیہ السلام کا حوا سے نکاح کر دیا۔ (یہ نسلِ انسانی کا پہلا نکاح شادی خانہ آبادی تھی)۔ دونوں میاں بیوی جنت میں بخوشی رہنے لگے۔ (تفسیرِ عزیزی)

ربُّ العزت عزوجل: اے آدم علیہ السلام! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یہ دونوں جنت میں خوب رہنے سہنے لگے۔

ایک روز شیطان جنت کے دروازے پر حاضر ہوا۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ عرض کرنے لگا میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ آخر تمہاری موت آنے والی ہے۔ یہ سن کر دونوں ڈر گئے اور فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام: اے شیطان! موت کیا ہے اور وہ کس طرح آتی ہے؟ یہ سن کر شیطان لیٹ گیا۔ جان توڑنی شروع کی اور بتایا کہ موت

اس طرح آیا کرتی ہے۔ آخر یہ جسم بے جان ہو جاتا ہے اور یہ تمام عیش و عشرت و آرام ختم ہو جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام: اے شیطان! پھر موت سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟ جس پر عمل کر کے انسان موت سے بچ جائے اور عیش و عشرت باقی رہے۔

شیطان: موت سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس میں ملائکہ جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ آپ خلیفہ ہیں۔ آپ پر موت ضرور آئے گی اگر آپ نے موت سے بچنا ہے تو آپ اس شجرِ ممنوعہ کا پھل کھالیں۔ آپ میں ملائکہ جیسی صفات پیدا ہو جائیں گی اور آپ دائمی طور پر جنت میں رہیں گے۔ آپ پر موت وارد نہ ہوگی کیونکہ جنت میں موت نہیں آسکتی۔

حضرت آدم (علیہ السلام): اے ابلیس! اس درخت کے قریب جانے سے تو ہمیں منع کیا گیا ہے اور تو کہتا ہے کہ اس سے پھل کھالیا جائے۔

ابلیس: اے آدم علیہ السلام! خدا نے تمہیں خلافت کیلئے پیدا کیا ہے۔ تمہاری خلافت زمین پر ہی تو ہوگی۔ وہاں ہی تمہاری اولاد ہو گی۔ وہاں ہی تم پر موت آئے گی۔ اگر تم نے یہ پھل کھالیا تو فرشتے بن جاؤ گے اور جنت تمہارا دائمی مقام ہوگا۔ جنت سے باہر نکلو گے نہ وفات پاؤ گے۔ یہ ممانعت صرف تنزیہی ہے۔ نہی تنزیہی گناہ نہیں ہوا کرتی۔ یہ کہہ کر قسمیں کھانے لگا۔

یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہو گیا کہ شاید یہ صحیح قسم کھا رہا ہے۔ پہلے دانہ گندم حوا علیہا السلام نے کھایا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھالیا۔ جس سے ان دونوں کو خدا نے جنت سے زمین پر اُتار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سراندیپ (سری لنکا) اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدّہ (سعودی عرب) میں اُتارا گیا۔

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام تین سو برس تک جُدا رہے۔ وہ ایک دوسرے کی جدائی میں روتے رہے اور خدا سے اپنی لغزش کی معافی مانگتے رہے۔ تین سو برس کے بعد ان دونوں کی ملاقات مقامِ عرفات میں ہوئی۔ ایک روز حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِی بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ

ترجمہ: اے اللہ حضور ﷺ کے طفیل میری لغزش معاف فرمادے۔

ربُّ العزت عزوجل: اے آدم! تم احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کو کیسے جانتے ہو؟ ابھی تو میں نے انہیں پیدا ابھی نہیں فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام: اے ربُّ العزت! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سر اُٹھا کر ساقِ عرش (عرش کے پائے) کو دیکھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـہِ (ﷺ)

میں اسی روز سے حضور ﷺ کو جانتا ہوں کہ آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں۔ ارشاد ہوا! اے آدم علیہ السلام! ہم نے اپنے محبوب ﷺ کے طفیل تمہاری

لغزش معاف کردی۔

؎ اگر نامِ محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرقِ نجّینا

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لیتے تو ان کی توبہ قبول نہ ہوتی۔ حضرت نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات نہ پاتے۔

حضرت حوا رضی اللہ عنہا کے بطنِ اقدس سے جوڑا پیدا ہوتا تھا یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ جب ہابیل اور قابیل جوان ہوئے تو حکمِ الٰہی ہوا۔

اے آدم (علیہ السلام): آپ قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے اور ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے کردیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل اور ہابیل کو نکاح کا حکم سنایا تو قابیل نے کہا۔ میں تو اپنی ہی بہن سے شادی کروں گا کیونکہ وہ زیادہ خوبصورت ہے۔

حکمِ الٰہی ہوا کہ اے آدم علیہ السلام! انہیں حکم دو کہ قربانی کریں۔ جس کی قربانی قبول ہوگی۔ اقلیما سے اسی کا نکاح ہوگا۔

یہ سن کر دونوں نے قربانی کی۔ حضرت ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی اور قابیل کی نامنظور۔ ہابیل کی شادی اقلیما سے کردی گئی۔

یہ بات قابیل کو ناگوار گزری۔ حضرت آدم علیہ السلام توجہ کرنے کعبہ معظّمہ گئے ہوئے تھے۔ قابیل نے موقع پا کر حضرت ہابیل کو قتل کرڈالا۔ اور یہ دنیا میں پہلا قتل تھا۔ (مَعَاذَ اللّٰہ)

حضرت آدم علیہ السلام جب حج کر کے واپس تشریف لائے تو وہاں اپنے محبوب بیٹے ہابیل کو نہ دیکھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئے؟

حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہابیل کی جدائی میں عرصہ دراز تک روتے رہے۔ آپ ایک رات سو رہے تھے کہ خواب میں ہابیل کو دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

یَا اَبَتَاہُ الْغِیَاثَ اے ابا جان مدد فرمائیں۔

آپ یہ سن کر گھبرا گئے اور ایک چیخ مار کر فراقِ پسر میں بے ہوش ہو گئے۔

جب ہوش آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام: اے جبریل! آپ کو میرے لختِ جگر، نورِ نظر ہابیل کا کچھ حال معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟

حضرت جبریل (علیہ السلام): اے آدم علیہ السلام! ربُّ العزت عزوجل فرماتا ہے کہ اے آدم علیہ السلام تمہارا اجر بہت زیادہ ہو گیا۔ اُسے قابیل نے شہید کر دیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کو قبرِ ہابیل پر لے گئے۔ (یہ زمین پر نسل انسانی کی پہلی قبر تھی)۔

حضرت آدم علیہ السلام قبرِ ہابیل پر اس قدر روئے کہ ملائکہ کے بھی دِل دہل گئے۔

ربُّ العزت: اے آدم! صبر کرو۔ ہم قابیل کو جہنم کا نصف عذاب دیں گے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ: 153)

ترجمہ: بے شک! اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ (کنزالایمان)

رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو چند طرح آزمایا۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام کا اسماء (ناموں) کے بارے میں مناظرہ کرایا گیا۔ یہ سب سے پہلا مناظرہ تھا جس میں آپ غالب رہے۔ ملائکہ نے اسی شکریہ میں آپ کو سجدۂ تعظیمی کیا۔

☆ پھر آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے ذریعہ جنت میں بلایا اور آپ کے سکونِ قلب کیلئے حضرت حوا علیہا السلام کو آپ کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا۔

☆ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ سے آزمایا گیا۔

☆ پھر دانۂ گندم کھانے کی وجہ سے دونوں کو زمین پر اُتارا۔ وہ تین سو برس تک باہمی جدائی میں روتے رہے۔

☆ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا اپنی لغزش کو یاد کر کے مدت تک رونا اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں مانگنا۔

☆ پھر حضرت آدم علیہ السلام کا ہابیل کی شہادت کے بعد اسے مدت تک یاد کر کے روتے رہنا اور بے ہوش ہو جانا۔

یہ تمام واقعات ایسے ہیں جنہیں سن کر انسان لرز جاتا ہے مگر ہمارے حضور امام عالی مقام فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جگر پارۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعاتِ زندگی اس سے بھی زیادہ جسم کو لرزانے اور روح کو تڑپانے والے ہیں۔

ملاحظہ ہوں:

یزید کی طرف سے دعوت بیعت

☆ ابھی آپ آغوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں طفولیت کی منزل طے فرمار ہے تھے کہ رحمۃ للعٰلمین، ختم المرسلین کا وصال شریف ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

☆ پھر چھ ماہ بعد حضور امام عالی مقام کی والدہ ماجدہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا وصال شریف ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

☆ ابھی یہ زخم آپ کے مندمل ہوئے تھے نہ آنکھوں کے آنسو خشک کہ دشمنوں نے کوفہ کی جامع مسجد میں نماز ادا فرماتے ہوئے والدِ ماجد حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

☆ ابھی ان تینوں کے غم میں آنسو بہا رہے اور جگر سوزی کا مظاہرہ فرما رہے تھے کہ آپ کے بھائی جان شاہِ زمن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو دشمنوں نے بار بار زہر دے کر شہید کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

☆ ابھی ان چاروں کا غمِ جدائی رلا ہی رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال پر ملال بھی ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

ان کا نالائق بیٹا شام و عراق کا حکمران ہوگیا اور اس نے تخت نشین ہوتے ہی مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو حکمنامہ بھیجا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ میری بیعت کر لیں اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے ورنہ تجھے معزول کر دیا جائے گا۔

ولید بن عقبہ یہ حکمنامہ پڑھ کر آبدیدہ ہوگیا اور زار و زار، رونے لگا کہ

یا اللہ اب نواسۂ رسول ﷺ پر یہ سب سے بڑا غموں کا کیا پہاڑ ٹوٹنے لگا ہے اور یزید پلید کے سر پر اب شیطان لعین مسلط ہونے لگا ہے جو حضور امام عالی مقام کو دعوتِ بیعت دینے لگا ہے۔

ہائے یہ نواسۂ رسول ﷺ کیلئے کیا پرفتن دور آنے والا ہے۔ ہائے ابھی تو غمِ رسول اندوہِ بتول ہی سے ان کے آنسو خشک نہیں ہوئے۔ ہائے ابھی تو غمِ مرتضیٰ اور غمِ حسن ہی میں وہ خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ ہائے یہ کیسا خطرناک دور آ گیا کہ یزید مردود جیسا فاسق و فاجر آج انہیں قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ اچھا میں فرزندِ رسول کو یہ حکمنامہ دکھاتا ہوں اور ان سے عرض کرتا ہوں۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ: اے ولید! خیر تو ہے آج مجھے دارالامارت (گورنر ہاؤس) میں کیوں بلایا گیا؟ کیا کوئی یزید کی طرف سے خط آیا ہے؟

ولید: یا امام المسلمین! میری کیا حیثیت کہ میں حضور کو بلاتا میں تو خود سر کے بل سلام کو حاضر ہوتا۔ حضور آپ خود یہ ملعون نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ یزید پلید کس قدر گستاخی اور کس قدر بے باکی سے دعوتِ بیعت اور قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ حضور یہ تو معمولی سی سلطنت ہے۔ اگر تمام دنیا کی بھی کوئی حکومت پیش کرے تو میں اسے نواسۂ رسول کے قدموں پر قربان کر ڈالوں۔ یزید تو مجھے معزولی کی دھمکی دیتا ہے۔ میں حضور کیلئے

ہر ایک مصیبت جھیلنے اور سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہوں۔

مروان: اے ولید! یہ بہت اچھا موقع ہے۔ امام حسین سے کہو یا تو یزید کی بیعت کرلیں ورنہ انہیں ابھی قصرِ امارت ہی میں شہید کر دیا جائے گا۔

ولید: اے مروان! مردود تو مجھے شہزادۂ رسول کے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ مجھ سے ایسا ہو گا نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ اے مردود! میں تجھے اور تیرے یزید کو کیا جانتا ہوں؟

امام (رضی اللہ عنہ): اے مروان! سگِ دنیا! تجھے اور تیرے یزید کو جانتا ہوں۔ اُٹھ اور حسین سے مقابلہ کر۔ ابھی تجھے حق و باطل ظاہر ہو جائے گا۔ کیا تو قصرِ شاہی میں بیٹھ کر حسین پر رعب ڈالنا چاہتا ہے؟ اے ولید! یہ سگِ دنیا (دنیا کا کتا) ہماری شان کو کیا جانے۔ تو محبِ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے میں تجھے بتاتا ہوں کہ ہم کون ہیں؟

☆ اے ولید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم چراغانِ نورِ نبوت ہیں؟

☆ اے ولید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہمارا گھر دارِ رحمت ہے؟

☆ اے ولید! کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے گھر فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام ہمارا گہوارہ ہلایا کرتے تھے؟

☆ اے ولید! کیا تجھے معلوم نہیں؟ کہ ہمارے گھر پر جبریل جنتی کھانے اور لباس لے کر آتا تھا۔ جب ہماری یہ شان ہے تو ہم کس طرح یزید پلید کی بیعت کر کے اپنے نانا جان کی اُمت کی باگ ڈور اس فاسق و فاجر کے

ہاتھ میں دے دیں۔ کیا ہم ایک شرابی، زانی اور بے دین کی بیعت کر سکتے ہیں؟ گورنرِ مدینہ ولید بن عقبہ حضور کی یہ تقریر سن کر دیر تک زاروزار، روتا رہا۔

☆ حضور امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر تشریف لے آئے۔ ولید نے یزید کو صاف لکھ دیا کہ اے یزید! حضور امامِ عالی مقام تیری بیعت کرنا چاہتے ہیں نہ تیری حکومت پر قبضہ کرنا۔ جس سے تو حواس باختہ ہو گیا ہے۔ وہ شہزادۂ کونین ہیں۔ انہیں تیری حکومت سے کیا رغبت ہو سکتی ہے۔

؎ تختِ سکندری پر وہ تھوکتے نہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

سیّدہ زینب (رضی اللہ عنہا): بھائی جان! میں آپ کی جدائی میں بہت بے چین اور آبدیدہ تھی۔ خیر تو ہے۔ آج آپ کو خلافِ معمول ولید نے دارالامارت (گورنر ہاؤس) میں بلایا تھا۔ کیا کوئی یزید کا خط آیا ہے؟

امام (رضی اللہ عنہ): اے بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی جگہ اب یزید حکمران ہو گیا۔ اسے خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر نہ بنا لیں۔ اس لئے وہ دنیا کا کتا قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ ہمیں یزید کی بیعت کی کوئی ضرورت ہے نہ ہی اس کی سلطنت سے کوئی تعلق۔ ہم تو نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی فقیری کو دنیا بھر کی شہنشاہی سے بہتر سمجھتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !

ع بادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری

بقولِ شاعر

؎ تختِ سکندری پر وہ تھوکتے نہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

اے بہن! اب مدینہ منورہ میں ہمارا رہنا مشکل ہے۔ مکہ معظمہ جانے کی تیاری کرو۔ میں نانا حضور، اماں جی اور بھائی جان سے رخصت ہو آؤں۔ جلدی کرو۔ بہر صورت نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول کا دورِ حیات حضرت آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ دردانگیز اور محشر خیز ہے۔ اب بھی خاکِ حجاز پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے۔

؎ قبلۂ اصفیاء حسین، کعبۂ اولیاء حسین
جس کو ملے مصطفیٰ، اس کو ملا پیارا حسین

سجدے میں پی کے جامِ وصل، دین کو زندہ کر گیا
گر کے خدا کے سامنے، ہم کو اُٹھا گیا حسین

خشک ہے کشتِ زندگی، چیخ رہی ہے کائنات
خوں کدۂ حجاز سے، پھر نہ کوئی اُٹھا حسین (تنویر حرم)

حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت آدم علیہ السلام ہابیل کی شہادت کے بعد بہت بے قرار رہنے لگے۔ وہ ہمیشہ غمِ فرزند میں روتے رہتے اور اس مصیبت کو یاد کر کے اظہارِ غم کرتے رہتے تھے۔

جبرائیل علیہ السلام: اے آدم علیہ السلام! ربُّ العزت فرماتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو ہمارا۔ سلام کہو اور پیغام دو کہ وہ غمِ ہابیل میں اس قدر مضطرب نہ ہوا کریں۔ ہماری طرف سے بشارت ہو۔ اے آدم! ہم تمہیں عنقریب ایک فرزند (یعنی حضرت شیث علیہ السلام) عطا فرمائیں گے۔ جس کی اولاد سے ہم اپنے محبوب رحمۃ للعلمین خاتم المرسلین احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمائیں گے۔ پھر پانچ برس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت شیث علیہ السلام حسنِ صورت اور حُسنِ سیرت میں بالکل حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو وہ تمام اولاد میں سے زیادہ محبوب تھے۔ وہ ہمیشہ خدا کی عبادت اور حضرت آدم علیہ السلام کی اطاعت میں مصروف رہتے اور لوگوں کو دینِ حق کی ہدایت فرماتے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد اولادِ آدم دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک جماعت حضرت شیث علیہ السلام جبکہ دوسری قابیل کی فرمانبردار ہوگئی۔ آخرالذکر خدا کے دین کی نافرمانی کرنے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو حضرت شیث علیہ السلام کے مواعظ و ہدایات سے راہِ ہدایت پر آ گئے جبکہ کچھ گمراہی پر قائم رہے۔ حضرتِ شیث علیہ السلام اکثر قوم کو وعظ فرمایا کرتے تھے جن کا بے حد اثر ہوا کرتا تھا۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام خدا کی معرفت پر اکثر وعظ فرمایا کرتے۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام لوگوں کو اَمر بالمعروف کی تاکید اور نَہی عَنِ المنکر کی تلقین فرماتے یعنی مَنہیات سے روکتے۔

☆ بادشاہِ وقت کی فرمانبرداری کا حکم فرماتے۔

☆ لوگوں کو والدین کے حقوق کی حفاظت وادائیگی کا حکم اور والدین کی نافرمانی سے منع فرماتے۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام لوگوں کو صلہ رحمی یعنی اقربا سے سلوک اور محبت کرنے کا حکم فرماتے۔ باہمی محبت سے رہنے سہنے کی تاکید فرماتے۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام غصہ کی مذمت فرماتے کیونکہ اکثر اسی سے فساد ہوتا ہے۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام امیروں کو فقیروں اور مسکینوں کی خدمت اور صدقات وخیرات کرنے کی تاکید فرماتے۔

☆ حضرت شیث علیہ السلام قوم کو بدکاری سے بچنے اور مصیبتوں میں صبر کرنے

کی تلقین فرماتے۔ نعمتوں کے عطا ہونے پر خدا کا شکر کرنے کی تلقین فرماتے۔ آخر نوسو بارہ سال کی عمر پا کر آپ کا وصال شریف ہوا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

سلامِ امام بحضور خیرالانام ﷺ

حضرت امام عالی مقام نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول بہن سے مل کر حضور پُرنور رحمۃ للعلمین ﷺ کے مزار پُرانوار پر تشریف لاکر روضۂ اقدس سے چمٹ گئے اور رو، رو کر یوں عرض کرنے لگے۔

کہا رو کر سلام اے تاجدارِ عالمِ امکاں
سلام اے سیّدِ عالم سلام اے سرورِ ذیشاں

ذرا دیکھو تو چہرے سے اُٹھا کر گوشۂ داماں
حسین ابنِ علی پر تنگ ہیں بطحا کی سب گلیاں

یزیدی دَور سے اسلام ہے سرکار خطرے میں
نواسہ آپ کا اس وقت ہے دشمن کے نرغے میں

میں قرباں اے مجھے ناز و نعم سے پالنے والے!
مصائب آنے والے دم زدن میں ٹالنے والے

☆ نانا جان! میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کیلئے جبرائیل فردوسِ بریں

سے کپڑے اور کھانے لایا کرتے اور اپنے پروں کا سایہ کیا کرتے تا کہ گرمی کا اثر نہ ہو۔

☆ پیارے نانا جان! میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کا جبریل گھوارہ ہلایا کرتے تھے۔

☆ نانا حضور! میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کیلئے جنگلی ہرنی نے فوراً اپنا بچہ لا کر نذر کیا، تا کہ میں بھائی حسن کے پاس ہرنی کا بچہ دیکھ کر رونے نہ لگوں۔

☆ نانا جان! میں وہی حسین ہوں جسے آپ نے گرتے ہوئے دیکھ کر خطبہ چھوڑ دیا اور آ کر آغوشِ رحمت میں چھپا لیا تھا۔

☆ نانا جان! میں وہی حسین ہوں جب آپ نماز ادا کرتے اور میں خوش فعلیاں کرتا ہوا آپ کی مقدس ٹانگوں سے نکل جایا کرتا تھا۔

☆ پیارے نانا جان! میں آپ کا وہی حسین ہوں جسے آپ اپنا لعابِ دہن چٹایا اور دیر دیر تک اپنی مقدس زبان چوسایا کرتے تھے۔

☆ نانا حضور! میں آپ کا وہی حسین ہوں جب آپ نماز میں ہوتے تو میں آ کر آپ پر سوار ہو جایا کرتا تھا۔ آپ میری وجہ سے سجدہ طویل کر دیا کرتے تھے کہ کہیں حسین فرشِ زمیں پر نہ گر جائے اور اسے چوٹ نہ لگ جائے۔

☆ نانا جان! میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کے رونے کی آواز سن کر آپ

کا دل دھڑکنے لگتا تھا آپ بھی مجھے دیکھ کر رونے لگ جایا کرتے تھے اور امی جان فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرمایا کرتے تھے اے فاطمہ! حسین کو رونے نہ دیا کرو۔ حسین کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے۔

☆ نانا جان! میں آپ کا وہی حسین ہوں جس کیلئے جبریل علیہ السلام رویا کرتے تھے کہ یہ کربلا میں شہید ہوگا اور وہاں کی مٹی اُٹھا کر لاتے تھے، جو اَب تک نانی اماں حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا نے بوتل میں ڈال کر رکھی ہے اور کبھی کبھی اسے دیکھتی رہتی ہیں اور آنسو بہاتی رہتی ہیں۔

☆ نانا جان! میں آپ کی گود کا پالا حسین ہجرت کی اجازت لینے آیا ہوں۔ نامعلوم حضور کے روضہ اقدس کی کب زیارت نصیب ہوگی۔ یہ دردانگیز کلمات عرض کرتے ہوئے زارو قطار روتے ہوئے سو گئے۔ حضور رحمۃ للعلمین ملائکہ کرام کے ساتھ تشریف لائے اور حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو آغوش میں لے لیا۔ آنکھیں اور پیشانی چوم کر فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم: اے بیٹا حسین! اب تم بہت جلد کربلا پہنچنے اور جامِ شہادت نوش کر کے میری آغوشِ رحمت میں آنے والے ہو۔

☆ اے حسین! جو لوگ تمہیں اور تمہارے عزیزان کو شہید کریں گے کیا وہ مجھ سے اُمید رکھتے ہیں کہ کل بروزِ حشر میں ان کی شفاعت کردوں گا۔

☆ بیٹا حسین! تمہارے والدین مجھے بہت غمگین ملے وہ تمہاری جدائی میں بہت بے قرار ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات سماعت فرما کر رو،

رو کر عرض کرنے لگے۔

حسین: اے نانا جان! آپ مجھے اپنے پاس ہی رکھیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت کرنے کے قابل نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم: اے بیٹا حسین! تمہارا اب دنیا سے جانا ضروری ہے اور جو کچھ ہم نے فرمایا وہ ضرور بہ ضرور ہو کر رہے گا۔ جواب عرض کیا: حکم مولی از همه اولی۔

آئی یہ صدا اے میری تربت کے مجاور!
صدقے تیری مظلومی کے اے صابر و شاکر!

اے فاقہ کش منزلِ کربل کے مسافر
اِک دن میری اُمت ہی ستائے گی تجھے آخر

دشمن بھی تو اس طرح اذیت نہیں دیتے
ظالم مجھے تربت میں بھی راحت نہیں دیتے

پھر اس کے بعد آپ حضور سیدۂ کونین، ملکۂ دارین سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے اور لپٹ کر یوں عرض کرنے لگے۔

امی جان! السلام علیکم! آپ کا پیارا حسین مدینے سے ہجرت کر رہا ہے۔

امی جان! آپ کا حسین آخری رخصت لینے حاضر ہوا ہے۔

امی جان! آپ کا حسین کربلا میں سر کٹوانے جا رہا ہے۔ آخر قبرِ انور کو سینے

سے لگا کر یوں عرض کرنے لگے۔

گزارش کی لگا کر قبرِ نورانی کو سینے سے
حسین اب جارہا ہے آپ کے پیارے مدینے سے

مجھے اے سیّدہ! اب جلد جانے کی اجازت ہو
لبِ اطہر سے فرما دو حسین اب جاؤ رخصت ہو!

جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنی والدہ کی قبر سے لپٹ کر فریاد کرتے ہوئے رو، رو کر اپنے تمام حالات سنا رہے تھے اور مادرِ یوسف علیہ السلام نے قبر سے صبر کی تلقین فرمائی۔

اسی طرح حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ بھی اپنی والدہ ماجدہ سے اپنے دردانگیز محشر خیز حالات عرض کررہے تھے کہ حضرت سیدہ نے فرمایا۔

☆ اے میرے مظلوم بیٹے حسین! صبر کرو۔ صبر کرو!!

حُکمِ مَولیٰ اَز ھَمَہ اَولیٰ (اللہ تعالیٰ کا حکم ہمارے لئے ہر طرح سے بہتر ہے)۔

☆ اے میرے نورِ نظر پیارے حسین! چند روز کی مصیبت ہے۔ جسے برداشت کرلو۔ تم ہم سے عنقریب ملنے والے ہو۔

☆ اے بیٹا حسین! تمہاری جدائی میں ہم بھی بے قرار ہیں مگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

☆ پھر آپ حضور شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے روضہء اقدس پر سلام عرض کرنے آخری رخصت لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہاں بھی لپٹ لپٹ کر روئے اور اپنی روانگی وہجرت کے تمام حالات ووجوہات عرض کیے۔ غرضیکہ حضور امام رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقدس روضوں سے آپ یکے بعد دیگرے جب رخصت ہورہے تھے تو یہ نظارہ دیکھ کر تمام حاضرین پر ایک سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ تمام اہلِ مدینہ زاروقطار رو رہے تھے۔

آپ کا یہ سفر ایک محشر کا نقشہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ واہلِ بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ہجرت یاد دلا دلا کر قیامت خیز منظر پیش کر رہا تھا۔ آپ ان مزارات سے رخصت ہو کر اپنے گھر تشریف لائے اور دیکھا کہ تمام فرزندانِ رسول، دخترانِ بتول ہجرت کی تیاری میں مصروف ہیں۔ تمام سامان اُٹھا اُٹھا کر شہر سے باہر رکھا جا رہا ہے اور ازواج واولاد کو اونٹوں پر سوار کیا جا رہا ہے۔ (عناصرُ الشہادتین صفحہ 142)

ے مدینے سے شہِ کونین کا نورِ نظر نکلا
وطن سے بے وطن ہو کر وطن کا تاجور نکلا

حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت ادریس علیہ السلام پر تین صحیفے نازل ہوئے۔ کتبِ الٰہیہ کے کثرتِ درس کی وجہ سے آپ کا نام ادریس ہوا۔ اصل نام اخنوخ تھا۔ آپ کے والد کا نام حضرت شیث بن آدم علیہ السلام تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی پہلے رسول ہیں۔ سب سے پہلے قلم سے آپ ہی نے لکھا۔ کپڑے سینے اور پہننے کی ابتداء بھی آپ ہی سے ہوئی۔ پہلے لوگ کھالیں پہنا کرتے تھے۔ سب سے پہلے ہتھیار ترازو اور پیمانے بنانے والے آپ ہی تھے۔ علمِ نجوم اور حساب کی ابتداء بھی آپ ہی سے ہوئی۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو قابیل نے گمراہ کیا اور طرح طرح کے کفر و شرک میں مبتلا کر دیا تو حضرت ادریس علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ رسمِ نکاح کو موقوف کر کے طرح طرح کی بدکاریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ آپ شب و روز انہیں وعظ سناتے، ہدایت فرماتے، صحائف پڑھاتے اور احکامِ الٰہی سکھاتے۔ نتیجتاً بہت سے لوگ صراطِ مستقیم پر آ گئے اور بہت سے گمراہ رہے۔

آپ کثرت سے خدا کی بندگی کرتے۔ ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام حکمِ الٰہی سے صورتِ انسانی میں آپ کی خدمت میں آ کر چند روز رہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ انسان نہیں اگر انسان ہوتا تو کھاتا پیتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام: اے فرشتے! تیرا کیا نام ہے اور تو کس لئے آیا ہے؟

عزرائیل (علیہ السلام): میرا نام ملک الموت ہے۔ میں آپ کی زیارت کیلئے آیا ہوں۔

حضرت ادریس (علیہ السلام): اے ملک الموت! میں موت (کا مزہ) چکھنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے موت (کا مزہ) چکھائیں۔ میں دیکھوں کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔

یہ سن کر حضرت ملک الموت نے آپ کی جان قبض کی مگر پھر لوٹا دی۔

حضرت ادریس علیہ السلام: اے ملک الموت! میں نے موت کا مزہ چکھ لیا۔ اب مجھے جہنم دکھا دیں تا کہ اسے دیکھ کر خوفِ الٰہی اور بڑھے۔ ملک الموت آپ کو دوزخ کے دروازے پر لے گئے۔

عزرائیل (علیہ السلام): اے حضرت ادریس علیہ السلام! دیکھو یہ دوزخ ہے۔ اسے غور سے دیکھو تا کہ آپ میں خوفِ الٰہی اور بڑھے۔

حضرت ادریس (علیہ السلام): اے داروغۂ جہنم! آپ دروازہ کھول دیں۔ میں اس میں سے گزرنا چاہتا ہوں تا کہ میں دیکھ لوں کہ لوگ اس میں سے کس طرح گزریں گے۔ یہ سن کر داروغۂ جہنم نے دروازہ کھول دیا۔ آپ پُل صراط سے گزرے۔

عزرائیل (علیہ السلام): اے حضرت ادریس علیہ السلام! آپ نے دوزخ کو دیکھ لیا اور

پل صراط کو بھی عبور کر لیا۔ اب تو میرے ہمراہ دنیا میں چلیں تا کہ
میں آپ کو جناب کے مقام پر پہنچا دوں۔

حضرت ادریس (علیہ السلام): اے ملک الموت! بس اب ایک ہی تمنا باقی ہے کہ میں
جنت بھی دیکھ لوں۔ آپ مجھے جنت میں لے چلیں۔ یہ حکم سن کر
حضرت عزرائیل علیہ السلام آپ کو جنت میں لے گئے اور خوب سیر کروائی۔

عزرائیل (علیہ السلام): اے حضرت ادریس علیہ السلام! آپ نے جنت کا خوب ملاحظہ
فرما لیا۔ اب تو آپ تشریف لائیں تا کہ میں آپ کو دنیا میں آپ
کے مقام پر پہنچا دوں۔

حضرت ادریس (علیہ السلام): اے ملک الموت! اب میں جنت کو چھوڑ کر دنیا میں
ہرگز نہ جاؤں گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط (اٰلِ عمران: 185)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔ (کنزالایمان)

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج (مریم: 71)

ترجمہ: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو۔ (کنزالایمان)

جنتیوں کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: 48)

ترجمہ: تو نہ وہ (جنتی لوگ) اس (جنت) میں سے نکالے جائیں۔ (کنزالایمان)

حضرت ادریس (علیہ السلام): اے عزرائیل! میں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور جنت میں بھی داخل ہو گیا۔ اب آپ مجھے کیوں فرماتے ہیں؟ کہ جنت سے چلو؟ اب میں نہیں جاؤں گا۔

ربّ العزت: اے ملک الموت! ادریس علیہ السلام نے جو کچھ بھی کیا میری رضا سے کیا اور جنت میں آئے۔ اب انہیں جنت ہی میں رہنے دو۔ آپ آج بھی جنت میں ہی زندہ ہیں اور جنت میں موجود ہیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج انہیں جنت میں دیکھا۔

☆ حضرت ادریس علیہ السلام نے کفار سے ڈٹ کر تبلیغی مقابلہ فرمایا اور انہیں ہدایت پر لائے۔ انہیں صحائف کی تعلیم فرمائی اور نماز، روزہ کے احکام سکھائے۔

☆ پھر آپ نے جاں کنی کی تکلیف برداشت فرمائی اور دوزخ کو دیکھا۔

☆ پھر آپ نے باذنِ الٰہی پل صراط پر سفر کر کے دوزخ کو عبور فرمایا۔

☆ پھر آپ نے جنت کی سیر فرمائی اور واپس نہ آئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے امتحانات جسم کو لرزا دینے والے ہیں مگر ہمارے حضور سیدنا امام عالی مقام نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی ان سے بھی زیادہ دل کو تڑپا دینے والے اور روح کو لرزا دینے والے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

نانی اماں سے طلبِ رخصت

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی نانی اماں ام المومنین حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔ آخری سلام عرض کرتے ہوئے یوں عرض گزار ہوئے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ: اے نانی اماں! میں نانا جان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بھائی جان سے تو رخصت ہو آیا۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ بھی مجھے اجازت دیں تاکہ میں مکہ معظمہ اور کربلا جانے کی تیاری کروں۔

حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا: (روکر) بیٹا حسین! میں بڑھیا ہوں۔ آپ ہی میرا آخری سہارا ہیں۔ اب میں زیادہ رنج و الم اور درد و غم جھیلنے کے قابل نہیں۔ ابھی خاتم المرسلین کی جدائی میں آنکھوں سے آنسو خشک نہیں ہوئے۔ ابھی تمہاری اماں جان سیدۂ کونین، ملکۂ دارین کی یاد خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ ابھی حضرت علی مرتضٰی اور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہما کی شہادتیں بھی دل کو تڑپا رہی ہیں۔
کیا بیٹا آپ بھی مجھے رنج و الم جدائی اور فراق دے کر زندہ درگور کرنا چاہتے ہو؟ بیٹا آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر اپنے تمام دکھ درد مٹا لیتی ہوں۔ آپ کا دیدار میرے لیے شربتِ طہور ہے۔ آپ کا سایۂ رحمت میرے لئے حیاتِ ابدی ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ : نانی جان! میں تو آپ کا بے دام غلام ہوں۔ آپ مجھے ایسے کلمات فرما کر شرمندہ نہ فرمائیں۔ یزید مردود کا مجھے پیغام آیا ہے کہ یا تو میری ساتھیوں سمیت بیعت کر و ورنہ تمہارے سر قلم کروا کر نیزوں پر چڑھا کر دمشق منگواؤں گا۔

اماں جان! میرے تمام ساتھی تو مکہ معظمہ پہنچ چکے ہیں۔ صرف میں اور میرے اہلِ بیت ہی رہتے ہیں۔ آپ مجھے بھی رخصت عطا فرمائیں تاکہ میں بھی مکہ معظمہ ہجرت کر جاؤں۔ وہاں جا کر کچھ دن سکون سے بسر کر لوں۔

حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا : بیٹا حسین رضی اللہ عنہ ! میں تو اس انتظار میں ہوں کہ میرا خاتمہ تمہارے ہاتھوں میں ہو۔ تم آخری وقت مجھے سورۃ یٰسین سناؤ اور اپنے ہاتھوں سے کفن پہناؤ۔ تم میرا جنازہ پڑھاؤ اور اپنے کندھوں پر اُٹھاؤ۔ تم مجھے اپنے مبارک ہاتھوں سے لحد میں رکھو اور قبر پر مٹی ڈالو۔ تم میری قبر کی مٹی کو اپنے ہاتھوں سے درست فرماؤ اور قرآن پڑھو۔ خدا سے میری بخشش کیلئے دعائے مغفرت مانگو۔

اچھا بیٹا حسین۔ حکمِ مَولٰی اَز ہمہ اولٰی۔ یہ فرما کر بے ہوش ہو کر فرشِ زمیں پر گر پڑیں اور بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں۔ جب کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو حضور امام عالی مقام نے نانی اماں کو یوں عرض کیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ: اے نانی اماں! میں یہ تمام امور نہایت ہی محبت سے سرانجام دیتا

اور آپ کے کفن دفن کی سعادت حاصل کرتا۔ ہمیشہ آپ کے مرقدِ

اقدس پر حاضری دیتا مگر قضائے الٰہی اور رضائے الٰہی ہے کہ میں

ہجرت کر کے کربلا پہنچوں اور اپنے تمام عزیزان کے خون سے

گلشنِ اسلام کو سیراب کروں۔ خیر!

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

یہ سن کر حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کو تابِ ضبط نہ رہی۔ وہ زار و قطار رونے اور خاکِ کربلا کو دیکھ کر اپنا منہ اشکوں سے دھونے لگیں۔ حضرت امام عالی مقام نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی کہ نانی اماں آپ صبر کریں اور مجھے میدانِ کربلا جانے کی اجازت دیں۔

آپ نانی جان سے رخصت ہو کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر آخری سلام اور رخصت کیلئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رو، رو کر آخری سلام عرض کیا اور اجازت طلب کی۔ اے نانا جان! اجازت ہو۔ آج میں کربلا جا رہا ہوں اور یوں عرض کیا۔

؎ ہماری بے کسی درماندگی کی لاج تم رکھنا
ہمیں نظروں میں اپنی صاحب معراج تم رکھنا

عدو کے ہاتھ سے جب قتل ہو لشکر نواسوں کا
بیاباں میں لٹے جب قافلہ بھوکے پیاسوں کا

پئے تسکیں میری سرکار تم اس وقت آ جانا
سکون و صبر کی تلقیں دل افگاروں کو فرمانا

پھر اس کے بعد آپ دخترِ رسول سیدہ کونین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے اور خوب قبرِ اقدس سے لپٹ کر روئے اور اپنے تمام حالات ہجرت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ماں کو سنائے۔ پھر آخری سلام عرض کیا اور رخصت طلب کی۔

وہاں سے روتے ہوئے اپنے بھائی حضور امام عالی مقام شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر تشریف لائے۔ رو، رو کر اپنے تمام حالات سنائے اور یزید پلید کے مظالم دہرائے۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام عزیزان و عزیزات کے مزارات پر فاتحہ خوانی فرمائی اور ان سے بھی رو، رو کر رخصت طلب کی۔

یہ ایسے حالات ہیں جنہیں سن کر تابِ ضبط نہیں رہتی۔ پتھر موم اور قلم شق ہو جاتے ہیں۔ کاغذ ریزہ ریزہ اور سیاہی خشک ہوتی جاتی ہے۔ لکھنے والے بے آب مچھلی کی طرح فرشِ زمیں پر لوٹنے اور وجد کرنے لگتے ہیں۔

؎ غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد شیطان نے اولادِ آدم کو دل کھول کر گمراہ کیا۔ دنیا میں ہر جگہ قتل و غارت کی وارداتیں کثرت سے ہونے لگیں اور کفر وشرک کا بازار گرم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے دن رات اولادِ آدم کو تبلیغ فرمائی۔ ساڑھے نو سو سال تک وعظ و کلام فرماتے رہے۔ صرف بیاسی مرد وزن ایمان لائے۔

تبلیغ کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے قوم سے طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ جب کفار کو تبلیغ فرماتے تو وہ لوگ اس قدر مارتے کہ آپ پتھروں سے زخمی ہو کر بے ہوش ہو جاتے۔ آپ کے بیٹے مجلسِ کفار سے اٹھا کر لاتے۔ آپ کی بیوی کفار سے کہتی کہ یہ تو دیوانے ہو گئے ہیں۔ ان کی کوئی بات قابل قبول نہیں۔

ایک بیٹا منافق انہی کے گروہ میں رہنے لگا اور آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ آپ نے ہر چند اس کو خدا کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ راہِ ہدایت پر نہ آیا۔ جب آپ وعظ فرماتے تو بعض کافر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور بعض شور

مچانا شروع کر دیتے تا کہ آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچے۔ بعض کافر وہاں سے بھاگ جاتے۔ بعض آپ کو پتھر مارتے۔ بعض ہاتھوں سے بھی مارتے۔

جب آپ بے ہوش ہو جاتے تو قدموں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹتے۔

آپ کا جسم اقدس زخمی ہو جاتا۔ ایک روز آپ کی خدمت میں جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کی۔ اے حضرت نوح علیہ السلام ! آپ حق سے ان کی بربادی کی دعا فرمائیں خدا قبول فرمائے گا۔ یہ کفار ناہنجار ایمان لانے والے نہیں۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے رب العزت سے دعائے ہلاکت فرمائی۔

اے اللہ! کفار کو زمین میں بستا ہوا نہ چھوڑ۔ اگر یہ بچ گئے تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔

ربُّ العزت: اے نوح علیہ السلام !ایک کشتی تیار کرو۔ جب یہ کشتی تیار ہو جائے تو تمام مومنوں کو کشتی میں سوار کر لینا۔ بہت بارش ہو گی اور زمین سے بھی پانی نکلے گا۔ ہر جگہ پانی ہی پانی ہو گا۔ تمام کفار ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے کفار تمسخر سے پوچھتے۔

اے نوح علیہ السلام ! یہ اتنی بڑی کشتی کس لئے تیار کرنے لگے ہو؟ کبھی ریگستان میں بھی کشتی چلا کرتی ہے۔ پہلے تو آپ رسول خدا تھے لوگوں کو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کا وعظ سنایا کرتے اور عذابِ دوزخ سے ڈرایا کرتے تھے۔ اب آپ ترکھان بن گئے اور لکڑی کا کام شروع کر دیا؟

حضرت نوح علیہ السلام: اے کافرو! آج تم ہم سے تمسخر کرتے ہو۔ عنقریب تم پر عذابِ الٰہی آنے والا ہے۔ جب ہمارا وقت آئے گا تو ہم تم سے مذاق کریں گے۔ کشتی دو سال میں تیار ہوئی۔ اس کی لمبائی تین سو گز، چوڑائی پچاس گز اور اونچائی تیس گز تھی۔ اس کے تین درجے تھے۔ ایک میں پرندے، درندے اور گزندے تھے۔ جبکہ دوسرے میں چارپائے وغیرہ تھے۔ تیسرے میں حضرت نوح علیہ السلام آپ کے مومن ساتھی اور حضرت آدم علیہ السلام کا جسمِ اقدس اور کھانے پینے کا تمام سامان تھا۔ کشتی میں تمام مرد و زن بہتر کے قریب تھے۔ چالیس دن تک بارش ہوتی رہی اور زمین سے پانی نکلتا رہا۔ جس سے تمام لوگ ڈوب گئے آپ کی ایک کافرہ بیوی بھی کفار کے ہمراہ غرق ہوگئی۔ آپ کا ایک لڑکا کنعان نامی منافق تھا، جو کشتی میں سوار نہ ہوا۔

نوح (علیہ السلام): اے بیٹا کنعان! تو آکر میری کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے۔

بیٹا: اے ابا جان! میں کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔ وہ مجھے بچا لے گا۔

حضرت نوح (علیہ السلام): اے بیٹا کنعان! آج خدا کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا مگر وہی جس پر وہ رحم فرمائے۔ پھر ایک پانی کی موج آئی وہ بھی غرق ہوگیا۔

حضرت نوح (علیہ السلام): اے اللہ! میرا بیٹا بھی تو میرے گھر والا ہی تھا اور تیرا وعدہ سچا ہے تو اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن ہے۔

ربُّ العزت: اے نوح علیہ السلام! یہ تیرا اہل (اولاد) نہیں تھا اگر یہ تیری اہلِ بیت سے ہوتا تو یہ غیر صالح کام نہ کرتا۔ آپ کشتی میں دس رجب کو سوار ہوئے اور جو دس محرم کو جا کر جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو روزہ رکھایا۔

(تفسیرِ خازن، تفسیرِ مدارک، تفسیر خزائن العرفان)

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور طرح طرح کے مظالم برداشت فرماتے رہے۔ صرف بیاسی افراد مسلمان ہوئے۔

آپ کو کفار مذاق کرتے، پتھر مارتے اور بے ہوش کر ڈالتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کافرہ ہوگئی جو انہی کے ساتھ غرق ہوگئی۔

آپ کا بیٹا منافق ہوگیا۔ جب آپ نے اسے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی تو فوراً انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ وہ بھی غرق ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اس قدر دردانگیز ہیں کہ سننے والے زار و قطار رونے لگتے ہیں۔ مگر ہمارے حضور امام عالی مقام فرزندِ مصطفیٰ، دلبندِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حالاتِ زندگی ان سے بھی زیادہ محشر خیز ہیں۔ جن کو سننے سے جسم لرزنے اور دل تڑپنے لگتا ہے جبکہ آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ بغور ملاحظہ ہوں۔

مدینہ منورہ سے روانگی

آدھی رات کا وقت ہے تمام دنیا کے انسان، حیوان، چرند و پرند، درند و گزند آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ نانا جان کی سنت (ہجرت) کو زندہ کرنے کیلئے فرزندِ رسول نے گھر کا تمام سامان باندھ لیا تا کہ قیامت تک مسلمانوں کو ہجرت کا سبق دیا جائے اور بتایا جائے کہ دینِ حق کیلئے دیارِ رسول کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مدینے کی نعمتیں، ٹھنڈا پانی اور سرد ہوائیں جن پر جنت الفردوس کی نعمتیں قربان ہوتی ہیں اور آبِ طہور صدقے ہوتا ہے۔

آج اسلام کیلئے اس مدینے سے ہجرت کی جا رہی ہے۔ حضور ﷺ کا روضۂ اقدس جو عرش و کرسی، لوح و قلم بیت المعمور جنت الفردوس اور کعبہ معظمہ سے بھی افضل و اعلیٰ، برتر و بالا ہے۔ جہاں ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام کو عرشی طواف کرنے آتے ہیں۔

آج نواسۂ رسول دل پر صبر کا پتھر رکھ کر اس سے بھی جدائی گوارا فرما رہے ہیں۔ مدینے کی مقدس گلیاں جہاں نوری آ کر پر بچھاتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام بھی اس در کی حاضری کی تمنا کرتے ہیں کہ یہاں مصطفیٰ ﷺ نے اپنے مقدس قدم رکھے۔ آج وہ مقدس شہر بھی چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس کے غبار کی خدا قسم یاد فرماتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ۔ (البلد:1)

یعنی مجھے اس شہر کی قسم۔ (کنزالایمان)

حسین آج اس مقدس شہر سے جدا ہو رہے ہیں۔

؎ کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام (حدائق بخشش)

اہلِ مدینہ پر سکتہ طاری ہے۔ کوئی لرز رہا ہے تو کوئی رو رہا ہے اور کوئی بے ہوش پڑا ہے۔ گویا تمام اہلِ مدینہ بے چین ہیں۔ اہلِ بیتِ مصطفیٰ کی جدائی خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ صحابہ کرام، مہاجر و انصار کھڑے زار و قطار رو رہے ہیں۔ خدمتِ امام میں اشکباری اور آہ و زاری کے ہدیئے اور گلدستے پیش کر رہے ہیں۔ حضور امام عرشِ مقام شوقِ شہادت سے مسرور اور شرابِ عشق سے مخمور قافلۂ حسینی کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اجازت دو اجازت دو اجازت دو کی آوازیں آ رہی ہیں۔

؎ وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ عشق تیز تر گردد

ترجمہ: محبوب سے ملاقات کا وقت جوں جوں قریب آتا ہے تو دیدارِ محبوب کیلئے عشق کی آگ اور بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔

امام: اے میرے فرزندو! وفادار بھائیو! بھانجو! بھتیجو! کیا تم تیار ہو؟

عزیزان: اے امام! ہم بالکل تیار ہیں۔ صرف حضور کا ہی انتظار تھا کیونکہ آپ اہلِ مدینہ سے ملاقات اور صبر و شکر کی تلقین فرما رہے تھے۔ اچھا

حضور کیا اب اجازت ہے؟ دیر ہو رہی ہے ہمیں اب چلنا چاہیے۔

امام: اے بہن زینب! کیا تم نے نانی اماں سے ملاقات کر لی؟ کیا تم نے اپنی پیاری سہیلیوں یعنی مدینہ منورہ کی مستورات سے مل لیا؟ اگر نہیں تو جلدی جلدی ملاقات کر کے تیاری کرو۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا: صرف سیدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا باقی ہے۔ انہیں شدت کا بخار آ رہا ہے اور پے در پے غشیاں آ رہی ہیں۔ انہیں کسی نے بتا دیا ہے کہ تمہارے بابا جان حسین رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہجرت فرما رہے ہیں۔ تم سے تمہاری پھوپھی جان جدا ہو رہی ہیں۔ امی جان اور چچی جان جدا ہو رہی ہیں اور اکبر و اصغر عون و محمد جدا ہو رہے ہیں۔ تمہارے تایا جان اور تائی صاحبہ داغِ مفارقت دے کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے سامان باندھ لیا ہے اور قافلہ چلنے والا ہے۔ وہ یہ حالاتِ روانگی سن کر بے ہوش ہو گئیں۔ آپ چل کر انہیں دیکھیں اور صبر کی تلقین فرمائیں۔ یہ سن کر امام عالی مقام رونے لگے۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ: اے صغریٰ! ہوش کرو ہوش! دیکھو تمہارے سر پر کون کھڑا ہے؟ بیٹی اٹھو اور اپنے مظلوم باپ کو ملو۔ تمام قافلہ تیار ہے۔ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ نا معلوم پھر تمہیں حسین (رضی اللہ عنہ) کی صورت دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ بیٹی اٹھو ہوش کرو۔ اپنے باپ سے مل لو۔

صغریٰ: اے بابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے تو مسافرانہ

لباس پہن رکھا ہے۔ کیا کہیں چلنے کی تیاری ہے؟ بابا جان! مجھ سے وعدہ کریں کہ میں بیٹی صغریٰ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اگر بابا جان صغریٰ کو ساتھ نہ لے کر گئے تو صغریٰ بے آب مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ بابا جان! کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟

امام (رضی اللہ عنہ): پیاری بیٹی صغریٰ! تم بیمار ہو سفر کرنے کے قابل نہیں ہو پے در پے بخار کی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ بیٹی بھلا میں اس حالت میں تمہیں کس طرح ہمراہ لے جا سکتا ہوں؟ ہم فی الحال مکہ معظمہ جا رہے ہیں۔ چند دنوں تک تیرے بھائی جان علی اکبر کو بھیج دوں گا اور وہ تمہیں آ کر لے جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟

صغریٰ: اے بابا جان! میں شدتِ بخار کی وجہ سے بے ہوش تھی۔ آپ نے رات کی تاریکی میں مجھے تنہا چھوڑ کر نا معلوم کیوں اور کہاں چلنے کا عزم فرما لیا؟ کیا دنیا کے ماں باپ بیٹیوں کو اس طرح چھوڑ جایا کرتے ہیں جس طرح آپ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ میں نے تو کسی سے بھی ایسے نہیں سنا۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے صغریٰ! بیٹی ٹھیک ہے، کوئی باپ بھی اپنی بیٹی کو تنہا چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم سفر کرنے کے قابل نہیں ہو۔ گرمی کا موسم جنگلات کا سفر اور راستہ پہاڑی ہے۔ بھلا ایسے حالات میں تمہیں کیسے ساتھ لے جایا جا سکتا ہے۔ جبکہ

کھانے پینے اور دوا کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔

صغریٰ: بابا جان! آپ مجھے ضرور ساتھ لے چلیں۔ میں بخدا آپ سے بھوک اور پیاس کی ہرگز شکایت نہ کروں گی۔ بخار خواہ کتنا بھی تیز ہو مگر آہ تک نہ کروں گی۔

ے ہو جانا خفا راہ میں گر روؤں گی بابا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوؤں گی بابا

جس طرح یہاں امی جان، پھوپھی جان، بہنوں اور بھائیوں سے روٹھ جاتی ہوں۔ بخدا وہاں کبھی نہیں روٹھوں گی بلکہ سب کی باندی بن کر رہوں گی۔ اصغر ننھے کا جھولا جھلایا کروں گی۔ سکینہ کا دل بہلایا کروں گی۔ بابا جان آپ مجھے پھوپھی جان اور امی جان کی عماری میں سوار نہ فرمانا بلکہ کسی کنیز کے ہمراہ سوار فرما دینا۔

بابا جان آپ ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھیں۔ وہ سامنے بھی میرا منہ تک رہے ہیں۔ کوئی بھی فرزندانِ رسول دخترانِ بتول سے یہ نہیں کہتا بیچاری صغریٰ کو بھی ساتھ لیا جائے۔ وہ دیکھو بابا جان بھیا علی اکبر، چچا عباس اور بھیا قاسم اور عون و محمد نے مجھے دیکھ کر سر جھکا لیے تاکہ یہ ہمارے ساتھ جانے کی درخواست پیش نہ کرے اور ہمیں اس کی طرف سے کوئی فرمائش نہ کرنی پڑے۔ یہ درد انگیز کلمات سن کر آخر حضور امام عالی مقام نے پیاری صغریٰ کو صاف فرما دیا۔

ے بچی بچ توں تپدیاں لانبواں توں کی لینا ای جا کے نال صغریٰ
پر سڑدے نے اڑدیاں پنچھیاں دے تتی لو تے رُت ہنال صغریٰ
اہلِ بیت سادات دے راہ اندر قدم قدم تے بچھے نے جال صغریٰ
تینوں کدے وی چھڈ کے جاوندا نہ اگوں پچھ نہ کھول کے حال صغریٰ
تینوں دسویں محرم نوں پتہ چل سی کہیڑے رنگ وچ نبی دا لال صغریٰ
ساڈے روز میثاق دے ہوئے سودے نیئں تے کسے دی کی اے مجال صغریٰ
میرے باجھ ایہہ بھار نہ چا سکدے غوث قطب افراد ابدال صغریٰ

جب سیّدہ صغریٰ نے حضور امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ سے یہ سنا تو آپ نے دردانگیز نعرہ مارا اور حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ کہہ کر آپ بے ہوش ہو گئیں۔ اس بیہوشی اور حضور امام عرش مقام کے بیان نے فرزندانِ رسول اور دخترانِ بتول میں ایک حشر برپا کر دیا۔ حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ اُمِ کلثوم، حضرت شہر بانو کی زبان پر واحسینا واحسینا کے نعرے تھے۔ تمام فرزندانِ رسول اور اہلِ مدینہ سیّدہ صغریٰ کی یہ حالت دیکھ کر خون کے آنسو رو رہے تھے۔ بقولِ شاعر

ے اللہ نے جو پیدا کیا رنج و بلا کو
تقسیم ہوا سب وہ محبانِ خدا کو

تحریر کا فرمان ہوا کلکِ قضا کو
ہر اک سے سوا حصہ ملا آلِ عبا کو

آغازِ مصیبت تو لکھا ختمِ نبی پر
اور خاتمہ بالخیر حسین ابنِ علی پر

سیّدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا (کچھ ہوش میں آ کر) اچھا امی جان علی اصغر کی تو مجھے زیارت کرادو۔ شاید یہ آخری ملاقات ہو کیا معلوم یہ ننھا مسافر مجھے پھر ملے یا نہ ملے۔ جب سیّدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے دونوں مقدس ہاتھ علی اصغر کی طرف دراز فرمائے تو وہ بہن کی طرف ایسے متوجہ ہوئے کہ فرشِ زمیں پر گر پڑیں گے اور ایسے بہن کے سینے سے چمٹے گویا زبانِ حال سے یوں فرما رہے ہوں۔ کہ پیاری بہن آج اصغر کو آخری پیار کرلو۔ پھر یہ ننھی سی صورت نورانی مورت جس کا تم گہوارہ ہلایا کرتی اور آغوشِ رحمت میں لے کر شربت و دودھ پلایا کرتی، اپنے ساتھ پیار سے لوریاں دے دے کر سلایا کرتی اور قربان شوم قربان شوم (میں قربان جاؤں میں قربان جاؤں) کے ترانے سنایا کرتی تھیں۔ نہ نظر آئے گا۔

☆ آپی جان! تمہیں معلوم ہے بابا جان کہاں جا رہے ہیں؟
آپی جان تمہیں معلوم ہے کہ تمام شہدائے کربلا کی فہرست مرتب ہو چکی ہے اور اس میں میرا نام بھی بابا جان نے جلی قلم سے لکھ لیا ہے۔
اس لئے بار بار عرض ہے کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ آج کے بعد اصغر پھر تمہیں نظر نہیں آئے گا۔

☆ الغرض حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قافلۂ اہلِ بیت کو روانہ کیا جائے۔

☆ یہ حکم سن کر قافلہءِ اہلِ بیت نے حضور امام عالی مقام کی قیادت میں ہجرت کی۔ تمام اہلِ مدینہ خورد و کلاں نے اشکوں کے ہار بارگاہِ حسینی میں پیش کئے اور یکے بعد دیگرے حضور سے رو، رو کر ملتے جاتے اور اپنے امام کو رخصت کرتے جاتے۔

☆ ابھی یہ قافلہءِ اہلِ بیت مدینہ منورہ سے باہر نکلا ایک ملائکہ کی منظم جماعت آئی اور حاضرِ دربار ہوئی۔ بصد ادب واحترام یوں عرض کیا۔

دربارِ امام میں فرشتوں کی حاضری

ملائکہ: یا امام! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

امام: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ! اے فرشتو! تم میرے پاس کیسے تشریف لائے اور تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟

ملائکہ: یا امام عرش مقام! ہمیں ربُّ العزت نے حکم فرمایا ہے کہ فوراً مسلح اور منظم ہو کر خدمتِ امام حسین رضی اللہ عنہ میں پہنچ جاؤ اور اپنی تمام جنگی خدمات امام عالی مقام کی خدمت میں پیش کردو۔ ہم حضور کی قیادت میں رہیں گے تاکہ وقت آنے پر ہم حکمِ الٰہی کے ماتحت حضور کی ہر طرح سے اعانت کرسکیں اور دشمنوں کو برباد کردیں۔

امام: اے فرشتو! مجھے تمہاری اعانت کی ضرورت نہیں۔ آپ واپس جاسکتے ہیں۔

بگڑی بھی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

ملائکہ: یَـا اِمَـامَ الْمُسْلِمِیْنَ ! ہم خدا کے حکم سے حضور کی خدمت میں آئے ہیں تا کہ ہم عراق وشام میں حضور کے ہمراہ رہیں۔ دشمنوں کو حضور سے دفع کریں۔ ہم آپ کے سپاہی ہیں۔ ہم حضور امام پاک کے ساتھ ہی رہیں گے۔ قبول فرمائیں۔

امام: اے فرشتو! میرا کوئی دشمن نہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔ جاؤ تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ میں خود ان کیلئے کافی ہوں یہ سن کر وہ تمام ملائکہ تشریف لے گئے۔ (نورالعین اسفرائنی صفحہ 23)

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ عشق تیز تر گردد!

ترجمہ: محبوب سے ملاقات کا وقت جوں جوں قریب آتا ہے تو دیدارِ محبوب کیلئے عشق کی آگ اور بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

قومِ عاد ایک بت پرست قوم تھی۔ جس کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ ریگستان میں آباد تھے اور وہاں ہی مکان تعمیر کرر کھے تھے۔

یہ لوگ بہت دراز قد تھے۔ بڑا آدمی سو گز لمبا جبکہ سب سے چھوٹا آدمی ساٹھ گز لمبا ہوتا تھا۔ آپ نے انہیں پچاس برس تک تبلیغ فرمائی مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔ صرف چند آدمی مسلمان ہوئے جو اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ باقی تمام لوگ اعلانیہ بت پرستی کرتے تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام: یاد کرو تم خدا کے انعامات کو جس نے تمہیں نوح علیہ السلام کے بعد سردار کیا اور زیادہ کیا جسم میں۔

اے قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرو۔

قومِ عاد: اے ہود کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا کہ ہم تیرے اللہ کی عبادت کریں؟ اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ

دادا پوجتے چلے آئے ہیں اگر تو ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے تو تُو وہ عذاب اپنے خدا کو کہہ ہم پر نازل کرے۔ اگر تم سچے ہو۔ الغرض آپ نے انہیں ستر برس تک ہدایت کی طرف بلایا مگر وہ لوگ ہمیشہ آپ کو دیوانہ، بے عقل اور جھوٹا ہی جانتے رہے۔ وہ آپ کا طرح طرح سے مذاق اُڑاتے رہے۔

حضرت ہود (علیہ السلام) : یَـا اِلٰـہَ الْعٰـلَمِیْـن ! یہ قوم کسی طرح بھی بت پرستی اور بدکاری سے باز نہیں آتی بلکہ بار بار عذاب کا مطالبہ کرتی ہے تو تُو ان پر عذاب نازل فرما۔ رب العزت نے ان پر بارش روک دی۔ ان کے تمام چشمے خشک ہو گئے اور باغات سوکھ گئے۔ فصلیں برباد ہو گئیں اور مویشی تباہ ہو گئے۔ یہی سلسلہ تین دن تک جاری رہا۔ آخر آپ نے انہیں پھر توجہ دلائی۔

حضرت ہود (علیہ السلام) : اے لوگو! توبہ کر لو۔ اسی سے معافی مانگو۔ وہ تمہیں بارش عطا فرما دے گا۔ تمہاری تمام تکلیفیں دور ہو جائیں گی مگر انہوں نے سن کر اور اپنی مصیبتوں کو دیکھ کر بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

سردار: اے قومِ عاد! اب ہماری پریشانی حد سے بڑھ گئی۔ اب ہمیں ایک وفد مکہ معظمہ بھیجنا چاہیے تاکہ وہ کعبہ میں جا کر دعا کرے اور ہماری پریشانی دور ہو جائے۔ آخر ایک وفد مکہ معظمہ بھیج دیا۔ یہ وفد مکہ مکرمہ میں جا کر ایسا عیش و عشرت شراب و کباب اور گانے بجانے

میں مصروف ہوا کہ اپنی اور اپنی قوم کی تمام تکلیفیں بھول گیا۔ آخر میزبان نے ایک طوائف کو سکھایا کہ ان کو شرمندہ کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر طوائف نے ایک غزل گائی۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ تم لوگ یہاں آ کر عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ جس مقصد کیلئے تمہیں قوم نے بھیجا تھا وہ مقصد بھول گئے۔ یہ سن کر وہ وفد بہت شرمندہ ہوا۔ آخر کعبہ معظمہ پہنچ کر دعا مانگی۔ فوراً ربُّ العزت نے ان پر تین بادل بھیجے۔ ایک سرخ، دوسرا سفید، تیسرا سیاہ۔ پھر غیب سے ندا آئی کہ ان تینوں سے تم جسے چاہو اختیار کر لو۔ انہوں نے سیاہ بادل کو اختیار کیا۔

حضرت ہود (علیہ السلام) : اے لوگوں! جس سیاہ بادل کو دیکھ کر تم خوش ہو رہے ہو اس میں عذابِ الٰہی اور تیز ہوا ہے۔ مگر ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے اس ارشاد کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس بادل سے پھر ایک تیز ہوا آئی۔ جس نے تمام کافروں کو ہلاک اور مکانات کو تباہ کر دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور تمام مسلمان محفوظ رہے۔ جس وفد کو مکہ معظمہ بھیجا تھا وہ ابھی راہ میں ہی تھا کہ ہوا کے ایک ہی جھونکے نے اسے بھی ختم کر دیا۔ اس وفد میں ایک مومن بھی تھا جو محفوظ رہا اور آ کر حضرت ہود علیہ السلام سے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی عمر ایک سو پچاس برس تھی۔ آپ نے پچاس برس کفار کو ہدایت فرمائی مگر طرح طرح سے آپ کو کفار نے ستایا۔

دربارِ امام میں جنّات کی حاضری

ابھی ملائکہ کرام حضور امام عرش مقام سے رخصت ہوئے تھے کہ جنّات کا ایک لشکرِ جرار آ حاضر ہوا اور یوں عرض کیا۔

لشکر: يَا اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

امام: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ! بھئی خیر تو ہے تم میرے پاس منظم اور مسلح ہو کر کیسے آئے ہو؟

سردار: يَا اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ ! میں جنّات کی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ میں اپنی تمام فوج کو حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اُمید ہے کہ آپ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمالیں گے۔

؎ گر قبول اُفتد زہے عزو شرف

ترجمہ: ''اگر ہماری خدمت قبول ہو جائے تو ہمارے لئے عزت اور شرافت کا سبب ہے''

امام: اے سردارِ فوج! تمہارا کیا مقصد ہے اور تم کس لئے آئے ہو؟ آخر تم اپنی فوجی خدمت میرے آگے کیوں پیش کرتے ہو؟

سردار: يَا اِمَامَ الْمُسْلِمِيْنَ ! میں یہ فوج آپ کی اور قافلہءِ اہلِ بیت کرام کی اعانت کیلئے لایا ہوں۔ آپ ہمیں حکم دیں تاکہ ہم خود

وہاں پہنچ کر دشمنوں کو ابھی ہلاک کر ڈالیں۔ آپ کو کسی مہم پر جانے کی ضرورت نہیں۔ دشمنوں کیلئے ہم ہی کافی ہیں۔ حضور کیا منظور ہے؟ امام پاک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بقول علامہ اقبالؒ

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اے جنات! جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔ جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا وعدہ ہے۔ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کیلئے دشمنوں سے نہ لڑا تو میری جگہ اور کون یہ امتحان دے گا؟ اور میری جگہ کون میری قبر میں داخل ہو گا؟ یعنی کون یہ درجۂ شہادت عظمیٰ حاصل کرے گا۔ جاؤ! تمہاری امداد کی ضرورت نہیں۔

سردار: يَا إِمَامَ الْمُسْلِمِيْن! آپ فرزندِ رسول ہیں جگر گوشہ بتول رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کی اطاعت ہم پر فرض ہے اگر آپ کی اطاعت ہم پر فرض نہ ہوتی تو ساتھ کبھی نہ چھوڑتے اور وقت آنے پر ہم آپ کی امداد ضرور کرتے یعنی دشمنوں کو آپ تک پہنچنے سے قبل ہی قتل کر ڈالتے۔

امام: اے سردارِ جنات' اے جنوں کے سردار! میں تمہاری مدد کا محتاج نہیں۔ میں تم سے زیادہ قدرت رکھتا ہوں۔

؎ بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

سردار: یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْن! بہت اچھا اگر حضور امام رضی اللہ عنہ ہماری خدمات قبول نہیں فرماتے تو آپ کی مرضی۔ مرضیِ مولےٰ از ہمہ اولیٰ۔ اچھا حضور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه۔

(نور العین صفحہ 23)

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

بقول شاعر

؎ مدینے سے شہِ کونین کا نورِ نظر نکلا
وطن سے بے وطن ہو کر وطن کا تاجور نکلا

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ قوم بڑی طویل القامت (دراز قد) تھی۔ انہوں نے بڑی بڑی عمارتیں بنا رکھی تھیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کا درمیانی دورانیہ سو برس تھا۔ یہ قوم بھی قومِ عاد کی طرح بت پرست تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ اے میری قوم! یاد کرو تم خدا کے احسان کو جس نے تمہیں قوم عاد کے بعد آباد کیا اور بہتر ٹھکانہ دیا۔ پہاڑ کو تراش کر مکانات تعمیر کرتے ہو۔ یہ اسی کا احسان ہے۔ اسی ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اسے ہی سجدہ کرو۔

ثمود: اے صالح! تم تو ہماری قوم کے صاحب فہم و فراست شخص تھے۔ تم ہمیں معبودوں کی عبادت سے کیوں روکتے ہو؟ یہ تو وہی ہمارے معبود ہیں جن کی ہمارے تمام باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں۔ اے صالح! جس خدا کے دین کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو وہ جھوٹا ہے۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) آپ انہیں خدا کی طرف عرصہ

دراز تک تبلیغ فرماتے رہے۔ صرف چند غریب اور نادار آدمی ایمان لائے جبکہ باقی تمام قوم کفر پر قائم رہی۔

ثمود: اے صالح علیہ السلام! اگر تم خدا کے سچے نبی ہو تو ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ تا کہ ہمیں یقین ہو کہ آپ خدا کے نبی ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام: اے قومِ ثمود! اچھا بتاؤ کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ بولو! یہ سن کر قوم نے عرض کیا یہ جو سامنے پہاڑ ہے۔ آپ اس پہاڑ سے ایک اونٹنی معہ بچہ پیدا (ظاہر) فرما دیں۔ یہ سن کر آپ نے وضو فرمایا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے دربار میں دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے حکم سے ایک دراز قد ناقہ (اونٹنی) معہ بچہ پہاڑ سے ظاہر ہوئی۔

یہ معجزہ دیکھ کر کفار بولے کہ آپ تو بہت بڑے جادوگر ہیں۔ وہ لوگ پھر بھی کفر پر قائم رہے۔ قومِ ثمود کا ایک ہی چشمہ تھا۔ اس اونٹنی نے منہ لگا کر اس کا تمام پانی پی لیا۔

یہ دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے کہ پانی تو تمام آپ کی ناقہ نے پی لیا۔ اب ہم اور ہماری قوم کے بچے اور مویشی کیا کریں؟ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ایک دن تم پانی پی لیا کرو اور ایک دن یہ ناقہ۔ کچھ دن ایسا ہی ہوتا رہا۔

آخر کار کفار نے چند آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اسے قتل کر

دیا جائے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی اونٹنی ہے اگر تم نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو اللہ تعالیٰ عزوجل کا عذاب تمہیں تباہ کر ڈالے گا مگر انہوں نے اس کام کیلئے نو آدمی مقرر کیے۔ جنہوں نے اس ناقۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) کو شہید کر ڈالا۔

حضرت صالح (علیہ السلام): اے لوگو! تم نے تو ناقۃ اللہ کی بے حرمتی کی۔ اسے شہید کر ڈالا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو۔

ثمود: اے صالح علیہ السلام! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ خدا سے کہو کہ وہ ہم پر عذاب لائے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خدا کا عذاب تم پر تین دن میں آنے والا ہے۔ آخر ایک ہولناک آواز آئی جس سے تمام قومِ کفار ہلاک ہوگئی۔ (تاریخ الانبیاء)

حضرت صالح علیہ السلام کے حالات بہت ہی درد انگیز ہیں مگر ہمارے امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی ان سے بھی زیادہ محشر خیز ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ میں آمد

حضور امام عرشِ مقام کا مدینہ منورہ سے ہجرت کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کی ہجرت سے کم نہیں بلکہ اس ہجرت سے زیادہ درد انگیز تھا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کے ہمراہ گئے تو حضرت یعقوب اور حضرت زینب بنت یعقوب علیہ السلام انتظار کرتے تھے کہ شام کو آجائیں گے مگر حضرت اُمِ سلمٰی اور سیّدہ

صغریٰ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ اب جو فرزندانِ رسول، جگر پارہائے بتول جا رہے ہیں۔ یہ آخری ملاقات ہے۔ خاکِ کربلا جو رحمۃ للعلمین، خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک شیشی میں ڈال کر حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے سپرد فرما گئے تھے۔ وہ پکار پکار کر اہلِ مدینہ کو کہہ رہی تھی کہ

اے مدینہ والو! نواسۂ رسول تم سے ہمیشہ کیلئے بچھڑ رہے ہیں یہ بجائے مدینۃ الرسول کے اب کربلا کو رشکِ بہشت بنانے چلے ہیں۔ آپ مدینہ منورہ سے رفتہ رفتہ چل کر مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں پہنچنا ہی تھا کہ دھڑا دھڑ کوفیوں کے خطوط اور قاصد آنے شروع ہو گئے کہ حضور ہمیں یزید مردود کی بادشاہت سے نجات دلائیں۔ آپ ہمیں اپنی زیارت اور بیعت سے مشرف فرمائیں۔

چند دنوں میں خطوط کی نوبت ہزاروں تک پہنچ گئی۔ آخر آپ نے حالات کا جائزہ لینے کیلئے اپنے بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیج دیا۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جو آپ سے بہت ہی مانوس تھے۔ وہ رونے لگے کہ بابا جان یا تو آپ ہمیں بھی ہمراہ کوفہ لے چلیں ورنہ آپ ہمارے پاس ہی رہیں۔ آپ کے بغیر ہماری زندگی بیکار ہے۔ ان کے رونے اور ضد کو دیکھتے ہوئے انہیں بھی ہمراہ لے لیا۔

جب آپ وہاں پہنچے تو اہلِ کوفہ نے آپ کا بہت بڑھ چڑھ کر شاندار فقید المثال استقبال کیا اور آپ کی تشریف آوری پر بے حد فرحت و مسرت کا

اظہار کیا۔ چند دنوں میں آپ کی چالیس ہزار کوفیوں نے بیعت بھی کر لی۔ جس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ واقعی کوفی لوگ حضور امام عرشِ مقام کے سچے دل سے خواستگار ہیں۔ وہ اپنی نجاتِ آخرت کیلئے دینی معاملات میں حضور امام کی سچے دل سے راہنمائی چاہتے ہیں۔ آپ نے یہاں کے حالات کا جائزہ لے کر ایک خط حضور امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضور یہاں کے تمام حالات سازگار ہیں یہ لوگ حضور کے خاص نیاز مند اور مرید ہیں۔ آپ بخوشی بے خوف و خطر یہاں تشریف لا کر اہلِ کوفہ کو اپنی زیارت فیضِ بشارت سے مشرف فرمائیں۔

☆ کوفہ کے شر پسند لوگوں نے (جو اہلِ بیتِ اطہار سے اندرونی طور پر بغض و عداوت رکھتے تھے) خفیہ طور پر جاسوسوں کو یزید مردود کے پاس بھیجا کہ او یزید تو اپنے خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور عیش و عشرت کو چھوڑ کر ہوشیار ہو۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لا چکے ہیں اور تمام کوفی ان کی بیعت کر چکے ہیں۔ یہاں کا گورنر نعمان بن بشیر اہلِ بیتِ رسول کا شیدائی ہے۔ اس کی موجودگی میں تمام کوفی بیعت کر رہے ہیں۔ اگر آج تیرے ہاتھ سے کوفہ نکلا تو کل بصرہ اور دمشق کو بھی خیر باد کہنا پڑے گا اور عنقریب تو تمام شام و عراق سے محروم ہو جائے گا۔ اگر ہو سکتا ہے تو اس کا اولین فرصت میں انتظام کر لے۔

☆ یزید مردود نے عبید اللہ بن زیاد گورنر بصرہ کو لکھا کہ میں آج سے نعمان

بن بشیر گورنرِ کوفہ کو معزول کرتا ہوں۔ تمہیں وہاں کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔ یہ مردود حسینی لباس پہن کر رات کو کوفہ پہنچا۔

☆ اہلِ کوفہ سمجھے کہ کہیں حضرت امام عرشِ مقام تشریف لائے ہیں۔ اس نے فوراً نعمان بن بشیر گورنر کوفہ سے گورنری کا چارج لے لیا اور حکم دے دیا کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے۔ اہلِ کوفہ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ وہ تمام یزید کی طرف ہو گئے اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ماننے والے چند افراد رہ گئے۔

ابن زیاد نے کچھ لوگوں کو قید کر دیا اور کچھ لوگ بھاگ کر دیہات میں آباد ہو گئے۔ بہت سے لوگ بیعت سے انکار کر کے رافضی بن گئے۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بڑا دکھ یہ تھا کہ وہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو کوفہ تشریف لانے کا دعوت نامہ بھیج چکے تھے آپ کے دونوں لڑکے قاضی شریح کے مکان پر تھے۔

حضرت مسلم چلتے چلتے ایک مکان پر آئے۔ دیکھا کہ دروازہ پر ایک عورت کھڑی ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ میں پیاسا ہوں مجھے پانی تو پلاؤ۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا پوچھا حضرت آپ کون ہیں؟ فرمایا میرا نام مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) ہے۔

یہ سن کر عورت نے دروازہ کھول دیا اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنے مکان میں محفوظ کر دیا، جو کچھ گھر میں کھانا تیار تھا حضرت کے آگے لا کر حاضر کر دیا

اور وعدہ کیا کہ میں محبِ اہلِ بیت ہوں ہر طرح سے آپ کی خدمت کروں گی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا لڑکا آیا دیکھا کہ گھر میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔ خبیث نے فوراً جا کر ابن زیاد کو بتا دیا۔ اس نے فوراً محمد بن اشعث کندی کو حکم دیا۔ وہ فوراً پانچ سو سواروں کو لے کر آیا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ آپ بھی مسلح ہو کر باہر تشریف لائے۔ معرکہ شروع ہو گیا۔ آن کی آن میں ایک سو پچاس سپاہی واصلِ جہنم فرما دیئے۔ باقی بھاگ نکلے۔

محمد بن اشعث نے ابن زیاد کو لکھا کہ مسلم سے مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ یہ محمدی کچھار کا شیر ہے۔ جو ہمارے سپاہیوں کو بھیڑ بکری سمجھتا ہے۔ چنانچہ اور فوج بھیجی جائے۔ یہ سن کر پانچ سو سپاہی اور مقابلہ میں آئے اور آتے ہی نیزہ بازی کرنے لگے مگر آپ نے اس بہادری سے مقابلہ کیا ان کے چار سو پچاس سپاہی اور واصلِ جہنم فرما دیئے۔

اس کے بعد محمد بن اشعث نے پھر امدادی فوج مانگی۔ فوراً ابن زیاد نے آٹھ سو کا لشکر بھیج دیا مگر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے ان پر بھی ایسا شیرانہ حملہ فرمایا کہ پانچ سو سپاہی ان سے بھی واصلِ جہنم فرما دیئے۔

☆ آخر دشمنوں نے آپ پر سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی۔ جس سے آپ کا تمام جسم زخمی ہو گیا۔ آپ نے پانی طلب فرمایا۔ یہ سن کر ایک دشمن نے پانی کا پیالہ پیش کیا۔ جب آپ پانی پینے لگے تو فوراً ایک دشمن

نے تیر مارا جو آپ کے لب میں پیوست ہو گیا اور خونؔ سے تمام پیالہ بھر گیا۔ آپ نے پانی کا پیالہ زمین پر گرا دیا اور آپ دشمنوں سے مقابلہ فرماتے رہے۔

☆ دشمنوں نے ایک گڑھا کھود کر تنکے ڈال کر مٹی ڈال رکھی تھی۔ آپ لڑتے لڑتے اس میں گر گئے جسم کا تمام خون بہہ گیا۔ اس لئے آپ بے ہوش ہو گئے۔ دشمنوں نے آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا۔ آپ نے ابن زیاد کو سلام تک نہ کیا۔ نہایت ہی مجاہدانہ انداز اور شاہانہ وقار سے کھڑے رہے۔

☆ ایک درباری نے کہا کہ اے مسلم رضی اللہ عنہ! آپ نے امیر المومنین کو کیوں سلام نہیں کیا؟ فرمایا امیر المومنین تو میرے مولا (حضور امام) حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس خبیث کو میں کیا سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر عبید اللہ بن زیاد بولا۔ اے مسلم (رضی اللہ عنہ)! میرے غضب سے ڈرو۔ فرمایا اے عبید اللہ! میں تجھ سے کیا ڈروں؟ میں تو تیرے رازقِ یزید سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس خبیث نے حکم دیا کہ اسے مکان پر لے جا کر شہید کر دو اور اس کی لاش کو مکان کی چھت سے نیچے گرا دو۔

☆ آپ نے انہیں فرمایا کہ ایک میری وصیت سنو! ایک تو میری زِرہ بیچ کر فلاں کا قرض ادا کر دینا۔ دوسرا میرے بچوں کو مدینہ شریف پہنچا دینا۔

تیسرا امام کو میری طرف سے لکھ دینا کہ مسلم (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے اور یہ عرض کر گئے کہ آپ کوفہ نہ آئیں۔ یہ لوگ کسی صورت بھی ہمارے وفادار نہیں۔

☆ اس کے بعد آپ کو دشمنوں نے مکان کی چھت پر لے جا کر سر کے بل گرادیا۔ جب گرے تو آپ کی زبان پر صدا "وَاحُسَيْنَا" تھی۔ آپ کا سرِ اقدس گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ آپ اسی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝

آپ 3 ذوالحج کو شہید ہوئے۔ اسی روز حضور امام عالی مقام کوفہ کی طرف۔ مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ آپ کا سر قلم کر کے دمشق بھیج دیا گیا اور جسمِ اقدس کی بے حرمتی کی گئی۔ پھر بازارِ قصاباں میں لے جا کر لٹکایا گیا۔

یہ وہ کوئے محبت ہے یہاں کے رہنے والوں کو
کفن تو کیا زمیں ملتی نہیں گورِ غریباں میں

بقولِ شاعر

یہ سفر ہے کوئے جاناں اور قدم قدم بلائیں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

پسرانِ مسلم رضی اللہ عنہما کی شہادت

قاضی شُریح نے رات کے وقت اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ ایک قافلہ آج رات عراقی دروازے سے مدینہ شریف جائے گا۔ ان دونوں فرزندانِ مسلم کو ان کے سپرد کر دینا تاکہ یہ مدینۃ الرسول پہنچ جائیں۔ قاضی کے بیٹے نے رات کو لے جا کر قافلہ کے ہمراہ چھوڑنے کی کوشش کی مگر قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔

عرض کیا اے فرزندانِ مسلم! وہ دیکھو سامنے قافلہ جا رہا ہے۔ بھاگ کر اس کے ساتھ مل جاؤ۔ خدا کی شان بہت ملنے کی کوشش کی مگر راہ بھول گئے۔ چند سپاہی ملے جو تلاشِ پسرانِ مسلم میں گشت کر رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا اے بچو! تم کون ہو:؟ فرمایا مسلم کے بیٹے ہیں۔ وہ فوراً کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال بہت سنگدل تھا۔ وہ فوراً عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گیا۔

☆ عبید اللہ بن زیاد نے ان دونوں صاحبزادوں کو داروغۂ جیل کے سپرد کر دیا اور کہا کہ میں آج ہی یزید کو لکھتا ہوں کہ پسرانِ مسلم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اگر دمشق بلایا تو زنجیر بستہ کر کے وہاں بھیج دیئے جائیں گے ورنہ قتل کروا کر ان کے سر وہاں بھیج دیئے جائیں گے۔

☆ داروغۂ جیل ایک بہت بڑا محبِ اہلِ بیتِ رسول تھا گود میں لے کر ان یتیم بچوں کو خوب پیار کیا۔ گھر لے جا کر خوب خاطر تواضع کی اور نہایت ادب سے پیش آیا۔ دن بھر مصروفِ خدمت رہا۔ رات کو اپنی انگوٹھی دی

کہ یہ میری انگوٹھی لے جاؤ۔ قادسیہ میں میرا بھائی کوتوال ہے اسے کہنا کہ ہمیں مشکور داروغہ جیل کوفہ نے بھیجا ہے۔ وہ تمہیں مدینہ شریف بھیج دے گا۔

☆ خدا کی شان تمام رات یہ چلتے رہے مگر راہ بھول کر وہاں پر ہی آ جاتے۔ صبح ایک کھجور کے تنے میں چھپ گئے۔ ایک لونڈی چشمے سے پانی لینے آئی۔ اسے دو، نورانی صورتیں پانی میں چمکتی نظر آئیں۔

☆ جب اس نے نظر اٹھائی تو پوچھا کہ اے بچو! آپ کون ہیں؟ بتایا کہ ہم مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے چاند ہیں۔ وہ کنیز یہ سن کر زاروقطار رونے لگی۔ پھر وہ کنیز ان دونوں بچوں کو اپنی مالکہ کے پاس لے گئی۔ وہ خاتون بہت بڑی محبِ اہلِ بیت تھی۔ بہت خاطر تواضع سے حاضرِ خدمت رہی۔

☆ رات کو اس کا شوہر آ گیا۔ پوچھا کہ تو کہاں غائب رہا؟ بولا کہ میں فرزندانِ مسلم کی تلاش میں پھر رہا ہوں تاکہ ابن زیاد سے میں انعام حاصل کر سکوں۔ بیوی نے کہا اے حارث! کیا تو دنیا کے انعام کیلئے بے ایمان ہونا چاہتا ہے؟ جو فرزندانِ مسلم کو قتل کروانا چاہتا ہے۔ بولا باتوں کی ضرورت نہیں۔ جلدی کھانا لاؤ۔ بیوی نے کھانا دیا۔ کھانا کھا کر گدھے کی طرح لیٹ گیا۔

☆ یہ سو رہا تھا کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو جگایا کہ تیار ہو جاؤ کیونکہ اب ہمارا بھی وقتِ شہادت آ گیا۔ میں نے ابھی ابھی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ اور امام حسن اور امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہم کو خواب

میں دیکھا کہ وہ حضور کے ساتھ جنت میں سیر کر رہے ہیں۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا اے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ! تم یہاں بہشت میں سیر کرتے ہو اور بچوں (محمد اور ابراہیم) کو ظالموں میں چھوڑ دیا۔ بابا جان نے فرمایا حضور وہ بھی آج میرے پاس آ جائیں گے۔ یہ سن کر دونوں بھائی تابِ ضبط نہ لا سکے اور رونے لگے۔ اسی اثناء میں حارث نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جو رو رہے ہیں۔ اندر جا کر دیکھا اور کہا او ہو یہ تو دونوں مسلم کے چاند میرے گھر میں موجود ہیں۔

☆ خبیث نے دونوں کو زلفوں سے پکڑ لیا۔ حارث کا غلام، بیٹے اور بیوی نے مزاحمت کی مگر یہ باز نہ آیا۔ پہلے غلام نے حارث کا مقابلہ کیا وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر حارث کا بیٹا فرزندانِ رسول کی اعانت کیلئے مقابل ہوا۔ آخر وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر بیوی مقابل ہوئی وہ بھی شہید ہو گئی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○

یہ معرکہ دیکھ کر یتیم بچے زار و قطار رونے لگے۔ ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے کہ اب یہ دشمن ہمیں بھی شہید کر ڈالے گا۔

☆ حارث بولا: اے فرزندانِ رسول ! اب تم قتل کیلئے تیار ہو جاؤ۔ دونوں صاحبزادوں نے کہا اچھا ہمیں پانی لا دے تا کہ ہم آخری نماز ادا کر لیں۔ ظالم نے انکار کر دیا۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہمیں سجدہ تو کر لینے دو۔ ظالم نے یہ بھی منظور نہ کیا۔ آخر چھوٹے بھائی نے کہا۔ اچھا پہلے مجھے

شہید کرو تا کہ میں اپنے بڑے بھائی کی مصیبت نہ دیکھ سکوں۔ بڑے بھائی نے کہا کہ اے حارث! پہلے مجھے شہید کرو تا کہ میں اپنے چھوٹے بھائی کی مصیبت نہ دیکھ سکوں۔

☆ یہ سن کر خبیث نے بڑے بھائی کا سرِ اقدس تن سے جدا کر دیا۔ چھوٹا بھائی فوراً بھائی جان بھائی جان کہہ کر آگے بڑھا اور اپنے بھائی کا سرِ نازنین گود میں اٹھا لیا۔ عرض کیا بابا جان آپ کہاں ہیں؟ ذرا آ کر دیکھیں تو بھائی جان کا سر اس خبیث نے کس بے رحمی سے تنِ اقدس سے جدا کر دیا۔ ابھی آپ بڑے بھائی کے سر کو سینے سے لگا کر بابا جان سے عرض کر ہی رہے تھے کہ خبیث نے فوراً چھوٹے بھائی کو بھی شہید کر ڈالا۔

ے دھبہ بھی نہ خوں کا لگا شمشیرِ عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

☆ اس کے بعد دونوں فرزندانِ رسول کی لاشوں کو فرات میں بہا دیا اور سروں کو خوب سجا کر دربارِ عبید اللہ ابن زیاد میں انعام حاصل کرنے کیلئے لے گیا۔ جا کر سلام عرض کیا اور بولا کہ اے ابنِ زیاد! ان دونوں فرزندانِ رسول کے سر صرف تیری رضا کیلئے اُتار لایا ہوں تا کہ تجھ سے انعام حاصل کر سکوں۔ لو یہ حاضر ہیں۔

☆ ابنِ زیاد بولا اگر یزید نے حکم دیا کہ انہیں زندہ دمشق بھیج دو تو میں کیا

جواب دوں گا؟ تجھے کس نے حکم دیا کہ انہیں شہید کر ڈالنا اور سر میرے پاس لانا۔ او سنگدل تجھے بچوں پر رحم نہ آیا۔

☆ آخر ابن زیاد نے حکم دیا کہ حارث خبیث کو فرات پر لے جا کر قتل کر دو اور اسے خوب ذلیل کر کے مار ڈالو۔ مقاتل اٹھا جو بہت بڑا محبِ رسول تھا۔ کہا اسے میرے سپرد کر دو۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے پاؤں کو رستا باندھ کر خوب کوفے کی گلیوں میں گھسیٹو۔ وہ فوراً زنجیر بستہ کر کے پاؤں میں رسّی باندھ کر اسے مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔

☆ حارث بولا: اے مقاتل! تو مجھ سے دس ہزار دینار لے لے۔ مگر مجھے چھوڑ دے۔ مقاتل نے کہا! خبیث اگر تو تمام دنیا کی سلطنت بھی مجھے دے تب بھی تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تجھے فرزندانِ رسول پر رحم نہ آیا تو مجھے تجھ پر کس طرح رحم آ سکتا ہے۔ پھر مقاتل نے فرزندانِ رسول کے دونوں سروں کو سینے سے لگایا اور رو، رو کر نہایت تعظیم و تکریم سے فرات میں ڈال دیا۔ فرات سے دونوں جسم نمودار ہوئے اور سروں سے مل گئے۔ دونوں بھائی بغل گیر ہوئے اور دریا میں غائب ہو گئے۔ ایک روایت ہے کہ دونوں جسموں کو دریا سے نکالا اور سروں سے ملا کر دفن کر دیا گیا۔ اب تک دونوں کے مزارات زیارت گاہِ عالم ہیں۔

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ: بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

پھر حضرت مقاتل نے غلاموں کو حکم دیا کہ حارث مردود کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دو۔

پھر حکم دیا کان کاٹ دو۔ آنکھیں نکال دو اور اس کا پیٹ پھاڑ دو۔ غرضیکہ اس کو خوب ذلیل کر کے واصلِ جہنم کیا گیا۔ پھر حکم دیا کہ اسے اب دریا میں پھینک دو۔

ع پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

جب دریا میں ڈالا تو دریا نے اس مردود کو باہر پھینک دیا۔ تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخر لکڑیاں جمع فرما کر حضرت مقاتل نے اسے آگ میں جلا دیا۔

حضرت مسلم اور پسرانِ مسلم رضی اللہ عنہم کے ایسے درد انگیز اور محشر خیز حالات ہیں جو مسلمانوں کو قیامت تک خون کے آنسو رلاتے، جسموں کو لرزاتے اور روحوں کو تڑپاتے رہیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب تمام بتوں کو توڑ دیا تو نمرود نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا آتشکدہ تیار کیا جائے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلایا جائے۔ یہ سن کر تمام لوگوں نے لکڑیوں کے انبار لگا دیئے۔ کئی میلوں میں وہ آتشکدہ تھا۔ جسے لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔

لوگوں نے جا کر نمرود سے کہا کہ اے شہنشاہِ جہاں چل کر آتشکدہ دیکھ لیں۔ ہم تمام جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں نے آتشکدہ کو لکڑیوں سے بھر دیا تا کہ ہمارے خلوص اور محبت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

اے شہنشاہ! یہ بچپن ہی سے ہمارے ٹھاکروں (بتوں) کی بے ادبی کرتا رہا ہے۔ جب اس کے چچا آذر انہیں بت بنا کر دیا کرتے کہ جاؤ انہیں بازار میں لے جا کر فروخت کر آؤ تو یہ انہیں بازار میں لے جا کر ذلیل کرتے تھے اور ان کی بری طرح مٹی پلید کرتے تھے۔

کبھی کہتے کہ اگر تم خدا ہو تو کلام کیوں نہیں کرتے؟

اگر (خدانخواستہ) تم خدا ہو تو خود بخود کیوں نہیں چلتے؟

اگر تم خدا ہو تو اپنی حفاظت کیوں نہیں کرتے؟

کبھی کسی کو کیچڑ میں ڈال دیتے اور کبھی کسی کا کان توڑ ڈالتے۔ کسی کی آنکھ نکال دیتے تو کسی کی ٹانگ توڑ ڈالتے۔ کسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور اعلان کرتے کہ اے لوگو غور سے سنو۔

ے وچ بازارے ہوکا دیوے سوھنا نبی ربانا
صنم خریدو، صنم خریدو جس نے دوزخ جانا

اے شہنشاہ ! اب دیکھیئے ہمارا تمام بت خانہ تباہ و برباد کر دیا گیا۔ جب پوچھا تو ہم سے مذاق کیا کہ چھوٹے بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہوگا۔ اسی سے معلوم کرو۔ بھلا وہ بھی کوئی انسان ہیں جو کلام کریں گے۔ اب نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ جب خدا ہی نہ ہوں گے تو ہم کس کی پوجا کریں گے؟

اس لیے ہم نے خوب دل کھول کر لکڑیاں جمع کی ہیں اور آتشکدہ جو کئی میلوں میں ہے اسے بھر دیا ہے۔ نمرود خود جا کر آتشکدہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آخر آگ لگانے کا حکم دے دیا۔

وزیر: اے شہنشاہ! آتشکدہ بالکل تیار ہو گیا ہے۔ آپ چل کر دیکھ لیں کہ اس کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہیں۔ اس کی تیزی سے تین تین میل کی دوری تک پرندے جل جاتے ہیں۔ نمرود اپنے وزراء کے ساتھ گیا اور دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا اب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو سزا دی جائے۔

نمرود: اے وزراء! یہ آتشکدہ تو کئی میلوں تک ہے۔ اس میں (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو کیسے ڈالا جائے گا؟ جو لوگ انہیں ڈالنے جائیں گے وہ خود نذرِ آتش ہو جائیں گے۔ اور جل کر راکھ ہو جائیں گے تمہارا کیا خیال ہے؟

ابلیس: اے نمرود! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں کہ تم سن کر حیران رہ جاؤ گے اور نہایت آسانی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو نذرِ آتش کر سکو گے۔

نمرود: اے بڈھے کہیں تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ تو ہمیں کیا طریقہ بتائے گا؟ مجھے اتنی عمر خدائی کرتے ہوئے ہو گئی۔ میری اور میرے وزراء کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ تو ہمیں کیا بتائے گا؟ معلوم نہیں تو کہاں سے آیا ہے؟

ابلیس: اے نمرود! میں تجھ سے عمر و علم، سیاست و فراست اور صنعت و حرفت میں ہر طرح قابل ہوں۔ میری تمام عمر انہیں باتوں میں گزری ہے۔ میں ہمیشہ ان کی مخالفت کرتا ہوں، جو نبی بن کر آتے ہیں۔

نمرود: (حیران ہو کر) اچھا بڑے میاں ہم مانتے ہیں کہ تم ہر فن مولا ہو۔ اچھا بتاؤ وہ طریقہ کیا ہے؟ جس سے ہم (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو نذرِ آتش کر سکیں اور انہیں جلا کر اپنے ٹھاکروں

(بتوں) اور دیوی دیوتاؤں کو خوش کر سکیں۔

ابلیس: اے نمرود! مستریوں کو بلا کر کہو کہ وہ ایک بہت بڑی منجنیق یعنی گوپیا تیار کریں۔ جب وہ گوپیا تیار ہو جائے اسے زمین میں نصب کر دیا جائے۔ پھر اس کے اوپر ایک بہت بڑا رسا باندھ کر اس سے پتھر پھینکنے کی مشق کی جائے۔ جب وہ آسانی سے پتھر پھینکنے لگے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تابوت میں بند کر کے آتشکدہ میں پھینک دیا جائے۔ بس اتنی سی بات تھی۔ جسے تم لوگوں نے افسانہ بنا دیا۔

نمرود: اے بڈھے! واقعی آپ تو بڑے پرانے تجربہ کار ہیں۔ تمہاری تجویز مجھے اور میرے وزراء کو بہت پسند آئی۔ اب تم یہاں ہی رہا کرو۔ شاید کوئی اور مشورہ کرنا پڑے۔

ابلیس: اے نمرود! میں تمہارا ہر طرح سے خیر خواہ ہوں۔ خود میری بھی یہی کوشش ہے کہ دنیا میں بتوں کی بادشاہی قائم رہے اور تم تا دیر خدائی کر سکو۔ میری اصل منشاء یہی ہے کہ ایک خدا کی عبادت نہ کی جائے۔ جس کی عبادت کا (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) حکم دیتے ہیں۔ بھلا اتنے بڑے نظام کو ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے؟ معلوم نہیں کہ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) اس مشن کی کیوں تبلیغ فرماتے ہیں؟ بھلا ایک خدا کو بھی اس زمانہ میں کوئی مان سکتا ہے؟

نمرود: اے کاریگرو! کیا گوپیا (منجنیق) تیار ہے؟ اگر تیار ہے تو جلدی

سے کوئی اونچی جگہ تلاش کر کے فوراً نصب کر دو تا کہ جلدی (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔

کاریگر: اے شہنشاہ! وہ دیکھو سامنے بلندی پر کھڑا کر دیا گیا۔ وہ تو کئی میل دور سے نظر آتا ہے۔ ہم نے پتھروں کی مشق کر لی۔ بالکل ٹھیک ہے۔

نمرود: اے داروغۂ جیل! (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو زنجیر بستہ کر کے جلدی لاؤ تا کہ انہیں نذرِ آتش کیا جائے۔

داروغۂ جیل: اے شہنشاہ! آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ آپ تمام وزراء کو بھی ہمراہ لے لیں تا کہ سب کی موجودگی میں (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈالا جائے۔ یہ سن کر نمرود نے فوراً تمام وزیروں کو ہمراہ لیا اور موقع پر پہنچ گیا۔ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! اپنے خدا وحدہ لاشریک کو کہہ کہ وہ تمہیں میرے اس عذابِ شدید سے بچائے۔

جبرائیل علیہ السلام: یاالٰہی! تیرے خلیل کو نمرود اب تو نذرِ آتش کرنے والا ہے۔ عرش و کرسی اور لوح و قلم لرز رہے ہیں۔ تمام عرشی و فرشی بے قرار ہیں۔ تمام حور و ملائکہ زار و قطار نالہ کناں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں ملائکہ کی جماعت کو ہمراہ لے کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی مدد کروں۔ کیا اجازت ہے؟

ربُّ العزت: اے جبرائیل! میں علّامُ الغیوب ہوں۔ میں یہ نظارہ دیکھ رہا

ہوں کہ نمرود میرے خلیل کے خلاف جو طریقے اپنا رہا ہے اور ابلیس اسے ہر طرح کے داؤ بتا رہا ہے۔ وہ میرا خلیل ہے کہ جو میری رضا پر صابر و شاکر ہے۔ وہ تجھ سے ہرگز مدد طلب نہ کرے گا۔ اگر وہ مدد طلب کریں تو جاؤ جا کر مدد کرو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔

جبرائیل علیہ السلام: یا خلیل اللہ! السلام علیکم! میں حاضرِ خدمت ہوں۔ اگر آپ فرمائیں تو اس آگ کو نمرودیوں پر اُلٹ دوں۔ ان کو اور تمام شہرِ بابل کو ابھی جلا دوں۔ آپ جو مناسب سمجھیں حکم ارشاد فرمائیں۔

حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام): اے جبرائیل! میں خدا کی رضا پر صابر و شاکر ہوں۔ مجھے تیری کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے تمام احوال سے خوب واقف ہے۔

جانتا ہے وہ میرا ربِّ جلیل
آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

اگر وہ چاہتا ہے کہ ابراہیم نذرِ آتش ہو تو میں ہر طرح سے راضی برضا ہوں۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ میرا خلیل دنیا کو ہدایت کرے اور دینِ الٰہی پھیلائے تو وہ خود مجھے اس آگ سے بچا لے گا۔ آپ کی امداد کی ضرورت نہیں۔

جب نمرود نے حکم دیا کہ تابوتِ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دو تو فوراً

ڈال دیا گیا۔ خدا کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی برکت سے (جو آپ کی پیشانی میں ودیعت تھا) وہ نار گلزار ہوگئی۔ تمام نمرودی شرمندہ ہوگئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ۔ (الانبیاء 69)

ترجمہ: ہم نے فرمایا اے آگ ہوجا ٹھنڈی اور سلامتی (والی) ابراہیم پر (کنز الایمان)

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشۂ لبِ بام ابھی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

میدانِ کربلا کی پکار

اہلِ بیتِ کرام کی کشتی کے ناخدا حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ بحرِ ناپیدہ کنار رضا وقضا میں تیراتے ہوئے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ لاتے ہیں تاکہ اس کشتی کو زیارت گاہِ فرشیاں اور خاکِ کربلا تک پہنچا کر قیام کیا جائے اور میدانِ کربلا کو امتحان گاہِ اہلِ بیت بنایا جائے۔ دنیا کو صداقت کا سبق دیا جائے۔

☆ زمینِ کربلا (خاکِ کربلا) پکار پکار کر اپنے امام فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول کو بلا رہی ہے کہ اے امام عالی مقام میں نے اپنی پر خلوص درخواست حضرت آدم علیہ السلام کے حضور پیش کی کہ آپ مجھے آباد کریں۔

☆ پھر میں نے حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام سے عرض کی

کہ آپ حضرات مجھے ضرور آ کر آباد کریں۔

☆ پھر میں نے حضرت صالح علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ مجھے آباد کریں۔

☆ پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب حضرت یوسف، حضرت یونس، حضرت موسیٰ حضرت شعیب، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی یہی عرض کیا کہ آپ حضرات میں سے ہی کوئی مجھے شرف بخشے۔

☆ پھر میں نے حضرت ایوب صابر، خضر و الیاس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی رو، رو کر عرض کیا کہ آپ حضرات میں سے کوئی مجھے آ کر ہمیشہ کیلئے سکون عطا فرمائے مگر ان تمام حضرات نے یہی جواب دیا اور کہا۔

تجھے آ کر شاہِ کونین، سُلطانِ دارین نواسۂ رسول الثقلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہی آباد فرمائیں گے۔

اے امام حسین علیہ السلام! جس رات حضور رحمۃ للعلمین کی ولادت باسعادت ہوئی۔ تمام مخلوق نے خوشی کی۔ میں نے بھی اس وقت اپنی فرحت و مسرت کا ایک بہت بڑا نعرہ بلند کیا مگر مخلوقِ خدا مجھ پر بہت ہنسی۔ میں نے عرش و کرسی، لوح و قلم، فرش و فلک، حور و ملک جن و انسان، غلمان و رضوان کو مخاطب کر کے کہا کہ۔

بے شک آج میں دوزخ سے بدتر ہوں۔ میں پانی کو ترس رہی ہوں۔ مجھ پر کوئی دریا نہیں۔

☆ میرے سینے پر کوئی سبزہ زار نہیں۔

☆ مجھ پر کوئی دلکش گلشن نہیں۔

☆ میرے سینے پر محلات اور مکانات تعمیر نہیں کئے گئے۔

مگر اے عرش و فرش کے رہنے والو! اے جنت کے بسنے والو! یہی وہ سرکار رحمۃ للعلمین، خاتم المرسلین، احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں جنہوں نے مجھے اپنا نواسہ امام حسین رضی اللہ عنہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆ بے شک آج میں ریگستان ہوں مگر کل میں گلستان بننے والی ہوں۔

☆ بے شک آج میں ایک وادیِ نار ہوں مگر کل میں گلزار ہونے والی ہوں۔

☆ بے شک میں آج دوزخ سے بدتر ہوں مگر کل رشکِ فردوس بریں بننے والی ہوں۔

☆ میرے ذرّات کو ملائکہ چوما کریں گے۔

☆ میری خاک کو خاکِ شفا سمجھا جائے گا۔

☆ میری زیارت کو باعثِ نجاتِ آخرت سمجھ کر عشاق آیا کریں گے۔

☆ اے میرے امام! میں رشکِ عرش مقام میں جل گئی، بھن گئی مجھے سیراب فرمائیں۔

☆ میں داغِ جدائی سے بے قرار ہوں۔ مجھے زیارتِ فیضِ بشارت عطا فرمائیں۔

یہ مانا ذرّہ ذرّہ ہے جہنم میری وادی کا
یہ مانا میں ہوں مرکز دو جہاں کی نامرادی کا

ہلاکت آفریں بیشک یہ مانا خاک ہے میری
قبائے زیست مانا تابدامن چاک ہے میری

نثارِ آلِ اَطہر کربلا کا ذرّہ ذرّہ ہو
قدم بوسی حسین ابنِ علی کی روزمرّہ ہو

بیت اللہ شریف کی آخری زیارت اور روانگی

اے کعبۂ معظّمہ! وہ رات یاد ہو گی جس رات میرے نانا جان شفیع عاصیاں' رہنمائے کاملاں صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ ہجرت تجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر بار بار پیار کیا اور سینے سے لگا کر دیر تک زار و قطار روتے رہے اور فرمایا کہ اے کعبہ! آج تو میری آخری زیارت کر رہا ہے تیرے شہر کے باشندے میرے قتل کے درپے ہیں۔ تیرے باشندے میری اہلِ بیت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ انہیں صرف اس قصور پر شہید کیا جاتا ہے کہ وہ ایک خدا کے ماننے والے ہیں۔ اس کے رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ ایک خدا کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ تیری جدائی مجھے ہمیشہ خون کے آنسو رلائے گی۔

اچھا اللہ حافظ۔ خدا حافظ

اے کعبۂ معظّمہ! آج اسی رحمۃ للعٰلمین خاتم المرسلین کا نواسہ حسین (رضی اللہ عنہ)

تیری آخری زیارت کیلئے آیا ہے۔

☆ آج تجھے چھوڑ کر کوفہ کی طرف ہجرت کر رہا ہے۔

☆ ابھی ہجرتِ مدینۃ الرسول خون کے بے بہا آنسو رلا رہی تھی کہ اب تیری جدائی بھی ہمیشہ جسم کو لرزاتی اور روح کو تڑپاتی رہے گی۔

☆ اے کعبۂ معظمہ! میں بہت مصیبت زدہ ہوں۔ آغوشِ رسول سے جدا ہو چکا ہوں۔

☆ دامنِ مادر سے الگ ہو چکا ہوں۔

☆ میرے سر سے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کا سایہ اُٹھ چکا اور امامِ زمن حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

☆ مدینۃ الرسول کو چھوڑ کر تیرے دامانِ رحمت میں پناہ لی تھی مگر آج تجھ سے بھی جدا ہو رہا ہوں۔

☆ ماہِ ذی الحجہ آ گیا۔ دور دراز سے حاجیوں کے قافلے تیری زیارت کو آ رہے ہیں مگر میں اپنی اہلِ بیت کو لے کر کوفہ جا رہا ہوں۔

؎ وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

اے خدا کے گھر! سنا ہے یزید مردود نے مجھے شہید کرنے کیلئے تیس آدمی حجاج کرام کے ہمراہ مکہ میں بھیج دیئے ہیں کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) جس حال میں

بھی ہوں ان کو شہید کر دیا جائے۔

میں نہیں چاہتا کہ میرے خون سے تیری سرزمین کو رنگین کیا جائے اور میرے نانا جان کی حدیث مجھ پر ہی صادق آئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''ایک بکری مکہ میں ذبح کی جائے گی جس کے خون سے کعبہ کی بے حرمتی ہوگی''۔ اس لئے اے کعبۂ معظمہ میں آج تجھ سے ہجرت کر رہا ہوں۔ اچھا اللہ حافظ۔

قدومِ کعبۂ کون و مکاں کعبہ سے جاتے ہیں
ہمیشہ کو امامِ دو جہاں کعبہ سے جاتے ہیں

در و دیوار کعبہ نے لباسِ ماتمی پہنا
عروسِ گل نے پھولوں کا اتارا جسم سے گہنا

صحابہ کرام: اے امام المشرقین والمغربین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ! آپ کوفے ہرگز نہ تشریف لے جائیں وہ کوفی لایوفی ہیں۔ (وفادار نہیں) ان کے اقوال و افعال کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کا بے وفا اور دغا باز ہونا آشکارا (واضح) ہے۔

امام: اے صحابہ کرام! بے شک میں جانتا ہوں کہ کوفی بے وفا اور بدعہد ہیں۔ ان کے اقوال و افعال کا کوئی اعتبار نہیں مگر میں مجبور ہوں میرا یہ سفر حکمِ الٰہی کے ماتحت ضروری ہے۔ مجھے نانا جان کی وہ حدیث

اچھی طرح یاد ہے۔ حضور رحمۃ للعلمین، خاتم المرسلین نے فرمایا تھا کہ مکہ میں ایک بکری ذبح کی جائے گی جس کے خون سے کعبہ کی بے حرمتی ہوگی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بکری مجھے نہ بنایا جائے اور میرے ہی خون سے کعبہ معظّمہ کو سرخ نہ کیا جائے۔

؎ خدا کی راہ میں کعبہ سے حق کا پاسباں نکلا
خود اپنے کارواں کو لے کر میرِ کارواں نکلا

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

؎ نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

خلیل اللہ اور ہجرتِ شام

سپاہی: اے شاہِ مصر! آج صبح شہر بابل سے ایک بڑا حسین وجمیل مسافر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ جس کے حسن و جمال کی میں کوئی توصیف بیان نہیں کر سکتا۔ میری زبان قاصر ہے کہ میں اسکی تعریف کروں کیونکہ اس کے سامنے بدرِ منیر بھی شرمندہ ہے۔

شاہِ مصر (فرعون): اے سپاہی! جلدی کرو اس حسینہ اور جمیلہ رشکِ ماہتاب (سائرہ خاتون) کو میرے دربار میں پیش کرو تا کہ میں اس کے حسن و جمال کو دیکھوں اور اس سے ہمکنار ہو کر (مَعَاذَاللّٰہ) اپنی

آتشِ عشق کو ٹھنڈا کروں۔

یہ سن کر سپاہی تھانیدار کے پاس گیا۔ تھانیدار فوراً سپاہیوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔

تھانیدار: اے مسافر! آپ کا کیا نام ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟ مصر میں کیا کام ہے؟ یہ حسینہ خاتون کون ہے؟ ان کا کیا نام ہے؟ جلدی جواب دو۔

ابراہیم (خلیل اللہ علیہ السلام): میرا نام ابرہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہے۔ میں شہرِ بابل سے آیا ہوں۔ میرا مصر میں کوئی کام نہیں۔ میں آگے جا رہا ہوں۔ میرے ہمراہ میری دینی بہن ہے۔ اس کا نام حضرت سارہ ہے۔

تھانیدار: اے ابراہیم علیہ السلام! ہمارے بادشاہ کا نام شاہِ مصر (فرعون) ہے۔ آپ سارہ کو ان کی خدمت میں خوشی سے بھیج دیں ورنہ ہم زبردستی لے جائیں گے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اُسے لاؤ۔

ابراہیم: اے سارہ! گھبرانے کی ضرورت نہیں انبیاء کرام کے امتحانات ہوتے رہتے ہیں۔ حضرات انبیاءِ کرام کی ازواجِ مطہرات کی عصمت کا وہ خود محافظ ہے۔ آپ نہ گھبرائیں۔ ہر کام میں خدا کی حکمت ہوا کرتی ہے۔

شاہِ مصر (فرعون): اے تھانیدار! بہت ہی اچھا کام کیا۔ تم نے اس رشکِ ماہتاب

کو لاکر میرے دربار میں حاضر کر دیا ورنہ میں تو اس پیکرِ حسن و جمال، رشکِ حورو پری کی جدائی میں بے قرار تھا۔ اچھا کیا اسے میرے پاس پہنچا دیا۔

سائرہ: اے شاہِ مصر (فرعون)! میں ناموسِ رسول ہوں۔ بدنگاہی کرنا اور ہمیں جھانک جھانک کر دیکھنا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا اور آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دیکھ تیری اس بدنگاہی سے خدا کے عرش و کرسی لرز رہے ہیں۔ تمام زمین و آسمان کانپ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تیری اس بدنیتی سے تمام مصر غرق ہو جائے۔

شاہِ مصر (فرعون): اے سائرہ! میں تیرے حسن و جمال کا بے حد فدائی ہوں۔ تیرے جمال پر تمام مصر کے مال و زر کو قربان کر دوں گا۔ اگر تو نے بخوشی مجھے ہمکنار کیا۔ نامعلوم میں تجھے کن کن انعامات و اکرامات سے نواز دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ ناپاک ارادہ سے بڑھایا۔ خدا کی غیرت و قدرت سے وہ شل ہو گیا اور وہ کانپنے اور رونے لگا۔

سائرہ: اے شاہِ مصر (فرعون)! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں ناموسِ رسول علیہ السلام ہوں۔ ہمارا اللہ نگہبان ہے۔ ہمیں دنیا میں کوئی بُری آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اب تو یقین آ گیا۔

شاہِ مصر (فرعون): اے سائرہ! تجھے تیرے خدا اور رسول کا واسطہ۔ خدارا مجھے

معاف فرمادو۔ میں اپنے اس گناہِ عظیم کی آپ سے معافی مانگتا

ہوں۔ آپ دعا فرمائیں تاکہ میرا یہ ہاتھ درست ہو جائے۔ ورنہ

میں اس مرض میں ذلیل ہو کر مر جاؤں گا۔

سائرہ: اے شاہِ مصر (فرعون)! تمہارا مجھے جھانک جھانک کر نگاہِ بد سے دیکھنا

ایک گناہِ عظیم ہے، جو قابلِ معافی نہیں۔ خدا کا شکر کرو کہ اس نے

صرف تمہارے ہاتھ کو ہی خشک کیا ورنہ اس گناہ سے تمہارا تمام

ملک ہلاک اور تباہ ہو جاتا۔

اچھا میں تمہارے حق میں دعا کرتی ہوں۔ میرا مولا تمہیں معاف کر دے۔

حضرت سائرہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ ہاتھ فوراً صحیح ہو گیا۔

شاہِ مصر (فرعون): اے سائرہ! تم تو کوئی جادوگرنی معلوم ہوتی ہو کہ ایک نظر سے

میرا ہاتھ شل فرما دیا۔ پھر اپنے خدا سے عرض کر کے درست بھی فرما

دیا۔ بس تمہارا جو جادو مجھ پر چلنا تھا وہ ایک بار چل گیا۔

یہ کہہ کر شاہِ مصر (فرعون) نے پھر اپنا ناپاک ہاتھ ناموسِ

رسول علیہ السلام کی طرف بڑھایا۔ غیرتِ الٰہی سے وہ پھر خشک ہو گیا۔

پھر رونے اور کانپنے لگا۔ بہر حال تین بار اس نے ناپاک ارادہ اسی

طرح کیا اور ناکام رہا۔

سائرہ: اے شاہِ مصر (فرعون)! یہ تیرا جرم اب قابلِ معافی نہیں۔ اب

میں ہرگز ہرگز معاف نہیں کروں گی۔

شاہِ مصر (فرعون): اے میری عزیزہ بہن! اب مجھے معاف کر دیا جائے۔ میں سچے دل سے تائب ہو گیا ہوں۔ میں اپنی دختر نیک اختر ہاجرہ کو تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ قبول فرمائیں۔

ابراہیم علیہ السلام: اے سائرہ! یہ پاک دامن خاتون کون ہے اور یہ مال و زر کیسا؟ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم حق اور سچ بیان کر دو میں مثلِ آئینہ تمہارے تمام حالات دیکھ اور گفتگو سن رہا تھا۔

؎ فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو (حدائقِ بخشش)

سائرہ: یا نبی اللہ! یہ تو مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی دور بین نگاہوں سے تمام عالم کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ شاہِ مصر (فرعون) نے میری طرف تین بار اپنا ناپاک ہاتھ بڑھایا اور تین بار ہی خدا کی غیرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت سے وہ ہاتھ شل ہوتا رہا۔ مگر میری دعا اور آپ کی نگاہِ کرم سے وہ ہاتھ درست ہوتا رہا۔ آخر وہ خدا اور آپ پر ایمان لے آیا اور میری خدمت میں یہ اپنی نورِ نظر، لختِ جگر ہاجرہ خاتون پیش کی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور امام حسین رضی اللہ عنہ

پھر آپ ملکِ شام میں آباد ہو گئے۔ پھر ربُّ العزت نے حضرت ہاجرہ خاتون کے مقدس بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس پر حضرت سارہ نے رشک فرماتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ عرض کیا کہ یا نبی اللہ علیہ السلام آپ ان دونوں ماں بیٹے کو کسی جگہ چھوڑ آئیں۔ آپ میرے پاس تنہا رہا کریں۔ ہاں جب دل چاہے بیوی اور بچہ سے مل آیا کریں۔

ربُّ العزت: اے ابراہیم علیہ السلام! ہمارا ہر کام حکمت پر مبنی ہوا کرتا ہے، جو کچھ سارہ نے تمہیں عرض کیا۔ یہی میری رضا ہے۔ آپ ماں بیٹے کو فلاں جنگل میں جا کر ہمارے سپرد فرما دیں۔ آپ یہ حکم سن کر بیوی اور بچہ کو لے کر چلے اور صفا و مروہ کے پاس جا کر بٹھا دیا۔ وہاں چھوڑ کر واپس آنے لگے تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا۔

ہاجرہ: یا نبی اللہ! یہ تو ایک میدانی علاقہ ہے۔ یہاں پر کوئی آبادی ہے نہ کوئی باغ اور نہ ہی کوئی چشمہ۔ یہ ایک ہولناک جنگل ہے۔ آپ یہاں ہمیں کس کے پاس چھوڑ کر چلے ہیں؟

ابراہیم (علیہ السلام): اے ہاجرہ! ہر کام میں خدا کی حکمت ہوا کرتی ہے۔ حکمِ مَولیٰ از ہمہ اَولیٰ (اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں بہتر ہے) میں آپ کو اور اسماعیل علیہما السلام کو خدا کے حکم سے اس جنگل میں آباد کرتا ہوں۔

ہاجرہ: یا نبی اللہ! یہی تو میرا مطلب تھا کہ اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ ہم جنگل میں رہیں تو بس پھر ہمیں کیا خوف ہے؟ وہ ہمارا ہر طرح سے حامی و ناصر اور مددگار ہوگا۔

☆ یہ ماں بیٹا اس ہولناک جنگل میں رہنے لگے۔ آخر تھوڑا سا مشکیزے میں پانی تھا جو ختم ہوگیا۔

☆ حضرت ہاجرہ نے تلاشِ پانی میں صفا و مروہ پہاڑیوں کے چاروں طرف چکر لگانے شروع کردیئے۔ شاید کہیں سے پانی مل جائے۔ جب ساتواں چکر لگا کر آئیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں میں ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا زم زم یعنی یہاں ہی ٹھہر جا۔ بس وہ وہاں ہی رُک گیا۔

☆ یہ چشمہ مکہ معظّمہ میں اب بھی "آبِ زمزم" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا حاجی لوگ بطورِ تبرک پانی لاکر مسلمانوں کو پلاتے ہیں۔ یہی وہ چشمہ ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے جاری ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ اگر انبیاء و اولیاء اعجازاً اور کرامتاً زمین پر قدم ماردیں تو

چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے چشمے جاری ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی برکت سے بارہ دریا جاری ہو گئے۔ جن سے چھ لاکھ اسرائیلی سیراب ہوتے رہے، اور ھادیِ سُبل مولائے کل کی انگلیوں سے چشمے جاری ہو گئے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اگر حضور سلطانِ کونین مالکِ دارین، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کراماتاً اپنا قدم مبارک میدانِ کربلا میں مارتے تو ہزاروں چشمے جاری ہو جاتے مگر آپ کے صابر و شاکر ہونے میں کمی واقع ہوتی۔ وہاں آپ نے اس کرامت کو ظاہر نہ فرمایا۔ کیونکہ

؎ سجدے میں پی کے جامِ موت قوم کو زندہ کر گیا
گر کے خدا کے سامنے ہم کو اُٹھا گیا حسین (مصحفِ ہمدم)

جرہم: اے عزیز! وہ سامنے جو دو پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ وہاں پرندے اڑتے نظر آتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہاں کوئی چشمہ نکل آیا ہے۔ آپ جا کر معلوم کریں کہ یہ چشمہ کیا ہے؟

قاصد: اے سوداگر! واقعی آپ کا خیال صحیح نکلا۔ وہاں تو ایک نہایت شیریں چشمہ بہہ رہا ہے۔ اس چشمہ پر ایک خاتون ہونہار تھے منّے چاند جیسے بچہ کو لئے ہوئے بیٹھی ہے وہی اس کی مالکہ ہے۔

سوداگر: اے عفت مآب خاتون! ہم جرہم قوم سے ہیں۔ اگر آپ

اجازت دیں تو ہم اس جگہ آباد ہو جائیں۔ آپ اس چشمہ اور علاقہ کی مالکہ ہیں۔ ہم تمہاری رعیت بن کر رہیں گے۔ ہمارا کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔

ہاجرہ: اے سوداگر! جاؤ اپنے تمام قافلہ کو لے آؤ۔ میں خود یہاں تنہا رہتی ہوں۔ اچھا ہے کوئی یہاں بستی آباد ہو جائے۔ وہ لوگ یہاں پر رہنے لگے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔

ایک رات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکمِ الٰہی ہوا۔

ربُّ العزت: اے ابراہیم! اُٹھو اور ہماری راہ میں قربانی دو۔ آپ اُٹھے اور صبح بیدار ہوتے ہی سو اونٹ قربان فرما دیئے۔

دوسری رات پھر حکمِ الٰہی ہوا کہ ہماری راہ میں قربانی دو پھر دوسرے دن آپ نے سو اونٹ قربان فرما دیئے۔

تیسری رات پھر حکمِ پروردگار ہوا کہ اے ابراہیم! ہماری راہ میں اسماعیل کو قربان کر دو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام): اے ہاجرہ! آج ایک بہت بڑے دوست کے ہاں میری اور اسماعیل (علیہما السلام) کی دعوت ہے۔ انہیں غسل کرا دو اور ایک عمدہ سا خوشنما لباس پہنا دو اور زلفوں کو خوب خوشبو لگا دو۔ کپڑوں اور بدن کو خوب معطر کر دو۔ اچھا سا دولہا بنا دو کہ میرا محبوب اسے دیکھ کر پسند فرمائے۔ ایک تیز سی چھری بھی دے دینا

اور ایک رسی بھی چاہیے جلدی کرو!

ہاجرہ: یا نبی اللہ (علیہ السلام)! دیکھو اور خوب پسند فرماؤ میں نے آج کتنا دل لگا کر اسماعیل کو نہلایا ہے۔ چہرہ تو پہلے ہی رشکِ ماہتاب ہے۔ مگر غسل سے اور بھی زیادہ رشکِ آفتاب نظر آتا ہے۔

یا نبی اللہ (علیہ السلام)! یہ دیکھو کتنا قیمتی اور حسین لباس پہنا دیا ہے۔ آپ کے جسم پر کتنا خوش نما معلوم ہوتا ہے۔

یا نبی اللہ (علیہ السلام)! ہمیشہ ہی ان کے جسم سے خوشبو آتی رہتی ہے مگر آج تو میں نے تمام خوشبو اور عطر سے ان کو معطّر کر دیا۔ جس جنگل سے گزر ہوگا وہ جنگل بھی مہک جائے گا۔ لو یہ چھری اور رسی۔ اللہ حافظ۔

حضرت ابراہیم: اے بیٹا اسماعیل! تمہیں معلوم ہے کہ آج ہمارے ایک بہت بڑے محبوب کے گھر ہماری دعوت ہے۔ وہاں جانا ہے جلدی تیار ہو جاؤ۔ اپنی والدہ سے اجازت لے لو اور خوب مل لو۔

حضرت اسماعیل (علیہ السلام): ابا جان! مجھے اماں جان نے صبح سے ہی تیار کر دیا تھا۔ میں نے غسل بھی کر لیا۔ یہ دیکھو نیا لباس بھی تبدیل کر لیا اور خوشبو بھی زلفوں اور کپڑوں میں لگالی۔ یہ دیکھو کتنی تیز چھری اور رسی اماں جان نے مجھے عطا فرمادی۔ جلدی چلنا چاہیے۔

شیطان: اے ہاجرہ! آج خیر تو ہے صبح سے ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیار

کیا جا رہا ہے۔ آج انہیں دولہا سا بنا کر کہاں بھیجنا ہے؟ اور یہ چھری اور رسی وہ کیا کریں گے؟

ہاجرہ: آج حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی کسی بہت بڑے دوست نے دعوت کی ہے وہاں تشریف لے جا رہے ہیں آتے ہوئے لکڑیاں بھی کاٹ لائیں گے۔

شیطان: اے ہاجرہ! آج تیرے اسماعیل علیہ السلام کی خیر نہیں۔ آج حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کیلئے لے جا رہے ہیں۔ ابھی بھی وقت ہے واویلا کر کے واپس بلا لیں۔

ہاجرہ: اے بڈھے! تو بیوقوف تو نہیں۔ جا کسی کامل طبیب سے اپنے دماغ کا علاج کروا بھلا کبھی کوئی باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی ذبح کر سکتا ہے۔ پھر یہ تو خدا کے خلیل اور نبی و رسول ہیں۔ اتنا ظلم عظیم تو کوئی عام آدمی بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

شیطان: اے ہاجرہ! خیر اب تو میں بڈھا بیوقوف اور مالیخولیا کا مریض ہی نظر آتا ہوں۔ جب تیرا لختِ جگر ذبح ہو جائے گا تو اسوقت میرا کہنا تمہیں خون کے آنسو رلائے گا۔ تمام عمر بڈھے کو یاد کر کے روئے گی۔

آج رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ہوا ہے کہ میری راہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دو۔ اس حکم کے ماتحت قربان کرنے چلے ہیں۔

ہاجرہ: اے شیطان مردود! دور ہو جا اگر یہ خدا کا حکم ہے تو حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ ایک اسماعیل تو کیا اگر ہزار اسماعیل بھی ہوں تو اس کے حکم پر قربان کر دوں۔ یہ سن کر مایوس ہو کر پھر شیطان لباسِ بشری میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جا کر ملا۔

شیطان: اے اسماعیل علیہ السلام! تجھے معلوم ہے کہ آج تمہیں تمہارے ابا جان کہاں لے جا رہے ہیں؟ رات انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ میری راہ میں اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دو۔ آج تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ سوتے ہوئے آدمی کو کئی قسم کے سچے جھوٹے خواب آیا ہی کرتے ہیں۔ کیا کوئی دنیا میں ایسا باپ بھی ہے جو خواب دیکھ کر بیٹے کو ذبح کرنے لگے؟

اسماعیل: اے شیطان مردود! کبھی انبیاء و مرسلین کو بھی جھوٹے خواب آیا کرتے ہیں۔ ان کے خواب برحق ہوتے ہیں اور وحیِ خدا بھی۔ اگر خدا کا یہی حکم ہے کہ اسماعیل اس کی راہ میں قربان ہو تو زہے قسمت

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ (میری اس قربانی کو) اپنی بارگاہ میں قبول فرما لے تو یہ میرے لئے عزت اور شرافت کا باعث ہوگا۔

شیطان: یا خَلِیلَ اللّٰہ! سرکار تمہیں جو رات خواب آیا کہ تم صبح دس ذوالحج کو

اسماعیل کی قربانی دو۔ سرکار یہ خواب سچا نہیں بلکہ جھوٹا ہے۔

کیا کبھی آج تک کسی باپ نے بیٹے کو قربان کیا؟

کیا خدا نے آج تک کسی نبی کو حکم دیا کہ بیٹا ذبح کرو؟ آپ اسماعیل کو واپس لے جائیں۔ یہ خواب سچا نہیں ہے۔

ابراہیم: اے شیطان مردود! تو مجھ سے دور ہو جا کبھی انبیاء و مرسلین کو بھی جھوٹے خواب آیا کرتے ہیں بلکہ نبی کا خواب وحیِ الٰہی ہوتا ہے۔

؎ میانِ عاشق و معشوق رَمز یست
کراما کا تبین را ہم خبر نیست

ترجمہ: شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''محبّ اور محبوب (عاشق و معشوق) کے درمیان ایک ایسا راز ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین (فرشتوں) کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی''۔

ہم خدا کے رموز و اسرار کو خوب سمجھتے ہیں ہماری راہ میں تو روڑے مت اٹکا۔ یہ کہہ کر اسے کنکریاں ماریں۔ اب یہ سنت قیامت تک جاری وساری رہے گی۔ اب وہ ہر طرح مایوس ہو کر گوز مارتا ہوا بھاگا۔

”ذِبحٌ عَظِیمٌ“ عظیم قربانی

ابراہیم: اے بیٹا! مجھے ربُّ العزت نے حکم فرمایا ہے کہ ہماری راہ میں ہماری رضا کیلئے اسماعیل کو قربان کردو۔

میں تمہیں یہاں مقامِ منیٰ پر قربان کرنے کیلئے لایا ہوں۔

میری دعوت سے مراد دعوتِ قربان ہے اور دوست سے مراد حقیقی دوست رحمان ہے۔ اب تو اپنی رضا (رائے) بتا کہ کیا تو رضائے الٰہی کیلئے قربان ہونے کو تیار ہے؟

اسماعیل: یا نبی اللہ! زہے قسمت کہ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِین، اَحۡکَمُ الحاکمین نے قربانی کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ یہ تو میری ایک جان ہے اگر لاکھوں کروڑوں جانیں ہوں تو وہ بھی اس کی رضا وقضا پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی؟ (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کو جو حکمِ حق ہوا ہے۔ آپ جلدی سے پورا کریں آپ اِن شاءَ اللہ

مجھے صابروں میں پائیں گے۔

ے نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ: کسی دشمن کا نصیب نہیں کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جائے۔
دوستوں کا سر سلامت ہے تو خنجر آزماتا جا۔

ابراہیم علیہ السلام: اے بیٹا! تیری اماں جان تیرا انتظار کرتی ہوں گی اگر اس نے
پوچھا کہ میرا اسماعیل کہاں گیا تو میں اسے کیا جواب دوں گا؟ تو
ماں باپ کیلئے ایک ہی تو نورِ نظر لختِ جگر ہے۔ آج اسے بھی میں
رضائے الٰہی کیلئے ذبح کر رہا ہوں۔

اسماعیل علیہ السلام: ابا جان! ہاں واقعی اماں جان تو ضرور پوچھیں گی اور سن کر بہت
مغموم بھی ہوں گی مگر جب وہ یہ سنیں گی کہ اسماعیل رضائے حق
کیلئے ذبح کیا گیا ہے تو ان کی مسرّت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ دنیا
میں شاید ہی کوئی ماں ایسی ہو جو خدا کی اس قدر عاشقہ صادقہ ہو۔

ابا جان: جب آپ اس فریضہء حق کو ادا فرما کر گھر جائیں اور آپ سے
میری اماں جان پوچھیں کہ میرا اسماعیل کہاں گیا؟ تو آپ یہ کہنا
کہ میں انہیں ایسے مہربان (دوست) کے پاس چھوڑ آیا ہوں جو
تجھ سے اور مجھ سے زیادہ محبت اور رحمت فرمانے والا ہے۔

میرا آخری سلام عرض کر دینا اور میرا خون آلودہ یہ قمیض حاضر کر
دینا اور انہیں اپنی اور میری طرف سے صبر کی تلقین فرمانا۔ ابا جان!
اب مزید باتوں کا وقت نہیں آپ امرِ حق میں تاخیر نہ فرمائیں۔

ابراہیم (علیہ السلام): اے بیٹا! ذبح کرنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے بس ابھی تجھے فرشِ
زمیں پر لٹا کر اور سینہ پر گھٹنہ رکھ کر بکرے کی طرح ذبح کر ڈالوں گا
اور دربارِ حق میں تیری قربانی کے شرفِ قبولیت کی دعا مانگوں گا کہ
یہ جس دربار کا بندہ تھا اس دربار میں آ گیا ہے۔ اور عرض کروں گا
اے مولا کریم۔

؎ جو دل مانگو تو دل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ اُلفت ہیں تیرے بازار میں آئے (جامِ عرفان)

اسماعیل: ابا جان! آپ اپنی اور میری آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دیں۔ ایسا نہ
ہو کہ کہیں میری چاندی صورت دیکھ کر آپ کو رحم آ جائے۔
آپ اسی رسّی سے جو اماں جان نے اپنے ہاتھوں سے مجھے عطا کر
کے فرمایا تھا کہ یہ بہت مضبوط رسی ہے۔ لکڑیوں کیلئے اسے لے
جاؤ۔ آپ مضبوطی سے میرے ہاتھ پیر جکڑ دیں تا کہ میں راہِ حق
میں کوئی حرکت نہ کر سکوں اور میرے خون کے چھینٹے آپ کے
مقدس دامن کو آلودہ نہ کر سکیں۔

ابراہیم: اے بیٹا! دیکھو رسی سے تمہیں خوب جکڑ دیا ہے اب تم وقتِ ذبح حرکت تک نہ کر سکو گے۔

دیکھو میں نے اپنی اور تمہاری آنکھوں پر بھی بڑے زور سے پٹی باندھ دی ہے تاکہ میں تمہیں نہ دیکھ سکوں اور تم مجھے نہ دیکھ سکو۔

دیکھو بیٹا اسماعیل پٹی ٹھیک ہے۔ اب میں خدا کے حکم سے تمہیں ذبح کرنے لگا ہوں کیا تم تیار ہو؟

حضرت اسماعیل: ابا جان! ہاں مجھے یاد آ گیا کہ آپ میرے ہاتھ پیر اور آنکھوں کی پٹی بھی کھول دیں۔ آپ اپنی پٹی بھی کھول دیں۔ اگر میں اسی حالت میں ذبح ہوا تو کہیں آئندہ نسلیں مجھ پر اعتراض نہ کریں کہ اسماعیل کا ارادہ ذبح ہونے کا نہیں تھا۔ اگر ارادہ ہوتا تو باپ کو ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔

ابا جان جب آپ بکرے چھترے ذبح فرماتے ہیں کیا ان کو رسیوں سے جکڑا جاتا ہے؟ کیا میں بکروں چھتروں جتنا بھی جذبۂ ایثار نہیں رکھتا؟ وقتِ ذبح میں آپ کی زیارت کروں آپ مجھے دیکھیں کہ اسماعیل کس مسرت سے ذبح ہو رہا ہے؟

ابراہیم: اے اسماعیل! واقعی بیٹا یہ بات ہے تو اصولِ عشق کے خلاف خدا کے عشاق کو ہاتھ پیر باندھنے سے کیا سروکار؟ انہیں آنکھوں پر پٹی باندھنے کی کیا ضرورت؟ وہ تو خود وجد کرتے ہوئے سرِ خنجر کے

نیچے رکھا کرتے ہیں اور رقص کرتے ہوئے سولی پر چڑھ جایا کرتے ہیں۔ ان کیلئے شہادت ہی تو حیاتِ ابدی ہوا کرتی ہے۔

لو بیٹا! ہاتھ پیر کھول دیئے اور آنکھوں کی پٹی بھی کھول دی۔ لو اب میں تمہیں ذبح کرنے لگا ہوں۔

بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکبَرُ بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکبَرُ

بیٹا کیا بات ہے؟ یہ چھری کام کیوں نہیں کرتی ؟ آج اس نامراد (چھری) کو کیا ہو گیا؟ جو ایک بال تک بھی نہیں کاٹتی آپ نے غضب میں آ کر چھری کو پتھر پر دے مارا پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

چھری: یا خلیل اللہ علیک السّلام! آپ مجھ پر کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ قربانی کا حکم فرمانے والا رب جلیل، حکم کی تعمیل کرنے والے حضرت خلیل، میرا کیا قصور ہے؟ جو آپ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام: اے چھری! میں تجھ پر ناراض نہ ہوں تو اور کیا کروں۔ چھری کا کام ہے کاٹنا تو اپنا کام کیوں نہیں کرتی ؟ کیا تو مجھے اور میرے اسماعیل علیہ السلام کو خدا اور اس کی مخلوق سے شرمندہ کروانا چاہتی ہے؟ سچ سچ بتا تو کیوں نہیں کاٹتی ؟

چھری: یا خلیل اللہ علیک السّلام! آپ فرماتے ہیں کہ چھری کا کام ہے کاٹنا۔ تو تُو کیوں نہیں کاٹتی ؟ اچھا آپ ہی فرمائیں آگ کا کام

ہے جلانا۔ آتشِ نمرود نے آپ کو کیوں نہیں جلایا تھا؟

ابراہیم: بھئی! وہاں تو خود ربُّ العزت ﷻ نے حکم فرمایا تھا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ (الانبیاء.69)

ترجمہ: ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی (والی) ابراہیم پر۔

(کنزالایمان)

چھری: یاخلیل اللہ علیکَ السّلام! خدا نے تو آگ کو ایک ہی بار حکم دیا تھا کہ اے آگ! میرے خلیل کو مت جلانا۔ مجھے تو ستّر بار حکم ہوا ہے کہ خبردار! اگر میرے اسماعیل کا ایک بال بھی کاٹا تو تجھے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نذرِ آتش کر دیا جائے گا۔ اب میری کیا مجال ہے کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر سکوں؟

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ (الصّٰفّٰت: 107)

ترجمہ: ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا۔ (کنزالایمان)

ربُّ العزت: یاخلیلَ اللہ! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

حضرت اسماعیل کی شادی

حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ کی شادی کر دی گئی۔

حضرت ابراہیم: اے بیٹی! تو کون ہے اور تیرے گھر والے کا کیا نام ہے اور وہ خود کہاں گیا ہے؟ میں اسے ملنے کیلئے آیا ہوں۔

بی بی: یا شیخ! میرے شوہر کا نام حضرت اسماعیل ولد حضرت ابراہیم علیہما السلام ہے۔ میں اس کی زوجہ (بیوی) ہوں میں قبیلہ جرہم سے ہوں۔ یہ مکان حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہی ہے۔ (ترش رو ہو کر) وہ شکاری آدمی ہے کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہمیشہ جنگل کی سیر و سیاحت ہی میں رہتا ہے اور گھر بار کا کوئی خیال نہیں کرتا۔

حضرت ابراہیم: اے خاتون! میری طرف سے اسماعیل علیہ السلام کو السلام علیکم کہنا اور کہنا کہ ملکِ شام سے ایک بزرگ آئے تھے آپ سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نہ مل سکے اور وہ چلے گئے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ گئے ہیں کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ خراب ہے۔ اسے بدل دو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام: اے بیوی! آج اس وادی سے بڑی بھینی بھینی خوشبو آ رہی ہے آج تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محبوبِ حق یہاں پر عطر بیزی اور نور ریزی فرما گیا ہے۔ تم نے ان کی کوئی خاطر تواضع بھی

کی یا محروم رہی ہو؟

بی بی: اے اسماعیل علیہ السلام ! آج ایک بوڑھا آیا تو تھا وہ تمہیں ملنا چاہتا تھا اور جاتے جاتے سلام کے ساتھ یہ بھی کہہ گیا ہے کہ انہیں کہنا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ خراب ہے اسے تبدیل کر دینا۔

حضرت اسماعیل: اے بیوی! تو کیسی محرومُ القِسمَت ہے کہ میرے والد ماجد شیخ الانبیاء جَدُّ الاَنبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے فیوضات و برکات سے محروم رہی ان کی کوئی خدمت نہ کر سکی۔ جا میری طرف سے تجھے طلاق ہے۔ تو ہی تو وہ خراب چوکھٹ ہے جس کی تبدیلی کا وہ حکم فرما گئے ہیں۔

پھر آپ نے دوسری شادی کی۔ وہ بیوی بہت نیک تھی اور ایک روز پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ اس عفت و عصمت کی پیکر خاتون نے آپ کی بہت خدمت کی۔ آپ نے فرمایا ہاں اب دروازے کی چوکھٹ ٹھیک ہے۔

پھر آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کعبہ کو تعمیر فرمایا اور حج کا اعلان فرمایا۔ جن جن روحوں نے بطنِ مادر یا عالمِ ارواح میں سن کر لبیک کہا۔ انہیں حج نصیب ہوا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والے جہاں چاہیں اپنی آواز پہنچا دیں۔ وہ ظاہری ٹیلیفون' موبائل' وائرلیس' انٹرنیٹ' فیکس' ریڈیو' ٹیلی ویژن کے محتاج نہیں۔ ہم اس

واقعہ کو اپنی کتاب انوار المصابیح میں عرض کر آئے ہیں۔ وہاں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

؎ عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصلِ عشق از آب و خاک و باد نیست
عاشقی آموز محبوبِ طلب
چشمِ نوح قلبِ ایوبِ طلب

ترجمہ: عشق کو تلوار اور خنجر کا ڈر نہیں ہوتا کیونکہ عشق کی بنیاد پانی، مٹی اور ہوا سے نہیں ہوتی۔ عاشقی سیکھ اور محبوب کی طلب پیدا کر حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھ اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح دل پیدا کر۔

مدینہ میںنوں یاد آوندا

☆ آہ نانا جان! تیرے مدینے کی یاد آ رہی ہے۔

☆ آہ نانا جان! تیرے بطحا کی یاد ستا رہی ہے۔

☆ آہ نانا جان! تیرے طیبہ کی یاد خون کے آنسو رلا رہی ہے۔

☆ آہ نانا جان! کیا اچھا وقت تھا؟ جب میں آپ کی آغوشِ رحمت میں ہوتا تھا۔ آپ مجھے بطحا کی گلیوں میں لے کر سیر کراتے تھے۔

☆ آہ نانا جان! کیا اچھا وقت تھا؟ جب میں اور بھائی جان سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بطحا کے

باغوں میں سیر کو نکل جاتے اور جا کر باغِ بطحا میں سو جاتے۔ جبریل علیہ السلام آکر ہمارے اُوپر پروں کا سایہ کرتے۔ آپ ہمیں باغوں میں تلاش کرتے اور آغوشِ رحمت میں اُٹھا کر حضرت سیّدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لاتے اور فرماتے اے سیّدہ ! میں تمہارے شہزادوں کو تلاش کر کے لایا ہوں۔ لو اب انہیں سینے سے لگاؤ اور اپنے تمام غم غلط کر لو۔

☆ آہ نانا جان! کیا مبارک وقت تھا؟ جب آپ نماز پڑھتے اور آپ کا حسین آپ کی پشت پر سوار ہو جاتا۔ آپ میری مسرت وخوشی کیلئے سجدۂ خداوندی کو طویل فرمادیتے تھے تاکہ حسین نیچے گر نہ جائے اور چوٹ نہ لگے۔

☆ آہ نانا جان! کیا اچھا وقت تھا؟ جب آپ مجھے سینے سے لگا کر قربان شوم قربان شوم کی لوریاں دے کر سلاتے تھے۔

☆ آہ نانا جان! جب اماں جان کی رحمتیں یاد آتی ہیں تو گھنٹوں روتا رہتا ہوں۔

☆ آہ نانا جان! جب ابا جان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو بے خود ہو جاتا ہوں۔

☆ آہ نانا جان! جس رات آپ کا مدینہ چھوٹا آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ شب میرے لئے قیامت سے کم نہ تھی۔ اہلِ مدینہ کیلئے حشر برپا کرتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں سے پوچھتے تھے کہ اماں جان! کیا آج وہی قیامت کی گھڑی تو نہیں جس کی خبر رحمۃ للعلمین دیا کرتے تھے؟

اماں جان آج یہ تمام مردوزن کیوں زاروقطار رو رہے ہیں؟

☆ آج یہ لوگ بے ہوش ہو کر کیوں فرشِ زمیں پر گر رہے ہیں؟ انہیں کیا ہو گیا؟

یہ سن کر معصوم بچوں کی مائیں جواب دیتیں۔ اے بچو اور بچیو! آج حضور ﷺ کے نورِ نظر، لختِ جگر شہزادہ کونین مالک دارین سے مدینۃ الرسول چھوٹ رہا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام واہلِ بیتِ عظام میں کہرام مچ رہا ہے۔

☆ آہ نانا جان! تمہیں معلوم ہے کہ میں سیّدہ صغریٰ کو کس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں اسے شدت سے بخار آ رہا اور دورے پر دورے پڑ رہے تھے۔

☆ وہ کیا کہتی ہو گی کہ بابا جان کو چلتے ہوئے بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

☆ وہ کیا کہتی ہو گی کہ مجھے آخری زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔

☆ آہ نانا جان! دل تو چاہتا ہے کہ ایک بار پھر آ کر حضور ﷺ کے روضہ انور سے لپٹ کر رو دوں اور اپنا حالِ زار سناؤں۔

☆ آہ نانا جان! دل چاہتا ہے کہ ایک بار اماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر حاضری دوں اور عرض کروں کہ اے اماں جان! آج تیرا حسین رضی اللہ عنہ وعدہ الٰہی کی تکمیل کیلئے کربلا جا رہا ہے تا کہ حضور ﷺ کی اُمت کی بگڑی بن جائے۔

☆ آہ نانا جان! دل چاہتا ہے کہ ایک بار پھر نانی اماں اُمِ سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی زیارت کر لوں اور ان سے تکمیلِ امتحان کی دعا کراؤں۔

☆ آہ نانا جان! دل چاہتا ہے کہ بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ کے روضہ پر حاضر ہو کر ان سے اپنے حالات عرض کروں۔

☆ آہ ناناجان! آنے سے مجبور ہوں۔

☆ آہ ناناجان! آپ کے مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ آیا تھا۔ یہ وہ کعبہ معظمہ ہے جس کے پردے پکڑ کر میں راتوں کو دعائیں کیا کرتا تھا۔ جس کی زیارت کیلئے پیدل سفر کیا کرتا تھا۔

☆ آہ ناناجان! یہ وہ مکہ مکرمہ ہے جہاں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین نے آ کر سلام پڑھا۔ اور مبارکبادیں پیش کیں۔

☆ یہ وہ مکہ معظمہ ہے جہاں آ کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو مبارک بادیاں پیش کیں۔ اور ہدیہ تبریک پیش کیا گیا۔

☆ جہاں جبرائیل علیہ السلام آ کر اپنے پر بچھایا کرتے اور دیگر ملائکہ سلام پڑھا کرتے تھے۔

☆ آہ ناناجان! آپ کا مولد شریف بھی چھوٹ رہا ہے۔ آج یہاں بھی حسینی میلہ لگا ہوا ہے۔

☆ آہ ناناجان! سبھی روکتے ہیں کہ تم کربلا مت جاؤ۔ کوفہ کا خیال ترک کر دو۔ یہ دیکھو تمام اہلِ مکہ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

☆ آہ ناناجان! کیا کروں؟ کعبہ معظمہ کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں۔

☆ یزید ملعون نے میرے قتل کیلئے تیس آدمی بھیجے ہیں کہ شہزادہ کونین کو جس

حال میں بھی ہوں شہید کر دو۔

☆ تیرے کعبہ کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں۔ اس لئے حجِ بیت اللہ چھوڑ کر کوفہ جارہا ہوں۔

☆ اے کعبہ والے! تیرے کعبہ سے الوداع ہوتا ہوں۔ اے مدینہ والے! اَلوداع اَلوداع اَلوداع۔ اَلسَّلام اَلسَّلام اَلسَّلام۔

اہلِ مکہ کو اَلوداع کہتے ہوئے عالم تصور میں یوں فرمایا ہوگا۔

؎ لے او یار حوالے رب دے تے میلے چار دناں دے
اُس دن عید مبارک ہوسی جس دن فیر ملاں گے

؎ دل و جانِ خلیل اللہ کی کعبہ سے رخصت ہے
شہیدِ فی سبیل اللہ کی کعبہ سے رخصت ہے

اداسی چھا گئی کالی گھٹائیں غم کی منڈلائیں
فضائے دہر پر رنج والم کی بدلیاں چھائیں

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما: یا امام المسلمین! سنا ہے کہ حضور نے کوفہ جانے کا عزم بالجزم فرمالیا ہے۔ حضور آپ یہ ارادہ ترک کیوں نہیں فرما دیتے؟ وہ لوگ بڑے عیار اور مکار ہیں۔ ان کے عہد و پیاں کا کوئی اعتبار نہیں۔ انہوں نے خاندانِ رسالت کے ساتھ جو سلوک کیا وہ حضور پر بالکل ظاہر ہے۔ ابد تاریخ اسلام کبھی نہیں بھولے گی۔

امام حسین: اے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما! آپ نے جو فرمایا وہ بالکل صحیح ہے۔ یہ دیکھو مسلم بن عقیل کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ والے دھڑا دھڑ حضور کی بیعت کر رہے ہیں۔ اس لیۓ میں کوفہ جا رہا ہوں۔ میرے پاس ان کے ایک ہزار سے زائد خطوط آ چکے ہیں۔ یہ دیکھو یہ تمام انہیں کے خطوط ہیں۔

عبداللہ ابن عباس: حضور! یہ لوگ بڑے دَمساز اور دغا باز ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ دوست بن کر دشمنی کرتے ہیں۔ سرکار مجھے تو ان پر قطعاً یقین نہیں۔ آگے آپ مالک ہیں۔

ع سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما: حضور! کیا آپ نے عزم بالجزم (پختہ ارادہ) کر لیا ہے کہ کوفہ جانا ہی ہے؟ وہاں کے غرباء اور امراء سب مکار، عیار، جعلساز اور دغا باز ہیں۔ حضور ان پر کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیۓ۔ وہ "کُوفِیْ لَا یُوْفِیْ" یعنی کوفی لوگ وفادار نہیں ہیں۔

امام حسین: اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! میں نے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو وہاں کے حالات معلوم کرنے کیلیۓ بھیجا تھا۔ انہوں نے خط لکھا ہے کہ تمام کوفہ والوں نے حضور کی بیعت کر لی ہے۔ آپ جلدی تشریف لے آئیں۔ ان کے لکھنے پر میرا جانا ضروری امر ہے۔

عبداللہ (رضی اللہ عنہ): حضور! یزید مردود سے یہاں رہ کر ہی مقابلہ کرنا چاہیے۔ تمام اہلِ مکہ نے میری بیعت کر لی ہے۔ میں اپنی خلافت حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ قبول فرمائیں۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

لو حضور! آپ اپنے دستِ مقدس کو آگے بڑھائیں۔ میں حضور کی بیعت کرتا ہوں۔ آپ خلافت قبول کریں۔ بخدا میں نہیں چاہتا کہ آپ وہاں جائیں۔

امام حسین: اے عبداللہ! ”جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ“۔ مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں۔ البتہ اتنا ضرور کروں گا کہ یزیدی مفاسد کو دور کیا جائے تاکہ مسلمان سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔

عبداللہ بن عمر: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ! آپ کو معلوم ہے کہ کوفہ والے ہمیشہ خاندانِ رسول کو ستاتے رہے ہیں۔ وہ لوگ دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں۔ ان کے قاصدوں اور مکتوبات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں۔ حضور مجھے یہاں تک خطرہ ہے کہ خدانخواستہ وہ بدبخت کہیں خاندانِ رسالت کا خاتمہ نہ کر دیں؟ رب العزت نے آپ کے نانا جان حضور ﷺ کیلئے دنیا و آخرت کو پیش فرمایا تھا مگر آپ ﷺ نے دنیا چھوڑ کر آخرت قبول کر لی۔ آپ بھی خلافت کو چھوڑ کر آخرت کو پسند فرمائیں۔

یہ عرض کر کے عبداللہ بن عمر زار و قطار رونے لگے اور حضور پُرنور نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔

آخر امام عالی مقام نے اصلی راز سے آگاہ فرمایا۔

امام حسین (رضی اللہ عنہ): اے عبداللہ بن عمر! میں کوفہ خلافت کیلئے نہیں جا رہا میں اس سفر میں بہت مجبور ہوں۔ خدا کی قسم میں وہاں خود نہیں جا رہا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے وہاں لے جانے والا خود کھینچ کر لے جا رہا ہے۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے: ''ہم آئے نہیں لائے گئے ہیں''۔ (ابن اثیر جلد 4)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالمِ پیری (ارمغانِ حجاز)

I - منزل تنعیم

آپ نے تین ذوالحج کو مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف سفر کیا۔ اسی دن حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ میں شہید کیا گیا۔

حضور کے سفر کربلا کی یہ پہلی منزل ہے۔ حضور نے قافلۂ اہلِ بیت کو یہاں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔ صرف بیاسی اعزاء و اقرباء تھے، جو حضور کے ہم سفر بھی

تھے۔ یہاں بھی بعض حضرات نے حضور امام عالی مقام سے یہی عرض کیا کہ حضور کوفہ کا ارادہ ترک فرما دیں۔ کوفی وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضور مولائے کائنات کو عین حالتِ نماز میں کوفہ کی جامع مسجد میں اور شہنشاہِ زمن حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو سازش کر کے زہر پلا کر شہید کروایا۔ حضور ان کے افعال واعمال قابل اعتبار نہیں۔

آپ نے انہیں بھی "جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ"۔ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں وہاں حکمِ الٰہی کے ماتحت جا رہا ہوں۔

II - منزلِ سفاح

لو حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے سفرِ کربلا کی دوسری منزل بھی آ گئی۔ یہاں حضور کی خدمت میں جناب مَلِکُ الشعراء فرزدق حاضر ہوئے اور سلام وآداب عرض کیا کہ حضور میں کوفہ سے آ رہا ہوں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے فرزدق! کیا عبید اللہ ابنِ زیاد کوفہ پہنچ گیا؟ کیا تمام کوفہ والوں نے بھائی امام مسلم رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی؟

شاعر: ابھی ابن زیاد تو کوفہ نہیں پہنچا۔ البتہ حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی ہزاروں کوفیوں نے بیعت کر لی۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے فرزدق! کیا مجھے کوفہ جانا چاہیے؟ یہ سن کر شاعر نے عرض کیا۔ حضور بہتر تھا کہ آپ مکہ معظمہ سے ہی سفر نہ فرماتے۔ کوفیوں کی

زبانیں تو حضور امام پاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ مگر ناپاک دل یزید پلید کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر حضور امام عالی مقام نے فرمایا اچھا حکمِ مولیٰ اَز ہَمَہ اولیٰ۔ اچھا کھانا تیار ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ انہیں کھانا کھلایا۔ پھر آپ نے شاعر سے نیا کلام سنا اور بہت روئے۔ اسی مقام پر حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں شہزادوں عون اور محمد رضی اللہ عنہما کو خط دے کر بھیجا اور کہا کہ اپنے ماموں جان کو سفرِ کوفہ سے روکو۔ حضور امام نے دونوں بھانجوں کو سینے سے لگایا اور اپنی پیاری بہن زینب کے پاس لے گئے۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے ماں جائی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا! لو یہ تمہارے جائے عون و محمد (ننھے منے مجاہد) بھی آ گئے۔ یہ اپنے ابا جان حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا خط لائے ہیں۔ انہوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ عزمِ سفر ترک کر دو۔

سیّدہ: شہزادو! بتاؤ تمہارے ابا جان نے بھائی جان کو کیا پیغام بھیجا ہے؟

شہزادے: امی جان! ابا جان فرماتے تھے کہ جا کر اپنے ماموں جان سے کہو کہ وہ لوگ مکار اور عیار ہیں۔ پہلے کون سی ان ظالموں نے کمی چھوڑی جو اب چھوڑیں گے۔ ان کے اقوال و اعمال و افعال کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ اپنے قافلۂ سادات کرام کو لے کر واپس آ جاؤ۔ کوفہ نہ جاؤ۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے شہزادو! اب تم ہمارے پاس ہی رہو۔ ہمارا دل تمہارے بغیر نہیں لگتا۔ تمہاری امی جان اور ممانی جان بھی تمہارے بغیر بے قرار تھیں۔ میں خود بھی تمہارے بغیر بے چین تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ اے شہزادو! ہم یہ سفر خدا کے حکم کے ماتحت کر رہے ہیں۔

ے کبھی مردانِ حق منزل سے پیچھے ہٹ بھی جاتے ہیں؟
جو ہیں ثابت قدم ان کے قدم کب ڈگمگاتے ہیں؟

III - منزلِ ثعلبہ

لو حضور! امام عرشِ مقام کے سفرِ کربلا کی تیسری منزل بھی آ گئی۔ یہاں بھی بعض حضرات نے آ کر حضور کو مراجعت (واپسی) کا مشورہ عرض کیا مگر حضور امام پاک رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی یہی فرمایا کہ میں یہ سفر حکمِ الٰہی کے ماتحت کر رہا ہوں اور بھائی جان مسلم کا خط بھی مل چکا ہے وہ بھی مجھے کوفہ بلا رہے ہیں۔ میں بھی ان سے جانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔

"اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا"۔

یعنی: سخی جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (بنی اسرائیل:34)

"بے شک عہد سے سوال ہونا ہے"۔ (کنزالایمان)

یہ سن کر وہ حضرات سلام و آداب عرض کر کے واپس چلے گئے۔ پھر ایک

اور جماعت آئی۔ انہوں نے بھی حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضور آپ ہمارے ہمراہ تشریف لے چلیں۔ ہم حضور کی پوری پوری اعانت کریں گے۔ آپ کوفہ کا ارادہ ترک فرمادیں آقا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے بھی دعائے خیر فرمائی اور فرمایا کہ ہمارا ان سے وعدہ ہو چکا ہے اور اب وہاں جانا ضروری ہے۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے قیس بن مسہر! لو یہ خط کوفہ میں بھائی جان مسلم بن عقیل کو پہنچا دو۔ انہیں کہنا کہ وہ کوفیوں کو یقین دلائیں کہ شہزادۂ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں کوئی فکر نہ کریں۔

قیس: اے امام رضی اللہ عنہ! خیر ہو مقام قادسیہ میں بے پناہ فوج کیوں نظر آ رہی ہے؟ اور وہ بھی باقاعدہ مسلّح۔ اُوہو! یہ تو سامنے حصین بن نمیر نظر آ رہا ہے، جو اس فوجِ یزید کا سپہ سالار ہے۔

قاصد نے یہ فوجی منظر دیکھ کر خفیہ طور پر ایک سپاہی سے معلوم کیا کہ اس فوج کے یہاں تقرر کا کیا مقصد ہے؟

سپاہی: اے مسافر! شاید آپ کو معلوم نہیں کہ عبیداللہ ابنِ زیاد جو پہلے بصرہ کا گورنر تھا۔ اب کوفہ کا بھی گورنر ہو گیا ہے۔ آج کل وہ کوفہ ہی میں براجمان ہے۔ اسے کسی جاسوس نے مطلع کیا ہے کہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کوفہ تشریف لا رہے ہیں اس لئے اس نے کوفہ سے مکہ معظّمہ تک فوجی پہرے لگا دیئے ہیں اور ہر طرف سے شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔

حصین بن نمیر: اے سپاہی! یہ مسافر کون ہے؟ جس سے تم باتیں کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر حکم دیا۔ دیکھو کوئی حسینی جاسوس تو نہیں۔ شاید کوئی خط لے کر جا رہا ہو۔ جب حضرت قیس بن مسہر رضی اللہ عنہ کی تلاشی لی گئی تو ان سے حضور امام عالی مقام کا خط ملا، جو حضرت امام مسلم اور کوفیوں کے نام تھا۔ خط پڑھ کر سپہ سالار نے فوراً قاصد کو گرفتار کر لیا اور فوجی دستہ کے ہمراہ کوفہ بھیج دیا۔

ابن زیاد: اے قیس! اچھا تم حسینی مجاہد ہو۔ لو آج جمعہ کا دن ہے منبر پر کھڑے ہو کر اپنے حسین رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ہمارے امیر المومنین یزید کی مدحت بیان کرو۔ پھر تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ جلدی کرو۔

قیس: (منبر پر کھڑے ہو کر) اے عاشقانِ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ، خوب غور سے سنو۔ شہزادۂ کونین حضور امام حسین، رحمۃ للعلمین کے نورِ نظر حضرت مولائے کائنات علیِ مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور حضور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے راحتِ جان ہیں۔

اے عبید اللہ! تو اور تیرا رازق یزید دونوں کذّاب، دجّال، مکّار، بے دین، ملعون اور ملحد ہیں۔ جبکہ میں حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا قاصد ہوں۔

ابن زیاد: اے سپاہیو! دیکھو ان لوگوں کو اپنی جان کی بالکل پرواہ نہیں۔ پہلے عبد اللہ بن بقطر قاصدِ حسین نے ہماری تذلیل کی۔ اب اس نے

منبر پر کھڑے ہو کر میری اور میرے امیر المومنین کی توہین وتذلیل کی۔ آپ لوگ باہر لے جا کر اسے عبداللہ بن بقطر کی طرح قتل کروادیں۔ اسی وقت پولیس نے قیس بن مسہر کو چھت پر لے جا کر فرشِ زمیں پر گرا کر شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝

بہایا دشمنوں نے خوں سفیرِ ابنِ حیدر کا
فرشتوں میں فلک پر غُل ہوا اَللّٰہُ اَکْبَر کا

IV - منزلِ واقعہ

لو حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ! کے سفرِ کربلا کی چوتھی منزل بھی آ گئی۔ جب آپ نے اس منزل پر قیام فرمایا تو آپ کو ایک حاجی کا خیمہ نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حاجی حضرت زہیر بن قیس ہیں جو کوفہ کے ایک بہت بڑے امیر اور مجاہدِ اعظم ہیں۔ آپ نے انہیں خط بھیجا اور اپنے پاس بلایا۔

حضرت زہیر بن قیس خدمت امام میں

امام (رضی اللہ عنہ): اے زہیر بن قیس! کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ یہ تمہارے ساتھ قافلہ میں کون لوگ ہیں؟۔

زہیر: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! میں حج کر کے مکہ مکرمہ سے آ رہا ہوں اور کوفہ جا رہا ہوں۔ میرے ہمراہ بہت سے حجاج ہیں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے زہیر! شاید تجھے معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نظر علی رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر کا فوجی محاصرہ ہو گیا ہے۔ گورنرِ کوفہ نے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ صرف یہی راستہ کھلا ہے۔ جو کربلا کو جاتا ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے خواہ کوفہ کو جاؤ یا میرے ہمراہ چلو۔ بتاؤ کیا مرضی ہے؟

زہیر: یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْن! آپ مجھے دعوتِ شہادت دیں بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ میں حضور کو نرغہ اعداء میں چھوڑ کر بیوی کو لے کر کوفہ چلا جاؤں اور وہاں جا کر رنگ رلیاں مناؤں اور تاجِ شہادت سے محروم رہوں۔

ہاں حضور مجھے یاد آیا کہ ایک رات میں مزے سے سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضور رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کر رہا ہوں۔ اچانک جب ہم ایک ہولناک جنگل میں پہنچے تو وہاں ایک بہت بڑا خون کا سیلاب آ گیا۔ اس سیلاب میں حضور رضی اللہ عنہ میں اور آپ کے تمام ساتھی غرق ہو گئے۔ میں اسی روز سے سمجھ گیا تھا کہ مجھے حضور کا ابدی ساتھ نصیب ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

شہادت فی الحقیقت معرکہ سر کر کے ملتی ہے
حیاتِ جاوداں راہِ خدا میں مر کے ملتی ہے

بیوی: اے زہیر! سناؤ حضور امام رضی اللہ عنہ نے کیا حکم فرمایا؟ آج تو تم بہت ہی مسرورِ خاطر نظر آتے ہو۔

زہیر: اے بیوی! وہی خواب جو میں نے تمہیں سنایا تھا اب خدا کے فضل وکرم سے اس کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے۔ میں حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ اب تم کوفہ جاؤ۔ جس قدر میرے پاس مال و دولت اور سیم و زر ہے اس سے اپنی پر سکون زندگی بسر کرو۔ اگر دوسری شادی کی ضرورت ہے تو ابھی طلاق نامہ لکھ دیتا ہوں۔

بیوی: اے زَہیر! اگر ابدی زندگی حضور کے قدوم میمنت لزوم میں گزارنا چاہتے ہو تو مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں بھی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی دختروں نیک اختروں کی خدمت کیا کروں گی۔ مجھے ساداتِ کرام کی خدمت سے کیوں محروم رکھتے ہو؟ پھر حضرت زہیر رضی اللہ عنہ نے دیگر رفقائے سفر کو تمام حال سنایا۔ کچھ لوگ تو کوفہ چلے گئے اور کچھ آپ کے ہمراہ لشکرِ امام میں شامل ہو گئے۔ حضور امام ان کو لے کر آگے بڑھے۔

V - منزل خذلجہ

لو حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ! کے سفرِ کربلا کی پانچویں منزل بھی آ گئی۔ حضور امام نے جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک برق رفتار جاتا ہوا قاصد نظر آیا۔ حضور نے عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن اسماعیل کو بھیجا کہ اس قاصد سے پتہ کریں کہ بھیّا مسلم رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہے؟ اسے جلدی جا کر ملو۔

عبداللہ: بھئی ! تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ بڑی تیز رفتاری سے جا رہے ہو۔ آخر

ے اتنی بھی جلدی کیا ہے؟ ذرا ٹھہر جایئے!
لگے گی دیر ذرا حالِ دل سُنانے میں

قاصد: اے سوارو! مجھے مت روکو۔ میں حضور شہزادہَ کونین کی خدمت میں مکہ معظّمہ جا رہا ہوں۔ کوفہ کے خطرناک حالات وواقعات، شواہد و حوادثات بیان کرنے ہیں۔

عبداللہ: اے قاصد! حضور شہزادہَ کونین رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے تو ہم آئے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے حضور کا کیمپ نظر آ رہا ہے۔ وہ دیکھو سامنے حضرت علی اکبر اور حضرت قاسم، حضرت عباس رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کیمپ کی حفاظت فرما رہے ہیں۔ کیا کوفہ میں کوئی نیا اندھیر پڑ گیا؟

قاصد: بھئی! اور اس سے زیادہ کیا ظلم ہوگا؟ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادوں (محمد اور ابراہیم رضی اللہ عنہما) کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؀

حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے دونوں قاصدوں کو بھی شہید کر دیا گیا۔

حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے آخری وقت پیغام دیا تھا کہ آپ کوفہ تشریف نہ لائیں اور میرا آخری سلام قبول فرمائیں۔

ب

بادِ صبا تو یار سجن نوں دے سنہڑا میرا
رل مل ماریا کوفے والیاں ویر پیارا تیرا
کوفے دے ول مُول نہ آویں عرض اخیری میری
کوفے اندر ظلم وستم دی وگدی پئی ہنیری

VI - منزلِ زبالہ

لو حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ! کے سفرِ کربلا کی چھٹی منزل بھی آ پہنچی۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کے بچوں اور قاصدوں عبداللہ بن بقطر اور قیس بن مسہر کی شہادت کا حال سن کر آپ زاروقطار رونے لگے۔ امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی ننھی سی بچی کو پیار دینے لگے۔

بچی: اے ماموں جان! صبح سے ہی حضور سے پوچھ رہی ہوں کہ آپ نے جو دو قاصدوں کو خبر لینے بھیجا تھا کیا بابا جان کی کوئی خیر خبر نہیں آئی؟ بابا جان راضی خوشی ہیں بھائی جان محمد اور ابراہیم تو راضی خوشی ہیں۔ بابا جان تو ایسے کوفہ گئے کوئی خط نہیں بھیجا۔ نا معلوم وہ وہاں جا کر ہمیں بھول ہی گئے ماموں جان! آپ آج صبح سے کیوں رو رہے ہیں؟ آج تو آپ مجھے اس طرح پیار فرماتے اور بار بار سینے سے لگاتے ہیں جیسے کسی یتیم بچی سے پیار کیا جاتا ہے۔ کیا ماموں جان آپ آج مجھ سے ناراض ہیں؟ اگر آپ

ناراض ہیں تو خداوٗ مصطفیٰ کیلئے مان جائیں اور مجھے معاف فرمائیں۔ اور میرے بابا جان کا حال سنائیں۔ یہ کلام سن کر کون ہے جو روتا نہ ہوگا؟

امام (رضی اللہ عنہ): اے بیٹی! آج تو واقعی تم یتیم ہوگئی ہو۔ اے بیٹی! ظالم کوفیوں نے تیرے بابا جان اور تیرے پیارے بھائیوں کو شہید کر ڈالا۔ ان کی لاشوں کو بے گور و کفن فرشِ زمیں پر ڈال دیا گیا۔ ان کے سروں کو سرِ بازار لٹکا دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ جو امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ دے گا اس کا یہی حشر ہوگا۔

حضور امام کے یہ کلمات سن کر تمام دخترانِ رسول پر سکتہ طاری ہوگیا۔
زوجہءِ امام مسلم بے ہوش گئیں اور امام مسلم کے بھائی زار و قطار رونے لگے۔

حسینی اجلاس

اے میرے عزیزو! تم نے کوفیوں کے حالات سن لئے جنہوں نے ہمیں ایک ہزار خطوط اور قاصد بھیج کر بلایا تھا انہوں نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے ننھے منے بچوں کو کس ظلم وستم سے شہید کر ڈالا۔
قاصدوں کو صرف اسلئے شہید کیا گیا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے وفادار تھے۔
ان کو پانی تک بھی نہیں پلایا گیا۔
ان کی نماز جنازہ کیا پڑھی جاتی؟ انہیں تو کفن و دفن سے بھی محروم رکھا گیا۔

اب دنیا سے عدل وانصاف ختم ہو گیا۔

جن لوگوں نے ہماری بیعت کی اور وفاداری کا دم بھرتے تھے، جو لوگ بذریعہ خطوط ہمیں یقین دلاتے تھے کہ تمہارے نقشِ قدم پر چلنا ہی نجاتِ آخرت ہے۔

آپ سے محبت رکھنا اور تمہاری عظمت بیان کرنا ہی عینِ ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے۔

ہم شیعانِ علی وحسین ہیں۔ ہم تمہاری اطاعت کو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور تمہاری عزت پہ مٹنا ہی حیاتِ ابدی ہے۔ ہمارے پاس تشریف لاؤ۔

ہمیں یزید مردود کی شیطانی بیعت سے بچاؤ۔ اگر آپ نے ہماری دستگیری نہ فرمائی تو ہم بروزِ حشر حضور کے نانا جان سے شکایت کریں گے کہ ہم نے خطوط لکھے، قاصد بھیجے مگر حضور امام حسین رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف کوئی التفات توجہ نہ فرمایا۔

دیکھیں کل بروزِ حشر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کیا جواب دیں گے؟ آپ تشریف لائیں اور ہمارے دین وایمان کو یزید مردود سے بچائیں۔

تمام عہدو پیماں ان لوگوں نے قطع کر دیا اور یہ لوگ ہماری بیعت سے منحرف ہو گئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو تلواریں لے کر شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ پر آمادہ ہوں گے۔

اے عزیزو! تمہیں میں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔ تم جدھر چاہو نکل جاؤ۔

☆ میں بروزِ حشر کوئی مواخذہ نہ کروں گا۔

☆ اپنی پیاری جانیں حسین رضی اللہ عنہ کیلئے خطرے میں نہ ڈالو۔

☆ حضور کا یہ خطاب سن کر تمام ساتھی زار و قطار رو رہے تھے اور حضور امام کو اپنی وفاداری و فدا کاری کا پورا پورا یقین دلا رہے تھے۔

حضور امام رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا، اطاعت کرنا ہمارا نصب العین ہے۔ ہم اس شہادت کو حیاتِ جاودانی سمجھتے ہیں۔

مصیبت کو راحت، تکلیف کو مسرت خیال کرتے ہیں۔

ے نہیں ہٹتے مجاہد جب قدم میداں میں دھرتے ہیں
دلاور، صف شکن اعداء کے کب لشکر سے ڈرتے ہیں؟

VII - منزل قصرِ مقاتل

لو حضور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ! کے سفرِ کربلا کی ساتویں منزل بھی آ گئی۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے مجاہدو! معلوم کرو یہ کون شخص ہے؟ جو اتنا کثیر لشکر لے کر یہاں ٹھہرا ہوا ہے اور کس کا انتظار کر رہا ہے؟ اس کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

خادم: یَـا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْن! میں نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ یزیدی لشکر ہے جو ایک ہزار کی تعداد میں ہے۔ سپہ سالار کا نام حُر

بتایا جاتا ہے۔ حضور امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا اُسے بلاؤ۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے حُر بن یزید ریاحی! تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ یہ لشکرِ جرار کیوں لائے ہو؟ تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟

حُر: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْن! مجھے گورنرِ کوفہ نے یہ لشکر دے کر بھیجا ہے تاکہ میں محاصرہ کر کے آپ کو فوراً کوفہ تک پہنچا دوں۔ یہ سن کر امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ نے حُر کو کوفہ کے تمام خطوط دکھائے اور ان کے قاصدوں کے نام بھی سنائے۔ یہ سن کر حُر رونے اور عرض کرنے لگا۔

☆ اے امامِ بیکساں رضی اللہ عنہ! بخدا مجھے اس امر کا کوئی علم نہیں۔ پھر حُر نے اپنے لشکر کی پیاس کا ذکر کیا۔ حضور امامِ برحق رضی اللہ عنہ نے اس کے تمام لشکر کو سیراب فرمایا۔ پھر حُر نے اور اس کے لشکر نے حضور امام الثقلین رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

☆ پھر حُر نے حضور امام سے عرض کیا کہ حضور میں رات کو یزیدی لشکر کو لے کر دور قیام کروں گا۔ آپ رات کی تاریکی میں کسی دوسرے راستے سے نکل جائیں۔ صبح ہوتے ہی جب معلوم ہو گا تو میں دو تین میل تک بھاگ دوڑ کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ جا کر گورنرِ کوفہ کو کہہ دوں گا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نامعلوم راستے سے نکل

گئے۔ وہ ہمیں نہیں مل سکے۔

☆ یہ سن کر حضور امام برحق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حُر! ایسا کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے میرے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بے گناہ شہید کر دیا اور اس کے دو ننھے ننھے بچے بھی شہید کر ڈالے۔

☆ ہم طے کر چکے ہیں کہ ہم کوفہ پہنچیں۔ آپ نے یہ فرما کر سفر جاری رکھا۔ آخر چلتے چلتے ایک ہیبت ناک جنگل میں آپ کا مرکب رکا۔ آپ اور تمام مجاہدین نے اپنے اپنے مرکبوں کو چلانے کی کوشش کی مگر مرکبوں (سواریوں) نے آگے قدم نہ بڑھایا۔

☆ ایک روایت ہے کہ آپ نے سات روز سفر کیا۔ جب صبح ہوتی تو اسی جنگل میں پھر پھرا کر آ جاتے۔ آخر آپ نے اپنے مرکب کو یہاں سے آگے چلانے کی کوشش کی مگر مرکب نے قدم آگے نہ بڑھایا۔ پھر حضور امام رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے مجاہدو! اس ہیبت ناک جنگل کا نام کیا ہے؟ عرض کیا یا امام المسلمین! اسے کربلا کہتے ہیں۔

☆ یہ سن کر حضور امام اور تمام اہلِ بیتِ کرام زار و قطار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنی جیب سے تھوڑی سے مٹی نکالی وہ مٹی کربلا کی مٹی سے جب ملائی تو دونوں کا رنگ اور خوشبو ایک جیسی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا یہ وہ مٹی ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرے نانا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا کر دی تھی اور عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حسین رضی اللہ عنہ اس جگہ شہید ہوں گے۔ پھر آپ نے ایک مشتِ خاک اُٹھا کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دی کہ آپ بھی اسے سونگھ کر بتائیں!!----------

جنبش جو مرکبوں میں نہ پائی حسین نے
اِک مشتِ خاک واں سے اُٹھائی حسین نے

خود سونگھی اور بہن کو سونگھائی حسین نے
زینب کی پھر سنی یہ دُہائی حسین نے

پھینکو یہ خاک جاں میری نکلی جاتی ہے
بھیا تمہارے خون کی بو اس سے آتی ہے

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو آپ کے ساتھ ہی شہرِ بابل سے ہجرت کر کے آئے اور آپ کی اجازت سے ملکِ شام کے شہر سدوم میں آباد ہو گئے۔ یہ پانچ شہر تھے۔ ہر ایک کی آبادی ایک ایک لاکھ کے قریب تھی۔ یہ علاقہ بہت ہی سرسبز و شاداب تھا اور باغات کی بڑی کثرت تھی۔ کھیتی عام ہوتی تھی۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے ان بستیوں میں تجارت کیلئے آیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت لوط علیہ السلام کو انہیں شہروں میں مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ بھی بت پرست تھے، جو لوگ دور سے سفر کر کے آتے ان کو پریشان کرتے تا کہ وہ یہاں نہ آئیں۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں روکتے کہ مسافروں کو ان شہروں میں آنے سے منع نہ کیا کرو۔

آخر شیطان ملعون نے ایک نوعمر، حسین و جمیل لڑکا بن کر انہیں اپنی طرف مائل کیا اور اپنے حسن و جمال کا فریفتہ بنا لیا۔ ابلیس ان کافروں سے بدفعلی کرانے لگا اور تمام کافروں کو سبق پڑھایا کہ جو نوجوان باہر سے آیا کرے ان سے بھی تم

بدفعلی کیا کرو۔ وہ لوگ تمہارے شہروں میں آنا خود بخود ترک کر دیں گے۔ آخر کافروں نے ابلیس کی اس تحریک کو ہر طرح سے اپنانا شروع کر دیا۔

ایک روز حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اپنے مکان پر مہمان نوازی کیلئے ٹھہرایا۔ کافروں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر پری پیکر حسین و جمیل لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ ان کافروں نے آکر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کو آگھیرا اور کہنے لگے اے لوط علیہ السلام! ان لڑکوں کو ہمارے حوالہ فرما دو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ہر چند ہدایات فرمائیں کہ تم اس فعلِ بد سے باز آجاؤ ورنہ تم خدا کے عذاب سے ہلاک ہو جاؤ گے مگر وہ باز نہ آئے اور ان لڑکوں کو پکڑنے لگے۔

آخر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں جبرائیل ہوں۔ ان چند ملائکہ کو ہمراہ لایا ہوں۔ آپ رات کو یہاں سے ہجرت فرما جائیں۔ آج ان تمام لوگوں کو ہلاک اور شہروں کو برباد کر دیا جائے گا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کی ہوا سے ان تمام کافروں کو اندھا کر دیا۔ وہاں سے بھاگے، گرتے پڑتے آخر گھر پہنچے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ حضور تمام مسلمانوں کو لے کر رات کی تاریکی میں شہر سے نکل جائیں۔

جب یہ نکل گئے تو حضرت جبرائیل نے ان شہروں کو اُٹھا کر اوندھا کر دیا۔ جس سے تمام مشرکین ہلاک ہو گئے۔ پھر ان پر پتھر برسائے۔ حضرت لوط علیہ السلام

مسلمانوں کو لے کر ملکِ شام میں آباد ہو گئے۔ سات سال تک آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر خدمت دین کرتے رہے پھر آپ وہاں ہی حکمِ الٰہی سے وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن ○

میدانِ کربلا کا جائزہ

☆ حضور شہزادۂ کونین، مالک دارین نے بغور میدانِ کربلا کا جائزہ لیا اور اسے خوب جان پہچان کر حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور تمام اہلِ بیت کرام سے بے تکلف فرمایا۔

☆ اے زینب! خدا کی قسم یہی وہ زمینِ کربلا اور خاکِ کربلا ہے جہاں فرزندانِ رسول کا خون بہایا جائے گا۔

☆ خدا کی قسم یہ وہ دشت کربلا ہے جہاں پر میرے بچوں کو بے دردی سے ذبح کیا جائے گا۔

☆ یہی وہ کربلا کی زمین ہے جہاں دخترانِ رسول کو قید کیا جائے گا اور طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کیا جائے گا۔

☆ یہی وہ کربلا ہے جہاں میرے اہلِ بیت کو بھوکا پیاسا رکھا جائیگا۔

☆ خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جہاں میرا سر قلم ہوگا اور یہیں ہماری قبریں بنیں گی۔

☆ یہاں سے ہی حشر ونشر ہوگا۔

☆ اور یہاں ہی میری شہادت کے بعد نانا جان، ابا جان، اماں جان میری تعزیت کو آئیں گے۔

☆ اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام آ کر حضور ﷺ سے اظہارِ غم کریں گے۔

☆ خدا کی قسم یہی وہ زمینِ کربلا ہے جہاں پر میری شہادت کا حضور نانا جان سے خدا نے وعدہ لیا تھا۔

☆ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا تھا کہ بیٹا حسین (رضی اللہ عنہ)! تو حکمِ الٰہی کے ماتحت کربلا میں شہید ہوگا۔

ے یہاں آتے ہوئے پر طائرِ سدرہ کے جلتے تھے
بچا کر آہوانِ دشت بھی دامن نکلتے تھے

خدا کی شان اس صحرا میں وہ جنت مکیں پہنچے
کہ جن کے جدِ امجد تا سرِ عرشِ بریں پہنچے

علی اکبر: یَا اِبْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! آپ ایسے دردانگیز کلمات نہ فرمائیں جن کے سننے سے ہمارے کلیجے منہ کو آتے ہیں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے علی اکبر بیٹا! میں یہاں اسی مقصدِ عظیم کیلئے آیا ہوں تاکہ وعدۂ الٰہی کی تکمیل کر کے مردہ دین کو زندہ کروں۔

امام (رضی اللہ عنہ): بیٹا علی اکبر! یہ نقشہ جو اہلِ بیتِ رسول کے سامنے پیش کیا ہے یہ وہ نقشۂ کربلا ہے جو میرے نانا جان نے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا۔

بابا جان حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک رات بیان فرمایا تھا۔

علی اکبر: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ! دادا جان حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا تھا؟ وہ تو بیان فرمائیں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے علی اکبر بیٹا ! اچھا لو سنو۔ جب حضور امیر المومنین مولائے کائنات نے جنگ صفین سے مراجعت فرمائی تو حضور نے یہاں ہی رات کو قیام فرمایا۔ بھائی جان شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور میں بھی اس سفر میں حضور کے ہمراہ تھا۔ بابا جان نے میرے بھائی جان کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ مجھے آرام فرمانا ہے۔ بھائی جان حسب حکم بیٹھ گئے۔ ابا جان ان کے زانوں پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ میں بابا جان کے قدموں کی طرف بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد بابا جان روتے ہوئے اُٹھے۔ میں نے عرض کیا بابا جان کیا کوئی ہولناک خواب دیکھا؟ جسے آپ دیکھ کر گھبرا گئے۔ ابھی تو آپ سوئے تھے۔ ابھی آپ روتے ہوئے خواب سے بیدار ہو گئے۔

یہ سن کر آپ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا بیٹا حسین رضی اللہ عنہ ! میں نے اس میدانِ کربلا میں ایک بہت بڑا خونی دریا دیکھا جس میں میرا نور العین امام حسین رضی اللہ عنہ غوطے کھا رہا ہے۔ اے بیٹا حسین

رضی اللہ عنہ! تمہاری نظر اچانک ہم پر پڑ جاتی ہے۔ تم پھر مجھ سے فریاد کرتے ہو کہ ابا جان مجھے اس بحرِ ناپید کنار سے بچاؤ اور مجھے پار لگاؤ۔ یہ سن کر میں تمہیں تلقینِ صبر کرتا ہوں۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر : 10)

ترجمہ: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھر پور دیا جائے گا بے گنتی۔ (کنزالایمان)

☆ اے بیٹا صبر کرو اور خدا سے اجر حاصل کرو۔ بیٹا علی اکبر! میں یہاں خدا و رسول کے حکم کی تعمیل اور بابا جان کے اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے آیا ہوں۔

☆ یہ میدانِ کربلا میرا اوّلِ الامتحان ہے۔ جس کا خاکہ مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔

بظاہر کربلا کا دشت و جنگل اِک بیاباں ہے
بباطن صبر و تسلیم و رضا کا خاص میداں ہے

شانِ حسین رضی اللہ عنہ

کیا کرے کوئی بیانِ عظمت شانِ حسین
جب کہ ربّ العالمیں ہے خود ثنا خوانِ حسین

پشت پر نانا کی جب وقت نماز آ کر چڑھا
محو حیرت ہو گئے سب دیکھ کر شانِ حسین

اپنے خوں سے کر دیا سیراب کشت دین کو
اَللہ اَللہ ہے بڑا ہم پر یہ احسانِ حسین

سر کٹا دو خم نہ ہو سر دشمنوں کے سامنے۔
بھول سکتا ہے کبھی مسلم یہ اعلانِ حسین

محو حیرت ہو گئے تھے دشمنانِ دین بھی
نوک پر نیزے کی وَاللہ سن کے قرآنِ حسین

کانپتے تھے اور روتے تھے ملک یہ دیکھ کر
تین دن کے بھوکے پیاسے تھے عزیزانِ حسین

کربلا میں کر دیا اسلام کا پرچم بلند
حشر تک ہے قومِ مسلم پر یہ احسانِ حسین

ذکر و فکر و صبر و شکر و ضبط و تسلیم و رضا
ماسوا اس کے نہیں تھا کچھ بھی سامانِ حسین

روزِ محشر مجرموں کو بخشوانے کے لئے
پیش حق ہو خون آلودہ گریبانِ حسین

حشر کے دن نفسی نفسی کی ہو جب ہر سو صدا
ہاتھ میں ہمدم کے ہو اُس وقت دامانِ حسین

حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جو حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ خدا کے حکم سے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تو اس وقت آپ اور حضرت سارہ علیہا السلام بوڑھے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام حضرت عیص اور چھوٹے بیٹے کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام آخری عمر میں نابینا ہو گئے۔

ایک روز آپ نے حضرت عیص کو حکم دیا کہ آج ہمارا کباب کھانے کو دل چاہتا ہے تم ہمارے لئے کباب لاؤ۔ میں تمہارے حق میں دعا کروں گا کہ خدا تمہیں پیغمبری عطا فرمائے۔

یہ بات حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ نے سن لی۔ والدہ نے فوراً حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرمایا کہ حضرت عیص تو شکار کیلئے جنگل کو گئے ہیں۔ آپ ایک بکری ذبح فرما کر کباب تیار کریں۔ پھر وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی

خدمت میں پیش کریں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فوراً بکری ذبح کی اور کباب تیار کر کے والدِ گرامی کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں دعا کی۔ اللہ ربُّ العزت عزوجل نے انہیں پیغمبر بنا دیا۔

جب حضرت عیص کباب لائے تو پتہ چلا کہ وہ نعمت تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو عطا ہو چکی ہے۔ یہ سن کر عیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے مخالف ہو گئے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت عیص کے حق میں کثرتِ اولاد کی دعا فرمائی۔ جس سے آپ کے ہاں بہت اولاد ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ نے حکم دیا اے یعقوب تم اپنے ماموں جان کے پاس ملکِ شام چلے جاؤ۔ کیونکہ تمہارے والد اسحاق علیہ السلام وصال فرما چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں عیص قتل کر ڈالے۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں رہنے لگے۔

آپ کے ماموں کے ہاں دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کا نام لیآ اور دوسری کا نام راحیل تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہاں سات سال بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کی شادی اس مہر پر حضرت لیآ سے ہوگئی۔

پھر سات سال بکریاں چرائیں اور اسی مہر پر آپ کی شادی راحیل سے ہوئی۔ راحیل سے آپ کی اولاد حضرت یوسف علیہ السلام، بنیامین اور زینب تھے۔ اور آپ کی باقی اولاد لیآ کے بطن سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو ساٹھ

سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

اور اپنی والدہ ماجدہ سارہ کے پاس مدفون ہوئے۔ پھر حضرت یعقوب بن اسحاق علیہ السلام ازواج واولاد اور ساز وسامان کے ساتھ کنعان تشریف لے گئے۔

اتفاق سے ایک جنگل میں حضرت عیص کو دیکھا۔ آپ نے خدام کو حکم دیا کہ اگر عیص پوچھیں کہ یہ کس کا قافلہ ہے؟ تو یہ نہ کہنا کہ حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السلام کا ہے۔ بلکہ یہ کہنا کہ یعقوب کا ہے، جو حضرت عیص کا غلام ہے۔

جب حضرت عیص نے پوچھا کہ یہ کس کا قافلہ ہے؟ تو خدام نے وہی جواب دیا۔ حضرت عیص یہ سن کر فرمانے لگے نہیں نہیں یعقوب علیہ السلام تو میرا بھائی ہے۔ خدام نے عرض کیا نہیں حضور یہ تو ملکِ شام میں بھی آپ کے غلام ہی کہلاتے تھے۔

یہ سن کر حضرت عیص رونے لگے اور آ کر آپ کو سینے سے لگا لیا اور کہا حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں رہ کر خدا کے احکام لوگوں کو سنانے لگے۔ پھر حضرت بنیامین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت راحیل فوت ہو گئیں، تو یوسف اور بنیامین کو حضرت لیا پالنے لگیں۔ (خلاصۃ الانبیاء)

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا پیغامِ امن

حضرت زینب (علیہا السلام) اے شہزادہ کونین! سلطانِ دارین! بھیا عباس رضی اللہ عنہ نامعلوم کس سے جھگڑ رہے ہیں؟ آپ باہر نکل کر معلوم تو کریں؟

امام: بھئی! کیا بات ہے اب تمہارا کیا مطالبہ ہے؟ ہم کربلا میں تو آ چکے ہیں اور چاروں طرف سے لشکرِ یزید نے محاصرہ بھی کر رکھا ہے۔ آخر قصہ کیا ہے؟

افسر: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! ہم لوگ مجبور ہیں۔ یہ دیکھئے گورنرِ کوفہ کا تاکیدی خط۔ وہ لکھتا ہے کہ فرزندِ رسول کو دریائے فرات پر خیمہ زن نہ ہونے دیا جائے۔ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ دریائے فرات پر خیمہ زن ہوا تو تجھے معطل کر دیا جائے گا اور سخت سزا دی جائے گی۔ اس نے یہ بھی تاکیدی حکم دیا ہے کہ

؎ گھوڑے پئیں کتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! آپ دریائے فرات سے دور جا کر کسی جگہ خیمے نصب فرمائیں۔ وہ دیکھو عباس تلوار دکھا رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرزندِ رسول کا خیمہ یہاں ہی نصب ہوگا۔ اگر کسی میں طاقت ہو تو اُٹھا کر دکھائے تُو جا اور اپنے حمائیتیوں کو بلا کر لے آ۔ میں بھی

دیکھوں کہ فرزندِ رسول رضی اللہ عنہ کو یہاں سے کون ہلا سکے گا؟

زینب (علیہا السلام): بھائی جان! یہ کیسا شور ہے؟ بھائی عباس رضی اللہ عنہ کس کو تلوار دکھا رہے تھے اور کس سے جھگڑا کر رہے تھے؟

امام: پیاری بہن! گورنرِ کوفہ نے اپنے ایک فوجی افسر کو حکم نامہ بھیجا۔ جس میں لکھا ہے کہ فرزندِ رسول کو پانی سے دور رہنے پر مجبور کیا جائے اور خیامِ حسین (رضی اللہ عنہ) میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ جانے دیا جائے۔ بھائی جان عباس رضی اللہ عنہ حکم نامہ سن کر فوجِ یزید کے مقابلہ میں ڈٹ گئے ہیں اور کہہ رہے ہیں اگر تم میں ہمت ہے تو آؤ اور یہاں سے ہمیں ہٹاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ جنگ کی ابتداء ہماری طرف سے ہو۔ اس لئے میں نے یہاں سے خیامِ اہلِ بیت اُٹھانے کا حکم دے دیا ہے۔

دریا اگر قریب نہیں میرا خدا تو ہے
پانی ملے یا نہ ملے رب کی رضا تو ہے

ایک حسینی مجاہد اور کربلا کا مکالمہ

حسینی مجاہد: اے کربلا! مبارک ہو تیرے سینہ پر راکبِ دوشِ مصطفیٰ رضی اللہ عنہ خیمہ زن ہیں۔

☆ اے کربلا! مبارک ہو آج تیرے مہمان فرزندِ رسول جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆- اے کربلا! تیرے وہ شہزادۂ کونین مہمان ہوئے ہیں جن کا نامِ نامی اسمِ گرامی عرش سے اُترا تھا۔

☆- اے کربلا! آج تیرے مہمان وہ ہوئے ہیں جن کی ولادت کی بشارت جبرائیل کے ساتھ دیگر ملائکہ نے آ کر دی تھی۔

☆- اے کربلا! جن کا عقیقہ خود حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

☆- اے کربلا! جو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں۔

☆- اے کربلا! جن کی گردن اور رخساروں کو خاتم المرسلین ﷺ چوما کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! جسے خطبہ چھوڑ کر حضور ﷺ اپنی گود میں اُٹھا لیا کرتے اور وقتِ نماز گود میں بٹھا کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! مبارک ہو آج تیرے وہ مہمان ہوئے جو نماز میں حضور ﷺ کی پشت پر سوار ہو جایا کرتے تھے تو حضور اپنے سجدۂ مبارکہ کو طویل فرما دیا کرتے تھے تا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی دل شکنی نہ ہونے پائے اور گرنہ جائے۔

☆- اے کربلا! آج تیرے سینے پر وہ خیمہ زن ہوئے ہیں جن کا جھولا حضرت جبرائیل علیہ السلام جھلایا کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! جن کیلئے جبرائیل علیہ السلام بہشت سے کھانے اور کپڑے لایا کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! جن کی راہ میں ملائکہ پر بچھایا کرتے تھے اور گھر میں بے اذن (بغیر اجازت) نہ آ سکتے تھے۔

بے اجازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں عزوشانِ اہلِ بیت (حسن رضا خاں)

☆- یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کیلئے ہرنی نے اپنا بچہ حاضر کیا تھا۔

☆- اے کربلا! یہ وہ حسین ہیں جن کی محبت، محبتِ خدا عزوجل اور محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جن کی عداوت، عداوتِ خدا (عزوجل) اور عداوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جن کی محبت کلیدِ جنت (جنت کی کنجی) اور عداوت کلیدِ جہنم (جہنم کی کنجی) ہے۔

☆- اے کربلا! یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قربان فرمادیا عرض کی کہ مولیٰ تو ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قبول فرمالے اور حسین رضی اللہ عنہ کو میرے پاس رہنے دے۔

☆- یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کا مرکب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنا کرتے اور باگ کی جگہ اپنی زلفیں حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں دے دیا کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! تیرے سینے پر وہ حسین رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جن کے غائب ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور تمام صحابہ کرام واہلِ بیتِ عظام رضی اللہ عنہم پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے باغوں میں بے تابانہ تلاش کیا کرتے اور جن کی حفاظت خود جبرائیل علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

☆- اے کربلا! مبارک ہو آج تیرے سینہ پر اس امام عرش مقام رضی اللہ عنہ کا قیام ہے جن کے قدموں نے تجھے آج کربلا معلّٰی (کربلا شریف) بنا دیا ہے۔ جن کے قدموں نے آج تیری خاک کو خاکِ شفا بنا دیا ہے۔

☆- اے کربلا! تیرے میدان میں حضور رحمۃ للعلمین۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت کھلے سر ننگے پاؤں تشریف لائیں گے۔

☆- اے کربلا! تیرے سینہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین اظہارِ غمِ حسین رضی اللہ عنہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

☆- اے کربلا! آج سے تو انوارِ الٰہی کا مرکز بن گئی۔ آج سے تو برکاتِ الٰہی کا مخزن بن گئی ہے۔

☆- اے کربلا! یہ تیرے مُقدس مہمان ہیں اگر انہیں پیاس لگے تو تُو ان کیلئے اسی طرح چشمہ حاضر کرنا جیسے اپنے معزز مہمانوں (حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام) کیلئے سرزمین مکہ مکّرمہ نے آبِ زمزم پیش کیا۔

☆- اے کربلا! اگر انہیں پیاس لگے تو حجرِ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح بارہ چشمے نہیں بلکہ ہزاروں دریا پیش کرنا۔

☆- اے کربلا! اگر نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ کو پھلوں کی ضرورت ہو تو اسی وقت رشکِ فردوس بن جانا۔

☆- اے کربلا! دیکھ آج تجھ پر تمام عرشی و فرشی ملائکہ قربان ہو رہے ہیں اور تمام حورانِ جنت نثار ہو رہی ہیں۔

☆- اے کربلا! آج سے تو خالقِ کائنات کی محبوب بن چکی ہے۔

☆- اے کربلا! آج سے تو تمام انبیاء و مرسلین علیہ السلام کی نگاہوں میں محبوب ہوگئی ہے۔

☆- اے کربلا! آج تجھے خالق اور اس کی تمام مخلوق محبت سے دیکھ رہی ہے۔

☆- اے کربلا! دیکھنا ان کے قدموں میں تیرا کوئی کانٹا نہ چبھنے پائے۔

☆- اے کربلا! دیکھنا کہیں تیرا غبار امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی پیاری زلفوں کو گرد آلود نہ کرنے پائے۔

☆- اے کربلا! اپنے مہمان کی خوب حفاظت کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن اِنہیں ترچھی نگاہ سے دیکھے۔ ورنہ خدا کے دربار میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

☆- اے کربلا! یہ وہ مہاجر حسین رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے تیرے لئے اپنے نانا جان کے مدینہ منورہ کو چھوڑا۔ مکہ معظمہ سے اس وقت ہجرت کی جب کہ ماہِ ذوالحج کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ حاجیوں کے قافلے دیوانہ وار "لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ" کے نعرے لگاتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے جب یہ مکہ معظمہ سے اہلِ بیتِ کرام کے ساتھ تیری طرف چلنے کی تیاری کر رہے تھے تو اہلِ مکہ یوں عرض کرتے تھے۔

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشہ مے روی

ترجمہ: ''اے وہ ذات کہ جس کا چہرۂ اقدس تمام جہان والوں کیلئے تماشہ گاہ (زیارت کی جگہ) ہے تو آپ اپنے چہرے کی زیارت کروانے کیلئے کہاں جا رہے ہیں۔''

☆- اے کربلا! یہ وہ امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی خلافتِ شاہی کو قبول نہ فرمایا۔

☆- اے کربلا! تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجبور کیا کہ آپ ہاتھ بڑھائیں تاکہ ہم آپ کے مقدس ہاتھوں پر بیعت کریں مگر آپ نے فرمایا بخدا مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں۔ میں کوفہ اس لئے جا رہا ہوں تاکہ وعدۂ الٰہی کی تکمیل کر کے قیامت تک کے مسلمانوں کو صداقت کا سبق پڑھا سکوں۔

☆- اے کربلا! اسلام کیلئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔

☆- اے کربلا! اسلام کیلئے تمام دنیا کی عیش و عشرت کو ترک کیا جا سکتا ہے۔

☆- اے کربلا! اسلام کیلئے بھائی، بھتیجے، بھانجے، بیٹے اور تن من دھن کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

☆- اے کربلا! جس طرح حضرت آدم علیہ السلام، شیطان اور اس کی ذرّیت سے مرعوب نہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون، حضرت داؤد علیہ السلام جالوت، حضرت زکریا علیہ السلام جالینوس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل اور اس کی افواج سے مرعوب نہ ہوئے۔

بلا ساز و سامان دشمنوں کی افواج کے مقابل ہوئے۔

☆- اسی طرح: اے کربلا! تیرے میدان میں پچاس ہزار کا یزیدی لشکر جو لوہے میں غرق نظر آ رہا ہے۔ یہ نواسہ رسول، جگر پارہ بتول رضی اللہ عنہ کو بھی مرعوب نہ کر سکے گا۔

☆- اے کربلا! یہ وہ اسلامی جرنیل ہے جو تنہا پچاس ہزار کے لشکرِ یزید سے تین دن بھوکا پیاسا رہ کر لڑے گا۔

☆- اے کربلا! تمام اعوان و انصار اور شجاعانِ اہلِ بیت کو فرما دے گا کہ تم سب میدانِ کربلا سے چلے جاؤ۔ حسین (رضی اللہ عنہ) اس معرکہ میں تمہاری امداد کے محتاج نہیں۔

؎ یہ سفر ہے کوئے جاناں اور قدم قدم بلائیں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

☆- اے جنو اور فرشتو! میں تم سے زیادہ قدرت رکھتا ہوں۔ میں اس معرکہ میں تمہاری امداد کا محتاج نہیں۔

☆- اے کربلا! مجھے تو بھوکا پیاسا، رہ کر بھانجوں، بھتیجوں بیٹوں اور اعوان و انصار کی قربانیاں دے کر اپنی بہنوں، بیٹیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کے مصائب و شدائد کو دیکھنا ہے۔ اپنے جوانوں کی لاشیں اپنے کندھوں پر اٹھانی ہیں۔

☆- اے کربلا! اُپنے شیر خوار بچوں کی قربانیاں پیش کر کے یہ معرکہ سر کرنا ہے۔

☆- اے کربلا! میری موت، موت نہیں حقیقت میں حیاتِ ابدی ہے۔

☆- اے کربلا! یزید کی بادشاہی نہیں بلکہ تباہی ہے۔

☆- اے کربلا! یزید کی حیات نہیں بلکہ ابدی موت ہے۔

☆- اے کربلا! یہ ہاشمی اور اُمویوں کا نہیں بلکہ حق و باطل کا معرکہ ہے۔

☆- اے کربلا! یہ وہی معرکہ ہے جو میرے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے لڑا۔

☆- اے کربلا! یہ وہی معرکہ ہے جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے فرعون سے لڑا۔

☆- اے کربلا! یہ وہی معرکہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت سے لڑا۔

☆- اے کربلا! یہ وہی معرکہ ہے جو خاتم المرسلین نے ابوجہل عتبہ، ابوسفیان و دیگر قریشِ مکہ اور یہود و نصاریٰ سے لڑا۔

☆- اے کربلا! یہ وہی معرکہ ہے جو آج نواسۂ رسول میدانِ کربلا میں یزید پلید سے لڑ رہے ہیں۔

☆- اے کربلا! یہ جنگ خاندانی اور خلافت و امامت کیلئے نہیں کیونکہ امامت اور خلافت ان کے گھر کی ہے۔ اس لئے یہ کفر و اسلام، نور و ظلمت کی جنگ ہے۔ صدق و کذب، حق و باطل اور مومن و منافق کی جنگ ہے۔

☆- اے کربلا! گلشنِ اسلام کو پانی سے نہیں خون سے سینچا جاتا ہے۔

☆- اے کربلا ! اسلام کی عظمت کیلئے اپنے بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں اور بھائیوں کی قربانی پیش کی جاتی ہے۔

☆- اے کربلا ! گلشنِ اسلام کی حفاظت دیواروں کے سایہ میں نہیں بلکہ تلواروں کے سایہ میں کی جاتی ہے۔

☆- اے کربلا! دورِ مستقبل خود بتائے گا کہ حسین رضی اللہ عنہ زندہ ہیں یا یزید۔

بقولِ شاعر!

؎ قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

؎ جیوؔ تو ایسے کہ ہر شخص احترام کرے
مرو تو ایسے کہ دشمن تجھے سلام کرے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆- اے کربلا! اس مکہ و مدینہ کے مکرم مہاجر نے تجھے آرام گاہِ عالم بنادیا۔

☆- اے کربلا! اس معظم مجاہد نے تجھے ہمیشہ کیلئے نوازا، اور تو زیارت گاہِ عالم بن گئی۔

☆- اے کربلا! اس معزز مہمان نے تجھے روشن و منور فرمادیا۔

☆- اے کربلا ! یہ مطہر مہمان اپنے مظلوم قافلہ کو لے کر تیرے سینہ پر آباد ہو گیا۔

☆- اے کربلا! یہ بے سروسامان ہے۔ ساتھ جوان بہنیں، بیٹیاں، بھانجیاں

بھتیجیاں بھائی، بیٹے، بھانجے اور بھتیجے ہیں۔ یہ تیرے معزز مہمان تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں تو ان کیلئے مکہ معظمہ کی طرح آبِ زمزم کے چشمے کیوں جاری نہیں کر دیتی؟ آخر یہ بھی تو اسی ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں۔

☆- اے کربلا! یہ تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں تو ان کیلئے فردوسِ جناں کیوں نہیں بن جاتی؟ تا کہ یہ تیرے اثمار (پھلوں) سے شکم سیر ہو سکیں۔

☆- اے کربلا! کس قدر شدت کی گرمی پڑ رہی ہے تیری گرمی اہلِ بیت کے بچوں اور بچیوں کو جھلسا رہی ہے۔ تجھے رحم نہیں آتا کہ ان پر ٹھنڈی ہوا چھوڑ دوں تا کہ یہ سکون سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

☆- اے کربلا! تیرا ہر اک ذرّہ شعلہ بنا ہوا ہے جو جوانانِ اہلِ بیتِ مُقدّس کے قدموں کو جلا رہا ہے۔

☆- اے کربلا! سنا ہے کہ تو فرزندانِ رسول اور دخترانِ رسول کی گرم جھونکوں سے خدمت کرے گی۔ ان کی مقدس سانسوں سے برودت (ٹھنڈک) حاصل کرے گی اور تیرے سینہ پر فرزندِ رسول ﷺ کا خون بہایا جائے گا۔

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
لیٹی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتول

☆- اے کربلا کی خاک! کیا تو چاہتی ہے کہ تیرے ہولناک ریگستانی جنگل

میں جوانانِ حسینی ذبح کیے جائیں؟

☆- اے کربلا! کیا تو چاہتی ہے کہ آلِ رسول رضی اللہ عنہم کو آبِ فرات کا قطرہ بھی نہ پلایا جائے؟

☆- اے کربلا! کیا تو چاہتی ہے کہ دخترانِ رسول رضی اللہ عنہن کا قافلہ بے سروسامان اور بھوکا پیاسا قیدی بنا کر کوفہ لے جایا جائے؟

☆- اے کربلا! افسوس صد افسوس کہ میں تجھ سے خطاب کر رہا ہوں مگر تو خاموشی سے سن رہی ہے۔ آخر جواب دے تیری کیا مرضی ہے؟ تیرے سینے پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ تو ٹَس سے مَس نہیں ہوتی۔ کیا تو اس میں خوش ہے؟

☆- اے کربلا! بیدار ہو کر دیکھ کہ تجھ پر کون آباد ہے؟

☆- اے کربلا! اُٹھ کر جلدی نواسۂ رسول کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کر اور دیکھ کہ تیرے سینہ پر یزید کا ٹڈی دل لشکرِ خونخوار فرزندِ رسول کو ذبح کرنے کیلئے کھڑا ہے۔

؎ تجھے ہو مرحمت اس وقت وہ جوشِ فدا کاری
تیری شعلہ فشانی سے ہو جل کر خاک ہر ناری

خدارا تیرا ہر ذرّہ فدا کارانِ حیدر ہو
غبار اُٹھ کر چھپا لے خیمہ ہائے آلِ اَطہر کو

حسینی مجاہد اور کربلا کا مکالمہ

☆- اے حسینی مجاہد! میں قربان جاؤں تیری صورت پر نثار تیری سیرت پر فدا تیری تقریر دل پذیر پر میں شیدا ہوں تیرے پاکیزہ خیالات و جذبات پر۔ تیری تقریر نے مجھے تڑپا اور لرزا دیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ کی زیارت فیضِ بشارت میں مصروف تھی۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں فرزندانِ رسول، دخترانِ بتول کی قدم بوسی حاصل کر رہی تھی اور انہیں اپنی داستانِ اندوہ غم سنا رہی تھی۔ مجھے فرصت نہ ملی کہ ان کی قدم بوسی کی سعادت چھوڑ کر تیری طرف متوجہ ہوتی۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں نے شہزادے کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کر دی ہے کہ آپ تا حشر مجھے رونق افروزی کا شرف عطا فرمائیں۔

ع بر کریماں کارہا دشوار نیست یعنی بزرگوں پر کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔

☆- اے حسینی مجاہد! میری درخواست کو قبول فرما لیا گیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! خدا کی قسم! میں امامِ بیکساں امام حسین رضی اللہ عنہ کی اور حسین رضی اللہ عنہ میرے ہو گئے۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں نار نہیں گلزار ہوں۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں جہنم نہیں، رشکِ فردوسِ جناں ہوں اور مجھے یہ

شرف حاصل ہے کہ میری سرزمین کا قدسی اب طواف کیا کریں گے۔

☆- اے حسینی مجاہد! میری خاک کو قدسی چوما کریں گے۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے میرے امام کے قدوم میمنت لزوم نے رشکِ عرش وکرسی بنا دیا۔ میرے سامنے ملائکہ کو جھکا دیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! میری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو متوجہ فرما دیا۔ میں حسینی قافلہ کو عاشقانہ نگاہوں سے تک رہی ہوں۔ تمام خدائی مجھے رشکِ رقابت سے دیکھ رہی ہے۔

☆- جب فرشتہ نے میری خاک اُٹھائی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس سے کس کا خمیر تیار ہوگا؟ میں گنہگار، سیاہ کار اور بدنصیب ہوں۔ میں دوزخ سے بدتر۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نے قبول نہیں فرمایا۔

☆- اے حسینی مجاہد! کیا اب میری بدنصیب خاک سے کسی اور نمرود، شداد، فرعون، ہامان، قارون یا ابوجہل کو پیدا کرنا ہے۔

☆- اے حسینی مجاہد! فرشتہ نے جواب دیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! اے خاکِ کربلا! مبارک ہو آج تیری خاک اس ذات کیلئے حاضر کرتا ہوں جس کی شہادت کی خبر انبیاء و مرسلین بیان فرما گئے اور خاتم المرسلین بھی دیں گے۔

☆- یہی مٹی لے کر دربارِ رسول ﷺ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوں گے اور اسی سے نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول کا خمیر تیار ہوگا۔

☆- اے حسینی مجاہد! یہ سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں اسی روز سے طالبِ حسین رضی اللہ عنہ ہوں اس لئے میں کہتی ہوں کہ میں حسین رضی اللہ عنہ کی اور حسین رضی اللہ عنہ میرے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے فخر ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ مجھ پر رونق افروز ہوں گے۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے انہوں نے مسجد بنا دیا مجھے فخر ہے کہ میرے سینہ پر فرزندِ رسول نماز پڑھاتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے ناز ہے کہ حضرت امام کے قدوم میمنت لزوم نے مجھے رشکِ فردوسِ جناں بنا دیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں ایک غم کدہ ہوں اور میری خاک غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں خوں کدہ بنی ہوئی ہے۔

☆- اے حسینی مجاہد! میرے ہر ذرّے نے ماتمی لباس پہن لیا اور ہر ذرّہ غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے یہ علم نہیں تھا کہ میرے سینے پر خاندانِ رسول ﷺ کا پانی بند ہو جائے گا اور ان پر پچاس ہزار کا یزیدی لشکر حملہ آور ہوگا۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں اب بھی خون کے آنسو، رو رہی ہوں اور تا قیامت غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں روتی رہوں گی۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے حضرت حُر، حضرت زہیر بن قیس، حضرت حبیب، حضرت بریر ہمدانی رضی اللہ عنہما کی لاشیں خاک پر تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بازو کٹتے نظر آتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے حضرت قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہم کے بے گوروکفن لاشے نظر آتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! علی اکبر رضی اللہ عنہ کی جوانی خاک میں ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے علی اصغر رضی اللہ عنہ آغوشِ حسین رضی اللہ عنہ میں حلقوم پر تیر کھاتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے فرزند رسول پچاس ہزار یزیدیوں میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے شمر مردود سینۂ حسین رضی اللہ عنہ پر خنجر اور تلوار چلاتا ہوا نظر آتا ہے۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے سرِ حسین رضی اللہ عنہ نیزے پر چڑھایا ہوا نظر آتا ہے اور حسین رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! میں دخترانِ رسول کے مظلوم قافلہ کو کوفہ کی گلیوں میں پابندِ زنجیر دیکھتی ہوں، مگر میں کیا کروں حکمِ مولیٰ اَز ہمہ اَولیٰ (اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں بہتر ہے)۔

☆- اے حسینی مجاہد! حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں امداد کیلئے

فرشتے اور جنات حاضر ہوئے مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی فوجی خدمات کو قبول نہ کیا۔

☆- اے حسینی مجاہد! آہ! دعا فرماتے ہیں کہ دشمن ہلاک ہو جائیں نہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یہاں چشمہ جاری ہو اور چمنستان بن جائے۔

☆- اے حسینی مجاہد! اور نہ فرشتوں کو کھانا لانے کا حکم فرماتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! آخر ساقیِ کوثر کے فرزند ہیں۔ ان کے ارشاد فرمانے سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا؟

☆- اے حسینی مجاہد! کیا ان کے نانا جان نے ہاتھوں کی اُنگلیوں سے دریا جاری نہ فرمائے؟

☆- اے حسینی مجاہد! کیا ان کے اشاروں سے بادل آ کر نہ برستے اور کھلتے تھے؟

☆- اے حسینی مجاہد! کیا ان کا حکم چاند اور سورج پر جاری نہ تھا؟

☆- اے حسینی مجاہد! کیا ان کا تھوڑا سا کھانا سینکڑوں آدمیوں نے نہ کھایا تھا؟

☆- اے حسینی مجاہد! آخر یہ اُسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔

☆- اے حسینی مجاہد! جب میں عرض کرتی ہوں تو فرماتے ہیں اے کربلا! یہ دارالحکومت نہیں بلکہ دارالامتحان ہے۔ میں سیدُ الشاکرین، امامُ الصابرین، سیدُ الشہداء کے لقب سے مُلقّب ہونا چاہتا ہوں۔

☆- اے حسینی مجاہد! مجھے تمام مصائب خندہ پیشانی سے جھیلنا ہیں اور نانا جان

کی اُمت کو پیکرِ صبر و رضا بن کر دکھانا ہے تو خاموشی سے حسین رضی اللہ عنہ کے صبر کا نظارہ کرتی رہ۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (البقرۃ :۱۵۳)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے''۔ آخر وقت آئے گا کہ اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پکار پکار کر یہ کہے گی۔

؎ سوکھا ہی جا رہا تھا یہ اسلام کا چمن
خوں دے کے اپنا کس نے بچایا تیرے بغیر؟ (مصحفِ ہمدم)

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! ہاں، یاد آگیا۔ تجھے تو معلوم ہی ہو گا کہ حضرت نوح علیہ السلام عالمگیر طوفان میں اپنی کشتی پر مسلمانانِ عالم کے ساتھ دورہ فرما رہے تھے اور تمام جہان کے کفار و مشرکین اور منافقین غرق ہو چکے تھے۔

☆- جب حضرت نوح علیہ السلام کربلا کے اسی میدان میں آئے۔ جہاں آج تیرا حسین رضی اللہ عنہ خیمہ زن ہے۔ کشتی رُک گئی۔ ہر چند چلانے کی کوشش کی مگر نہ چلی، آخر حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے مولا کریم! یہ میری کشتی یہاں کیوں رُک گئی؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا۔
اے نوح علیہ السلام! تمہاری کشتی خود بخود نہیں رُکی بلکہ ہم نے خود اسے روکا تاکہ آپ کو نواسہ رسول جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہا کا تعارف کرا دیں۔

☆- حسینی مجاہد! اے نوح علیہ السلام! یہ وہ مقامِ کربلا ہے جہاں آ کر کشتیِ اہلِ بیت ٹھہرے گی۔

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! اسی مقام پر میرے حسین رضی اللہ عنہ فرزندانِ رسول دلبندانِ بتول کے ساتھ بھوکے پیاسے رہ کر شہید ہوں گے اور ان کے لاشے کئی دن تک بے گور وکفن پڑے رہیں گے۔

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! یہی وہ جگہ ہے جہاں دخترانِ رسول کی چادریں چھینی جائیں گی اور خیموں کو نذرِ آتش کر دیا جائے گا۔

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! شہداء کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا جائے گا۔

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! اے نوح علیہ السلام! یہ وہ جگہ ہے جہاں میرا حسین رضی اللہ عنہ نیزے کی نوک پر چڑھ کر لوگوں کو قرآن سنائے گا۔

☆- حسینی مجاہد! اے کربلا! جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کیلئے فرشِ زمیں پر لٹایا اور ذبح فرمانے لگے تو خدا نے چھری کو حکم دیا کہ خبردار اسے ذبح نہ کرنا۔ اگر اسماعیل کا ایک بال بھی کٹ گیا تو تجھے ہمیشہ کیلئے نذرِ آتش کر دوں گا۔ میں نے ان کی اولاد سے اپنے محبوبِ معظم، خاتم المرسلین، رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانا ہے۔

☆- حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے فوراً جنتی دنبہ لا کر حاضر کر دیا۔ وہ ذبح ہو گیا۔ اس پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام رونے اور عرض کرنے لگے۔ اے مولا کریم: کاش یہ مقامِ شہادت میرے اسماعیل کو حاصل ہو جاتا۔

ربُّ العزت ﷻ نے فرمایا۔ اے ابراہیم علیہ السلام! تیرے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے میں حضور خاتم المرسلین اور ان کی دختر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بطنِ پاک سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو پیدا کروں گا۔ یہ مقامِ شہادتِ کبریٰ فضیلتِ عظمیٰ میں انہیں عطا کروں گا۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل (علامہ اقبالؒ)

وہ سرزمین کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے رہ کر فرزندان و اعوان کے ساتھ شہید ہوں گے وہی "ذِبحٌ عَظِیمٌ" کے لقب سے ملقب ہوں گے۔

سِرِّ ابراہیم و اسماعیل بود

یعنی ایں اجمال را تفصیل بود

خونِ اُو تفسیر ایں اَسرار کرد

ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

مدعائش سلطنت بودے اگر

خود نہ کر دی با چنیں سامانِ سفر (علامہ اقبالؒ)

☆- ترجمہ: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانیوں کا راز ہیں۔

گویا کہ وہ اجمال تھے اور آپ تفصیل ہیں۔

☆ - حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا خون دے کر ان رازوں کی تفسیر بیان فرمائی۔
سوئی ہوئی قوم کو جگایا۔

☆ - اگر مقصد بادشاہت حاصل کرنے کا ہوتا۔
آپ خود اس طرح کے سفر کی تیاری نہ فرماتے۔

☆ - حسینی مجاہد: اے کربلا! تجھے یاد ہوگا اگر تو بھول چکی ہے تو میں تجھے ابھی یاد کراتا ہوں۔

ے مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا
تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ایک بار میں ابا جان کے ساتھ آیا تھا وہ یہاں رونے لگے۔ آپ کی محاسن شریف (داڑھی مبارک) تر ہوگئی۔ میں نے عرض کیا یَـــا اَمِـیْـرَ الْـمُـؤْمِـنِـیْـن ! اس قدر رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا بیٹا یہ مقتلِ حسین رضی اللہ عنہ ہے۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں کی مٹی حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میدانِ کربلا کی خاک ہے جہاں تیرا نواسہ حسین رضی اللہ عنہ تین دن بھوکا پیاسا رہ کر فرزندان و اعوان کے ساتھ شہید ہوگا۔

بیٹا! میں اسی منظر کو آج دیکھ کر رو، رہا ہوں۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں تیرا خیمہ لگے گا۔

پھر مجھے تمام خاکہ سمجھایا گیا کہ یہاں فلاں شہید ہوگا اور یہاں فلاں شہید اس جگہ اے حسین رضی اللہ عنہ! تو شہید ہوگا۔ اے مجاہد! اب تو بتا جو کچھ میں نے کہا ٹھیک ہے یا غلط؟

؎ دیکھی تھی فرشتوں نے نبی کی معراج
تو آج یہاں دیکھے گی معراجِ حسین (رضی اللہ عنہ)

☆- حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ): اے کربلا! دراصل تو مقامِ شہادت کی لذت سے بے خبر ہے اگر تو اس لذت سے آشنا ہوتی تو بخدا میرے دربار میں اس قسم کی گزارشات پیش کرنے کی ہمت نہ کرتی۔

اری یہی گزارشات تو اہالیانِ مکہ معظّمہ کرتے تھے۔ آپ کربلا کا سفر اختیار نہ کریں۔ یہی بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ آپ کربلا کا سفر نہ کریں اگر سفر کرنا ہی ہے تو ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور آپ کے لشکری بن کر ہمراہ چلتے ہیں۔ تاکہ یزید کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے مگر میں نے انہیں یہ جواب دیا کہ میں اس سفر پر مجبور ہوں۔ میں سفر حکمِ الٰہی کے تحت کر رہا ہوں۔ حکمِ مولےٰ از ہمہ اَولیٰ:

اے کربلا! یہ وہ مقامِ شہادت ہے جسے حاصل کرنے کیلئے خود میرے نانا جان بے تاب رہتے اور فرمایا کرتے تھے۔

ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ۔ (مشکوٰۃ باب الجہاد: ۳۲۹)

ترجمہ: ''الٰہی! میں تیری راہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں''۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ع لذت مے نشناسی بخدا تانہ چشی

ترجمہ: خدا کی قسم جب تک تو نے شراب چکھی نہ ہو اس وقت تک شراب کی لذت نہیں جان سکتا۔

☆- ایک بار میرے نانا جان عیدِ قربان کے موقع پر سات گائیں اپنے دستِ اقدس سے ذبح فرمانے لگے۔ جب چھری ہاتھ میں لی تو ہر ایک گائے نے چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ دی۔ وہ اُس سے آگے اور وہ اُس سے آگے۔ ہر ایک ذبح ہونے کیلئے یہ عرض کرتی تھی۔

؎ ہر اک کی آرزو تھی پہلے مجھ کو ذبح فرمائیں
تماشہ کر رہے تھے مرنے والے عیدِ قرباں میں (شاہنامۂ اسلام)

حسین (رضی اللہ عنہ): اے بے خبر کربلا: تو مجھے جس مقامِ شہادت کے حصول سے روکتی اور کہتی ہے کہ

☆- حضور دعا فرمائیں تا کہ مجھ میں چشمے جاری ہو جائیں۔ میں اس ٹھنڈے میٹھے پانی سے اپنے مقدس مہمانوں کی پیاس بجھاؤں۔

☆- حضور دعا فرمائیں! تا کہ مجھ میں باغات پیدا ہو جائیں۔ میں جن سے اپنے مقدس مہمانوں کی بھوک کو رفع کر سکوں۔

☆- حضور دعا فرمائیں! تا کہ میرے ذرّات برف بن جائیں۔ میں اپنے مقدس مہمانوں کے قدوم میمنت لزوم کو ٹھنڈک پہنچا سکوں۔

حسین (رضی اللہ عنہ): اے کربلا! میں نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول ہوں۔ میری ہر دعا قبول ہو سکتی ہے۔ میرے نانا جان نے فرمایا۔

لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ (حدیث قدسی)

ترجمہ: ''اگر اللہ والا کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو خدا اس کی رضا کے مطابق ہی کر دیتا ہے''۔

جو میں چاہوں وہی ہو سکتا ہے۔ میری رضا رضائے خدا عزوجل اور رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَکُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث قدسی)

یعنی تمام کائنات میری رضا چاہتی ہے اور میں اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی رضا چاہتا ہوں۔

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ے خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمد (ﷺ) (حدائق بخشش)

حسین (رضی اللہ عنہ): اے کربلا! میرا وقت ضائع نہ کر۔ ابھی مجھے بڑے بڑے پروگرام مرتّب کرنے ہیں۔ صرف آخری ارشاد کرتا ہوں۔ وہ سن پھر جو میرے خالق و مالک کو منظور۔

ے بگڑی بھی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ): میرے نانا جان نے فرمایا "جب کوئی مجاہدِ اسلام شہید ہوتا ہے تو فوراً بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے"۔

ربُّ العزت عزوجل پوچھتا ہے کہ اے شہید! بتا اب تجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ شہید عرض کرتا ہے۔ مولیٰ کریم! میں کیا بتاؤں؟ یہاں تیری رحمت سے سب کچھ ہے۔ پھر پوچھتا ہے؟ وہ یہی جواب دیتا ہے۔ جب پھر پوچھتا ہے؟ کہ اے شہید! بتا تو سہی تیری کوئی اور تمنا ہے؟ آخر شہید عرض کرتا ہے مولیٰ کریم مجھے مقتل (میدانِ کربلا) میں دوبارہ بھیج تا کہ میں وہی منظر (شہادت)

دیکھوں۔ بار بار تیری راہ میں مقامِ شہادت حاصل کروں۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ): اے کربلا! یہ وہ مقامِ شہادت ہے جس کی تمنا انبیاء و مرسلین کرتے رہے۔

☆- جس کی تمنا خود رحمۃ للعلمین فرماتے رہے۔

☆- جس کی تمنا نے مجھ سے مدینہ طیبہ سے ہجرت کروائی۔

☆- جس کی آرزو نے مجھ سے نانی اماں اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا جدائی ڈالی۔

☆- جس کی تمنا نے مجھے کعبہ معظّمہ کا حج نہیں کرنے دیا۔

☆- جس کی آرزو میرے تمام عزیزان و اعوان کو شہید کرائے گی۔

☆- جس کی تمنا اور خواہش میں میں اپنے جوان بیٹوں بھانجوں، بھتیجوں، بھائیوں اور دوستوں کی لاشیں ہنس ہنس کر میدانِ کربلا سے اُٹھا اُٹھا کر لاؤں گا۔

☆- جس کی خوشی میں میں تمام مصائب ہنس ہنس کر برداشت کروں گا۔

☆- وقتِ شہادت میرے جسم پر خرگوش کے بالوں سے بھی زیادہ زخم ہوں گے۔ میں انہیں خدا کے انعامات خیال کروں گا۔

☆- میں اس لذتِ شہادت کو جنت میں جا کر بھی یاد کروں گا کہ اے مولیٰ! مجھے اجازت دے تاکہ میں فوجِ یزید پلید سے جا کر میدانِ کربلا میں حرمت ناموسِ رسالت اور عظمتِ اسلام کیلئے جنگ کروں اور اپنے فرزندان و دلبندان کو شہید ہوتے ہوئے دیکھوں۔

☆- ان کی لاشوں کو اُٹھا اُٹھا کر خیمہ کے سامنے رکھوں۔

☆- عباس کے بازو کٹتے ہوئے دیکھوں۔

☆- قاسم کو فرشِ زمیں پر بے آب مچھلی کی طرح تڑپتے دیکھوں۔

☆- اکبر کو برچھی کھاتے دیکھوں۔

☆- علی اصغر (رضی اللہ عنہ) کے گلے پر تیر لگتے دیکھوں اور اسے اپنی گود میں جان توڑتے اور جان جانِ آفریں کے سپرد کرتے دیکھوں۔

☆- خود اپنے آپ کو حالتِ نماز میں سجدے میں گلا کٹاتے ہوئے دیکھوں۔

☆- نیزے پر چڑھ کر قرآن پڑھوں اور یہ نظارہ دیکھ کر اُمتِ محمدیہ ﷺ جھوم جھوم کر اور پکار پکار کر کہے۔

؎ قرآں کو منبروں پہ سنایا گیا مگر
نیزے پہ کس نے چڑھ کے سنایا تیرے بغیر (مصحفِ ہمدم)

اس نواسے پر محمد مصطفیٰ کو ناز ہے
اس کی ہمت پر علی شیرِ خدا کو ناز ہے

سجدے اوروں نے کیے اس کا نیا انداز ہے
اس نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

اے کربلا! میرے یہاں آنے کے یہ اَسرار (راز) ہیں جو میں نے مختصر

بیان کر دیئے ہیں۔ چند دن ہوئے خود نانا جان بھی مجھے اس شہادتِ عظمیٰ کی بشارت دے چکے اور میرے حق میں یہ دعا بھی فرما چکے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا۔

یعنی اے اللہ حسین (رضی اللہ عنہ) کو بہترین صبر اور بدلہ عطا فرما۔ آمین۔

اِجابت نے جھک کے گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (حدائق بخشش)

میں شہادت کیلئے اس طرح بے چین ہوں جس طرح کئی دن کا بھوکا اور پیاسا کھانے اور پینے کیلئے بے چین ہوا کرتا ہے۔

میرے نانا جان کا چمن اسلام خشک ہو کر بالکل مرجھا چکا تھا۔ میں اسے اپنے عزیزوں کے خون سے آبیاری کرنے آیا ہوں۔

سوکھا ہی جا رہا تھا یہ اسلام کا چمن
خون دے کے کس نے اپنا بچایا تیرے بغیر (مصنف ہمدم)

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

ربُّ العزت عزوجل نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے۔
جن میں ایک یوسف علیہ السلام بھی تھے۔ ان سے آپ بہت پیار کرتے۔ دوسرے
بیٹوں کو حسد ہوا کہ اگر انہیں شہید کر دیا جائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام ہم سے ہی
محبت فرمایا کریں گے۔
باپ سے سیر کی اجازت طلب کی آخر اجازت مل گئی۔ حضرت
یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین اور ان کی بہن زینب باہر تک
چھوڑنے آئے۔ پھر غروبِ آفتاب تک راستے پر ہی بیٹھ کر انتظار کرتے رہے۔
عشاء کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی روتے ہوئے پریشان حال آئے
اور ایک خون آلودہ قمیص پیش کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیا کھا گیا۔
یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین اور زینب پر غشی طاری ہو گئی۔
اصل قِصّہ یہ تھا کہ بھائیوں نے پہلے تو شہید کرنے کا ارادہ کیا مگر جب حضرت
یہودا مخل ہوئے تو ایک تاریک کنویں میں گرا آئے۔ تین دن تک رات کو یہودا
ملنے کیلئے جاتے رہے۔ اچانک ایک سوداگر آیا اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو

نکال لیا۔ صبح آ کر بھائیوں نے سوداگر کو آ گھیرا آخر چند کھوٹے درہموں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو سوداگر کے پاس فروخت کر دیا۔

سوداگر مصر لے گیا اور وہاں اس نے بھی فروخت کر دیا۔ عزیز مصر نے بہت سی دولت خرچ کر کے خرید لیا۔

حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا جو آپ کی محبت میں شیدائی اور عرصہ طویل سے تمنائی تھی۔ وہ تلاشِ یوسف ہی کے بہانہ شادی کروا کر مصر آئی تھی۔ اس کے پاس رہنے لگی۔ وہ آپ کی خاطر تواضع کرتی۔

آہستہ آہستہ شہر میں شہرت ہوگئی کہ زلیخا تو یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوگئی۔

پھر زلیخا نے ایک دن تمام امیرزادیوں کی دعوت کر دی۔ وہ کھانا کھا کر لیموں (پھل) کاٹ رہی تھیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا گیا۔ جب آپ تشریف لائے اور آتے ہی نقاب اُٹھا دیا بس پھر کیا تھا تمام نے لیموں کاٹنے کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور بے ہوش ہوگئیں اور کہنے لگیں۔

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ (یوسف: ۳۱)

ترجمہ: یہ تو جنس بشر سے نہیں۔ یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔ (کنزالایمان)

خدا کی شان زلیخا کے دل میں کچھ نفسانی خواہش پیدا ہوئی۔ اُس نے اپنی خواہش کا اظہار ایک مکان کا دروازہ بند کر کے کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے جو بھاگے تو تمام دروازے خود بخود کھل گئے۔ دروازے پر عزیز مصر

بولا۔ یہ کیا بات ہے؟ بولی یہ میری بابت برا ارادہ کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی شہادت اس بچہ نے دی جو زلیخا کی گود میں تھا۔ پھر آپ بارہ سال قید خانہ میں رہے وہاں تمام قیدی مسلمان ہو گئے۔ جب آپ رہا ہوئے تو تمام قیدیوں کو بھی رہا کر دیا گیا۔ پھر آپ ظاہری حکومت کے شہنشاہ بادشاہِ مصر بن گئے۔

جب قحط پڑا تو اعلان کر دیا گیا کہ شاہِ مصر مفت غلہ عطا فرماتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ لینے مصر آ گئے۔ آپ نے انہیں بہت سا غلہ مفت عطا فرما دیا اور دوبارہ آتے وقت بنیامین کو بھی لانے کا حکم دیا۔ جب وہ بنیامین کے ہمراہ آئے تو آپ نے اسے کسی بہانہ سے اپنے پاس رکھ لیا آخر حکم اظہار ہوا تو بھائیوں نے معافی مانگی۔ آپ نے بھائیوں کو معاف کر دیا۔

چالیس سال کی جدائی کے بعد جب آپ اپنے والدِ حقیقی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے تو سب رنج والم دور ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کو تخت پر بٹھایا اور بہت کچھ خوشی میں مال و زر صدقہ فرما دیا۔ یہ چالیس سال کا بہت بڑا امتحان تھا جسے عوام وخواص کتابوں میں پڑھ کر زاروقطار رونے لگتے ہیں۔

"حسین" رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں

مگر ہمارے "یوسف" حضرت امام عرش مقام رضی اللہ عنہ کے درد انگیز اور محشر خیز واقعات ایسے ہیں جو حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے حالات سے بھی کہیں زیادہ درد انگیز ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو جنگل میں تنہا رہے اور پھر کنویں میں رہ کر کچھ دنوں کے بعد مصر پہنچ گئے۔ تکالیف جھیل کر مصر کے شہنشاہ بن گئے مگر ہمارے امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں اپنے بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں اور بھائیوں سمیت ایسے آئے کہ ابدی نیند وہاں ہی سو گئے۔ اور مقام شہادت عظمٰی حاصل کر کے سید الشہداء کہلائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قافلہ مصر میں پہنچا تو اس وقت تمام مصر کی سڑکوں پر جلوس کیلئے چھڑکاؤ ہو چکا تھا۔ تمام شہر کو جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ اس قافلہ کیلئے خزانہ کے منہ کھول دیئے گئے۔ جگہ جگہ دودھ اور شربت کی سبیلیں قائم تھیں۔ دولت لٹائی جا رہی تھی۔ آخر مصر میں یہ یعقوبی قافلہ بڑی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے داخل ہوا۔ لاکھوں فوجی، سپاہی رضا کار اور عوام و خواص سلامی کیلئے کھڑے ہوئے تھے۔

مگر جب حضرت زینب دخترِ رسول رضی اللہ عنہا کا قافلہ کربلا سے قید ہو کر چلا تو اس کا سالار بیمار عابد تھا، جو کئی روز سے نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہا تھا۔ اسے بھی زنجیر بستہ کر لیا گیا۔

سیدہ زینب اور اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہما کو بھی قیدی کر کے اونٹوں پر بٹھا رکھا تھا۔ ایسی مقدس ہستیاں جن کے مقدس چہروں کو کبھی سورج نے بے نقاب نہ دیکھا۔ آج وہ کھلے منہ قید ہو کر شام کو جا رہی تھیں۔ ان کے سامنے بھائیوں، بیٹوں، بھانجوں اور بھتیجوں کے سر نیزوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ یزیدی مردود باجے بجاتے، خوشیاں مناتے، بھنگڑا ڈالتے اور شور شرابا کرتے ہوئے فرزندِ رسول مردہ باد (معاذ اللہ) کے نعرے لگاتے جا رہے تھے۔

☆ - مظلوم بہن جب مظلوم بھائی حسین اور ننھے ننھے عون و محمد رضی اللہ عنہم کے سروں کو نیزوں پر دیکھتی ہو گی تو کیا دل پر چھریاں نہ چلتی ہوں گی؟

☆ - جب حضرت علی اکبر اور حضرت قاسم کے سروں کو نیزوں پر دیکھتی ہو گی تو ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہو گی؟

☆ - جب بے کس و مظلوم قافلہ کو کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا جا رہا ہو گا تو کیا اس وقت زمین و آسمان نہ روتے ہوں گے؟

☆ - کیا عرش و کرسی، لوح و قلم نہ کانپتے ہوں گے؟

☆ - کیا اس وقت حورانِ بہشت اور ملائکہ میں حشر برپا نہ ہو گا؟

☆ - آخر یہ کہنا پڑے گا کہ یوسفی اور حسینی امتحان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ کنعانی زینب اور مدنی زینب کے امتحانات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا شام کی عورتوں سے مکالمہ

سوال: شام دیاں آپچھیا بیبیاں کیتی کدھر تیاری؟
مندڑے حال ہوئے کیوں تیرے دس حقیقت ساری؟

جواب: آکھیا میرا نام ہے زینب میں کیہہ حال سناواں؟
دس والی گل نہ کوئی گل کراں شرماواں؟

سوال: نام زینب دا سن کے بیبیاں پھر اے عرض سنائی؟
اک زینب سی بہن یوسف دی یعقوب نبی دی جائی؟

جواب: آکھیا اوہ سی ہور زینب میں ہور دکھاندی ماری
بی بی زینب رو، رو کے ایہہ گل سنائی ساری

اوہ بہن یوسف یعقوب جائی کہلاون والی زینب
میں علی جائی تے حسین دی بہن سداون والی زینب

اوہ اک بھرا دے وچھڑن تے کرلاون والی زینب
میں باپ دے سارے کنبے داغم کھاون والی زینب

اوہ نال آرام دے سُتی سی جدوں یوسف کھوہ وچ پایا
میرا چین تے سب آرام گیا جدوں وقت بھرا تے آیا

اوس وِیر دے درداں والی نے گھروں پیر نہ باہر پایا
میں نال حسینؓ دے کربل دے وچ جاون والی زینب

اِک اَئی بدلے یوسف نوں لوکاں نے تُلدیاں تکیا
میں اکھیں لاش حسین دی نوں وچ خاک دے رلدیاں تکیا

اوہنے باپ اپنے نوں یوسف دے وچ غم دے ڈھلدیاں تکیا
میں اکبر اصغر پھُلاں نوں دفناون والی زینب

اوہ زینب یوسف دے غم وچ روندی سی اندر وڑ کے
میں وِیر حسین دی لاش اُتے راتیں پہرہ دِتا کھڑ کے

اوہ وِیر نوں ملنے مصر گئی عماریاں اُتے چڑھ کے
میں قیدی شام نوں پیدل ٹُر کے جاون والی زینب

کی ہویا جے باراں وِچوں اِک وِیر گوا کے بہہ گئی
میں نانے پاک محمدؐ دا کنبہ ہی گوہا کے بہہ گئی

اوہ زینب اپنے باپ دے نال دُکھ درد، ونڈا کے بہہ گئی
کلّی میں بہتر لاشاں نوں دفناون والی زینب

(زینب دا سوہنا وِیر)

پیکرِ صبر ورضا رضی اللہ عنہا

☆- بیشک حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ستایا۔

☆- ان کے مقدس چہرے پر تھپڑ مارے۔

☆- ان کے قتل کے درپے ہوئے اور انہیں اندھے کنویں میں گرایا۔

☆- انہیں چند کھوٹے درہموں کے بدلے فروخت کیا۔

☆- انہیں سوداگر نے زنجیر بستہ کر کے اونٹ پر سوار کیا۔

☆- انہیں بازارِ مصر میں فروخت کیا گیا۔

☆- انہیں حضرت زلیخا نے ایک محفوظ مکان میں لے جا کر اپنی خواہشاتِ نفسانی کے ذریعے لبھانا چاہا اور عزیز مصر سے غلط بیانی کر کے قید کروایا۔

☆- قید میں رہ کر طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔

☆- آخر کار آپ ہی شہنشاہِ مصر ہوئے۔

☆- بھائی درِ یوسفی پر محتاج بن کر آئے اور سائل ہوئے۔

☆- آخر حضرت یوسف علیہ السلام نے بصد شان وشوکت بادشاہی کی اور اپنے بھائیوں کو معاف فرما کر بہن اور والدین کو اپنے پاس بلالیا۔

☆- یہ تمام مظالم جو حضرت یوسف علیہ السلام پر کیے گئے حضرت زینب بنت یعقوب رضی اللہ عنہا نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے مگر دخترِ رسول، جگر پارۂ بتول حضرت سیّدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ، مکہ معظمہ سے کربلا، کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق اور دمشق سے لے کر پھر مدینہ منورہ

تک اپنے بھائی جان حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

تمام مصائب و شدائد اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ان تمام تکالیف کو برداشت کیا اور ہر حال میں صبر و شکر اور رضا و وفا کی پیکر بن کر رہیں۔ ہر مصیبت پر سجدۂ شکر ادا کیا اور بچوں، جوانوں کی زبانوں سے اَلْعَطَش اَلْعَطَش کی صدائیں سنیں۔

حبیب بن مظاہر، زہیر بن قیس، حر بن ریاحی، بریر ہمدانی، مسلم بن عوسجہ اور وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کو فرشِ زمیں پر زخموں سے چور چور ہو کر تڑپتے دیکھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بازو کٹے ہوئے بے گور و کفن دیکھا۔

ننھے ننھے عون و محمد کو میدانِ کربلا میں اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے دیکھا۔

مسلم بن عقیل کے فرزندوں اور عقیل رضی اللہ عنہم کے جواں بیٹوں کو شہید ہوتے دیکھا۔

جوان علی اکبر کو برچھی کھاتے ہوئے دیکھا۔ ”یَا اَبَاهُ اَدْرِکْنِی“ کی آواز اپنے کانوں سے سنی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر لاشیں اُٹھاتے ہوئے دیکھا۔

قاسم و عبداللہ کو زخمی ہوتے ہوئے اور ہزاروں تلواروں میں گھرا ہوا دیکھا۔

میدانِ کربلا سے ان کی لاشیں آتی ہوئی دیکھیں۔

علی اصغر کو تیر کھاتے ہوئے اور آبِ کوثر سے پیاس بجھاتے ہوئے دیکھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار یزیدیوں میں گھرا ہوا دیکھا۔

ان پر تیروں، تلواروں، نیزوں، بھالوں اور پتھروں کی بارش ہوتی ہوئی دیکھی۔

بھائی کو زخموں سے چور چور ہو کر بھی جنگ کرتے اور گھوڑے سے نیچے گرتے ہوئے دیکھا۔

☆- شمر کو سینہ پر چڑھا ہوا دیکھا اور حالتِ نماز میں بھائی کو گلا کٹاتے ہوئے دیکھا۔ (جب وہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا بارگاہِ ایزدی میں ہدیہ تسبیح پیش کر رہے تھے)۔ حسینی خیموں کو آگ سے جلتے ہوئے دیکھا۔

☆- مظلوم بیبیوں کو خیموں سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

☆- بھائی کی لاش اور دیگر شہدائے کربلا کے لاشوں کو پامال ہوتے ہوئے دیکھا۔

☆- اور سروں کو نیزوں پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔

☆- الغرض ایسے مناظر دیکھے جن کو زبان بیان کرنے سے قاصر اور قلم لکھنے سے عاجز ہے۔

☆- آخر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی حالتِ مصیبت دیکھ کر خود امام حسین رضی اللہ عنہ بھی پکار اُٹھے۔

ے بے شک بتول اور علی کی تو پالی ہے
ہر حال میں حسین ک غم کھانے والی ہے

☆- جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ جاتے ہوئے بھائی کی لاش کو میدانِ کربلا میں دیکھا کہ بغیر سر کے لاش بے گور و کفن پڑی ہے تو مدینے کی طرف منہ کر کے کہا۔

ے میرا لکھاں توں ودھ حسین اِکو اوہ وی کربلا وچہ کہان والی
سبھ کجھ وار کے نانے دے دین اتوں اللہ پاک دا شکر بجان والی

حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت شعیب علیہ السلام اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بت پرست ہی نہیں بلکہ لین دین میں بھی ناانصافی کیا کرتے تھے۔ کھوٹے روپے اور کھوٹی اشرفیاں چلانے کے علاوہ مسلمانوں کا راستہ بھی قطع کیا کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام انہیں بت پرستی اور افعالِ بد سے منع فرماتے مگر وہ لوگ باز نہ آتے۔ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور باقی کفر پر اڑے رہے۔

لوگ دور دراز سے آپ کے مواعظِ حسنہ سننے آتے تو یہ لوگ ان کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکاتے اور انہیں آنے سے روکتے، جو لوگ مسلمان ہوتے ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کرتے اور کہتے کہ اگر آپ پیغمبرِ خدا ہیں تو آپ اپنے خدا سے کہیں کہ وہ ہم پر عذاب نازل فرمائے اور ہمیں ہلاک کر دے۔

آخر ان کی زیادتی اور سختی دیکھ کر آپ نے ان کے حق میں دعائے ہلاکت فرمائی۔ ان پر سات دن اس قدر گرمی پڑی کہ وہ اپنے گھروں میں بھی اس کی تاب نہ لا سکے اور تنگ آ کر باغات میں چلے گئے۔ رب العزت نے ان کیلئے

ایک ایسی جہنمی باد (جہنم کی ہوا) بھیجی جس کی تپش سے کنوؤں کا پانی اُبلنے لگا اور وہ خود بھی دیگ کی طرح پکنے لگے۔

جبرائیل (علیہ السلام): اے حضرت شعیب علیہ السلام! اپنے تمام اہل وعیال اور نو مسلم افراد (جوان لوگوں کے ہمراہ مسلمان ہو گئے تھے) لیکر شہر سے باہر تشریف لے جائیں۔

شعیب (علیہ السلام): اے جبرائیل! شہر سے باہر نکلنے میں کیا حکمت ہے؟ بیان تو فرمائیں۔

جبرائیل (علیہ السلام): اے شعیب علیہ السلام! خدا کا حکم ہے کہ انہیں عذاب سے تباہ کیا جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور تمام مسلمانوں کو لے کر باہر نکلے تو کفار نے ہنسنا شروع کیا اور پوچھنے لگے۔

کفار: اے شعیب! خیر تو ہے آپ ان مسلمانوں کو لے کر مدین سے کہاں جا رہے ہیں؟

شعیب (علیہ السلام): اے کافرو! اب بھی وقت ہے توبہ کرلو اور ایمان لے آؤ ورنہ تم سب عذابِ الٰہی سے تباہ ہو جاؤ گے۔ کل صبح تم پر عذاب آئے گا۔

آخر صبح ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت تشریف لائے جب تمام مشرکین اپنے اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری۔ جس سے وہ تمام مشرکین سوتے ہوئے ہی ہلاک ہو گئے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام

حکمِ الٰہی سے اپنی بستی (مدین) میں تشریف لائے تو وہ آہستہ آہستہ اس سے بھی زیادہ آباد ہوگئی۔

آپ اپنی قوم کے غم میں ایسے روئے کہ آنکھوں سے بینائی ختم ہو گئی۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں آکر ٹھہرے تو آپ نے اپنی دختر صفورا کی شادی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کردی۔ (روضۃ الاصفیا)

خیامِ اہلِ بیت کی ترتیب

امام (رضی اللہ عنہ): بھیا عباس رضی اللہ عنہ ! اب تو فوجِ یزید کے افسر بہت خوش تالیاں بجاتے اور پھبتیاں اُڑاتے ہوں گے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اس قدر ہم سے مرعوب ہو گئے ہیں کہ تھوڑا سا رعب دکھانے سے ہی فوراً خیمے اُٹھا کر آبِ فرات سے دور جا کر نصب فرمالئے۔

وہ خوش ہو رہے ہوں گے کہ اب فرزندانِ رسول کو شہید کرنا بہت آسان ہو گیا۔ بھیا! ان کی بات کسی حد تک تو صحیح ہے۔ گرمی بڑی شدت سے پڑ رہی ہے اور میدانِ کربلا میں دور دور تک کوئی درخت نظر نہیں آتا۔ دوسرا ریگستانی علاقہ جو رات کو تو کسی حد تک ٹھنڈا ہو جاتا ہے مگر دن کو یہ آتش کدہ بن جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ مستورات اور بچے بھی ہیں۔ ان کا پیاس برداشت کرنا کسی حد تک

بہت دشوار ہے۔ مگر

ع سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

عباس: (ہنس کر) یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! اگر تھوڑی دیر آپ تشریف نہ لاتے شمشیرِ عباس چلنے ہی والی تھی کہ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا۔ حضور ان کے دم تو ویسے ہی خشک ہو رہے تھے اور وہ اس طرح کانپ رہے تھے جیسے شیر کے آگے بکری کانپتی ہے۔ وہ پھبتیاں کیا کستے ہوں گے؟ وہ تو حضور کا ہزار ہا بار شکریہ ادا کرتے ہوں گے کہ اگر فرزندِ رسول رضی اللہ عنہ تشریف نہ لاتے تو ہمیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ راہِ عدم دکھا کر کب سے واصلِ جہنم فرما دیتے۔ اگر حضور نہ فرماتے تو ہم خیمے کب وہاں سے اُٹھانے والے تھے خواہ ان کا گورنر کیوں نہ آ جاتا۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے عباس رضی اللہ عنہ! خیموں کی ترتیب بہت ہی اچھی ہے۔ تمام خیمے اس طرح نظر آئیں جیسے ایک مضبوط قلعہ، اندر آنے اور باہر جانے کا راستہ بھی ایک ہو۔ یہ سب سے اچھا ہوا کہ خیموں کے چاروں طرف خندق کھود کر لکڑیاں بھر دی گئیں۔ بوقتِ ضرورت ان کو آگ لگا دی جائے گی اور ہم خیامِ اہلِ بیت سے بے فکر ہو کر دشمنوں سے معرکہ کریں گے۔

زینب: بھائی جان! سنا ہے کہ آپ کو عمرو بن سعد کمانڈر لشکرِ یزید نے بلایا تھا کہ آؤ مسئلہء بیعت پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ ہاں بھیا عمرو سے کیا بات چیت طے پائی؟

امام (رضی اللہ عنہ): ماں جائی! آپ کو تو معلوم ہے کہ ان کے دلوں سے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکل چکی اور محبتِ اہلِ بیت ختم ہو چکی ہے۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں۔ یزید نے اسے حکومت دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ اسی حرص میں اندھا ہو رہا ہے۔

؎ اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند!
روز و شب در چق چق و در بق بق اند

ترجمہ: ''دنیا دار ہر لحاظ سے منکر ہیں۔ دن رات فضول کاموں اور باتوں میں مشغول رہتے ہیں''۔

مجھے بیعتِ یزید کیلئے مجبور کرتا اور کہتا ہے کہ خدارا آپ بچوں اور مستورات پر رحم فرمائیں۔ تمام فرزندانِ رسول اور دخترانِ بتول پیاس سے مرجھا جائیں گے۔ گرمی کا موسم ہے۔ میدانِ کربلا ایک آتش کدہ بنا ہوا ہے بہن میں نے صاف انکار کر دیا اور ان سے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ بلایا گیا ہوں۔ یہ دیکھو میرے پاس تمہارے ایک ہزار سے زائد مہر شدہ خطوط موجود ہیں۔ پہلے تم نے ہماری بیعت کر لی پھر بھیا مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے بچوں کو شہید کر ڈالا۔

(i) اب ایک ہی صورت ہے کہ تم مجھے اجازت دو تاکہ میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں جا کر آباد ہو جاؤں۔

(ii) اگر پھر بھی تمہیں کوئی خطرہ ہے تو میں اپنے بچوں کو لے کر کسی اور ملک میں آباد ہو جاؤں گا۔

(iii) اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر مجھے کسی جنگی محاذ پر بھیج دیا جائے۔

(iv) اگر یہ بھی منظور نہیں تو مجھے یزید کے پاس بھیج دو میں خود مسئلہءِ بیعت پر اس سے گفتگو کر لوں گا۔

عمرو نے عبید اللہ بن زیاد کو مطلع کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ہمیں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی بھی بات منظور نہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کریں یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔

میں نے صاف طور پر (فرما دیا ہے) کہ بیعتِ یزید تو مجھے ہرگز ہرگز منظور نہیں البتہ جنگ منظور ہے جب چاہو حسین رضی اللہ عنہ سے زور آزمائی کر کے دیکھ لو۔ حسینی موقف کو خواجہءِ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

☆ - حضرت سیدنا امام الثقلین امام حسین رضی اللہ عنہ سردار اور (بااختیار) بادشاہ ہیں۔

☆ - حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سراپا دین اور دین متین کیلئے مضبوط سہارا ہیں۔

☆ - آپ نے (اسلام کی سربلندی کیلئے راہِ حق میں) سرِ اقدس تو پیش کر دیا مگر (بیعت کیلئے یزید پلید کے ناپاک) ہاتھوں میں اپنے مقدس ہاتھ نہ دیئے۔

☆ - سچی بات تو یہ ہے کہ توحید و رسالت کی عمارت کی بنیاد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

زینب: بھیا! آپ کے یارِ غار حبیب بن مظاہر جو بچپن کے کلاس فیلو ہیں۔ انہیں بھی کوفہ سے خط بھیج کر بلا لیا جائے ورنہ تمام عمر انہیں صدمہ رہے گا۔

امام: ہاں بہن! یاد تو مجھے بھی تھا مگر وقت نہ ملا۔ خیر میں ابھی خط لکھتا ہوں۔ سنا ہے کہ کوفہ میں بہت ہی سخت پہرہ ہے۔ پہلے بھی ان ظالموں نے ہمارے دو حسینی قاصد شہید کر ڈالے۔ میں ابھی قاصد بھیجتا ہوں۔

بیوی: اے حبیب! یہ خط کیسا ہے جسے پڑھ کر تم اس قدر خون کے آنسو بہانے لگے۔ خیر تو ہے کیا قیامت آ گئی؟

حبیب: بیگم صاحبہ! یہ خط مبارک نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہا کا ہے وہ

میدانِ کربلا میں ہیں۔ تمام فرزندانِ رسول اور دخترانِ بتول بھی ہمراہ ہیں وہ مجھے میدانِ کربلا میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی مظلومی کا حال پڑھ کر رو رہا ہوں۔

بیوی: افسوس کا مقام ہے۔ یزیدی گروہ اس قدر بے ایمان ہو گیا کہ اپنے رسول کے نواسہ کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ آپ مجھے گنہگار نہ کریں جلدی دربارِ حسینی میں جا کر حاضر ہوں۔ آپ ہماری پرواہ بھی نہ کریں، جو مصائب بھی ہم پر آئیں۔ ہمیں فرزندانِ رسول کیلئے سب منظور ہیں۔

حبیب: اے غلام! لو جلدی میرا گھوڑا لے کر چلو اور کوفہ کے دروازہ پر میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آیا۔

غلام: اے آقا! اچھا ہوا آپ جلدی آ گئے اگر دیر کرتے تو میں خود نصرتِ امام رضی اللہ عنہ کیلئے تیار ہو جاتا۔ تاکہ جلدی میدانِ کربلا میں پہنچ جاؤں۔ حضرت حبیب بن مظاہر نے غلام کو پیچھے بٹھایا اور خدمتِ امام میں فوراً حاضر ہوئے۔

حبیب: یَا امامَ المسلمین! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

امام: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ
کَیْفَ حَالُکَ یَا حَبِیْبُ

اے حبیب: دیکھو! کوفیوں نے کیا کیا۔ کیا؟ یہی لوگ پہلے ہماری بیعت کر چکے

اب تلواریں لئے سامنے کھڑے (قتل) موت کی دھمکی دیتے ہیں اور بیعت یزید کیلئے مجبور کرتے ہیں۔

حبیب: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! ہم ان گیدڑ بھبکیوں سے کب ڈرنے والے ہیں۔ ہم انہیں خوب جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

؎ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

زینب: بھیا! آپ کس سے کلام فرما رہے تھے؟ آپ بڑے مسرورِ خاطر نظر آتے ہیں۔ کیا آپ کے جاں نثار، وفادار، غازی اور مجاہدِ اعظم ''حبیب'' تو نہیں آ گئے؟ معلوم تو یہی ہوتا ہے۔
چلو اچھا......خیر۔

امام: ماں جائی! ابھی ابھی میں حبیب سے کلام کر رہا تھا۔ وہ ابھی آئے ہیں۔ میں نے تمہارا ابھی سلام کہہ دیا۔ جب انہوں نے بہن تمہارا سلام سنا تو ادب سے گردن جھکا دی اور رونے لگے کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ دخترِ رسول نے مجھے یاد فرمایا۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

ترجمہ: ''اگر قبول ہو جائے تو نیازمند کی عزت میں اضافہ ہو گا۔''

حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت ایوب علیہ السلام نے زندگی کے چالیس سال نہایت فرحت و مسرت سے بسر فرمائے بارہ فرزند اور چار سو غلام تھے۔ جو مختلف خدمات سرانجام دیتے تھے۔ چالیس باغ تھے مگر ہر ایک باغ بے مثل تھا۔

ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور پیغامِ الٰہی سنایا کہ ربُّ العزت عزوجل فرماتا ہے کہ چالیس سال آپ پر نعمتوں کا نزول ہوتا رہا اب مصیبتوں کا آغاز ہونے والا ہے۔ جس طرح آپ نعمتوں میں شاکر و ذاکر رہے۔ اسی طرح آپ اب مصائب و آلام میں بھی صبر کیلئے تیار رہیں۔

ایک روز (غروبِ آفتاب) نماز کے بعد قوم کو وعظ فرما رہے تھے کہ غلام نے آ کر خبر دی کہ اچانک سیلاب آیا جو تمام بکریوں اور بھیڑوں کو بہا کر لے گیا۔

پھر دوسرا غلام آیا اور عرض کیا کہ اے حضرت ایوب علیہ السلام! ابھی ابھی ایک آتشیں آندھی آئی جس نے تمام اونٹوں کو ہلاک کر دیا۔

پھر بہت سے محافظانِ باغ روتے ہوئے آئے کہ حضور ایک ایسی ہولناک بجلی گری۔ جس نے تمام باغات جلا ڈالے۔ آپ ہر ایک کے جواب میں

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' فرماتے اور سجدۂ شکر بجالاتے رہے۔

پھر بچوں کا استاد روتا چیختا ہوا آیا اور عرض کیا کہ حضور آپ کے تمام فرزند ایک دعوت میں تشریف فرماتھے اچانک مکان کی چھت گری جس سے تمام فرزند شہید ہو گئے۔

تمام مصائب پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ پڑھا۔

آپ نے یہ سن کر بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' فرمایا اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر اس کے بعد آپ کا جسمانی امتحان شروع ہو گیا۔ آپ کے جسمِ اقدس میں چار بڑے بڑے کیڑے پیدا فرمائے گئے، جو آپ کے اعضائے مبارکہ کے گوشت کو کھاتے۔ تمام جسم کِرم خوردہ ہو گیا۔

اگر کوئی کیڑا جسم سے جھڑ کر نیچے گرتا تو آپ اسے اس کے مقام پر رکھ دیتے اور فرماتے خدا کی طرف سے تو میرا مہمان ہے اور میں تیرا میزبان ہوں۔ تیری خوراک کیلئے میرا جسم حاضر ہے۔

آخر تمام شہر والوں نے آپ کو اُٹھا کر شہر سے باہر پہنچا دیا۔ آپ کے ساتھ صرف بیوی رحیمہ بی بی تھیں، جو آپ کی ہر وقت خدمت انجام دیتیں۔ خدا کی شان کہ اس امتحان میں آپ کے ساڑھے سات سال یا اٹھارہ سال یا تیس سال گزر گئے۔

امتحان کے دوران ہر صبح ربُّ العزت عزوجل ایوب علیہ السلام کی بلا واسطہ بیمار پرسی فرماتا کہ اے میرے بیمار بندے! سناؤ تمہارا اس بلاؤ مصیبت میں کیا حال

ہے؟ اس ارشاد سے آپ اس قدر خوش ہوتے کہ اس مصیبت کو راحت اور رنج و ملال کو مسرت سمجھتے۔

؎ گر بر سرِ بیمار خود آئی بعیادت
صد سال بامیدِ تو بیمار تواں بُود

ترجمہ: اگر بیمار کا مطمعِ نظر تیرا آنا ہو تو اس اُمید پر وہ بیمار سو سال بھی بیمار رہ سکتا ہے۔

ربُّ العزت عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صابر ایوب (علیہ السلام)! آپ زمین پر پاؤں ماریں جب آپ نے حکمِ الٰہی کی تعمیل فرمائی تو قدم کی برکت سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے آبِ زمزم کا چشمہ جاری ہوا تھا۔ فرمایا اے ایوب (علیہ السلام)! اس پانی سے غسل کرو جس سے تمام ظاہری جسم تندرست ہو گیا۔

پھر آپ غسل فرما کر چالیس قدم چلے ارشادِ حق ہوا کہ آپ اسے نوش فرمائیں۔ جب پانی پیا تو تمام اندرونی بیماریاں بھی درست ہو گئیں۔ غرضیکہ مکمل شفا ہو گئی۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ربُّ العزت عزوجل نے آپ کی تمام اولاد کو پھر زندہ فرما دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا فرمائی اور اسی طرح مال و دولت بلکہ اس سے زیادہ دولت عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں حضرت رحیمہ رضی اللہ عنہا کو دوبارہ جوانی بھی عطا فرما دی گئی۔

سید الصابرین امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں

حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ امتحان بہت ہی بڑا امتحان تھا مگر ہمارے سید الصابرین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا امتحان اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور محشر خیز ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی تمام اولاد اور بیویاں اچانک ہلاک ہو گئیں۔ جنہیں آپ نے ہلاک ہوتے نہیں دیکھا۔ آپ کے باغات بجلی سے تباہ ہوئے مگر وہ بھی آپ کی نگاہوں کے سامنے نہیں البتہ کیڑوں کو اپنے جسم میں مشاہدہ فرماتے رہے مگر اس کے بعد پھر آپ کو شفا بھی ہو گئی۔ اولاد، مال اور مویشی بھی مل گئے۔ آپ کی بیوی کو دوبارہ جوانی عطا ہو گئی۔

مگر ہمارے صابر حسین رضی اللہ عنہ نے گلشنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے مرجھاتے اور ایک ایک پھول ٹوٹتا بھی دیکھا۔

غرضیکہ نصرتِ اسلام کیلئے اپنے بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں، بھائیوں اور اعوان کو خود سوار فرماتے اور معرکۂ کربلا میں جنگ کیلئے بھیجتے رہے۔ ان کی ہر طرح امداد و نصرت فرماتے۔ شہادت کے بعد کوئی بھی لاش دشمنوں کے خیموں

میں نہ جانے دی۔ خود اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور شہداء کو درجہ بدرجہ لٹا دیتے۔

تمام مصائب وشدائد پر اس طرح اظہارِ مسرت فرماتے جس طرح کوئی نعمتوں کے عطا ہونے پر اظہارِ مسرت کرتا ہے۔ جب کسی عزیز کی شہادت کو آنکھوں سے دیکھتے تو دعا فرماتے کہ "یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ" حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے یہ فدیہ قبول فرما۔ بیٹیوں، بہنوں، بیویوں، بھائیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کو صبر کی تلقین فرماتے۔ انہیں پانی کی بجائے شربتِ صبر اور شربتِ دیدار پلاتے۔ بقولِ شاعر

ع "شربتِ دیدار باید تشنۂ دیدار را"

ترجمہ: دیدار کے پیاسے کو دیدار کا ہی شربت چاہیے۔

معرکۂ کربلا پر غور کرنے سے ہر شخص تجزیہ کر سکتا ہے کہ تمام مصائب وآلام حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک جو نازل ہوئے یا قیامت تک نازل ہوں گے وہ سب میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر نازل ہوئے۔

آپ نے ان تمام مصائب وآلام کو مسرت وفرحت اور راحت وسکون سمجھ کر نہایت ہی صبر وضبط سے تبسم فرما کر برداشت کیا۔

ہر ایک مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اس پر خدا کی حمد فرمائی۔

ہر ایک دکھ پر نانا جان کی لاڈلی اُمت کے ڈوبتے ہوئے سفینے کو تمام مصائب وآلام برداشت کرکے پار لگایا بلکہ اپنی اور اپنے تمام عزیزان واعوان کی

قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں پیش فرما کر کفر و الحاد بے دینی و گمراہی سے بچایا۔

تین دن کی بھوک اور پیاس کو ہنس ہنس کر برداشت کیا۔

کربلا کی آتش خیز اور خون ریز زمین کو اپنے لئے رشکِ فردوس خیال فرمایا۔

کربلا میں خیموں کے چاروں طرف جو آگ روشن کی گئی تھی اس کو آگ نہیں بلکہ گلزار متصور فرما کر سُنّتِ ابراہیمی کی تکمیل فرمائی۔ ہم نے مصحفِ ہمدم میں اس مقام کو یوں عرض کیا ہے۔

بیڑا ہمارا بحرِ مظالم میں غرق تھا
واللہ آ کے کس نے ترایا تیرے بغیر
خنجر رواں گلے پہ تبسم ہو زیرِ لب
ہمدم سبق یہ کس نے پڑھایا تیرے بغیر (مصحفِ ہمدم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

☆ فرعون کو خواب آیا کہ اس کا تخت اوندھا ہو گیا۔ اس نے اپنے کاہنوں کو بلا کر خواب سنایا۔ کاہنوں نے جواب دیا کہ مصر میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ اس نے مصر کے تمام بچے قتل کروا دیئے اور حاملہ بیبیوں کے حمل ضائع کروا دیئے۔

ے یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی (اکبرالہ آبادی)

☆ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ربُّ العزت عزوجل نے ان کی والدہ کو فرمایا کہ تم ان کو دودھ پلاتی رہو۔ جب کوئی خطرہ دیکھو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا برد کر دینا۔ ہم خود ان کے محافظ ہیں۔ ہم تیرے بیٹے موسیٰ کو آپ تک پہنچا دیں گے۔

☆ جب خطرہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا گیا۔ فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نہر کے کنارے سیر کر رہے تھے۔ جب انہوں نے صندوق دیکھا تو فوراً کنیزوں کو حکم دے

کر باہر منگوالیا۔ جب کھولا تو اس میں ایک حسین وجمیل خوبصورت بچہ دیکھا۔ فرعون اور اس کی بیوی دیکھتے ہی دل وجان سے اس کے عاشق زار ہو گئے۔

☆ اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تمام عورتوں کا دودھ حرام فرما دیا۔ آخر آپ کی بہن نے نشاندہی کی کہ فلاں عورت بہت مقدسہ و معظمہ عفت وعصمت کی مالکہ ہے۔ اس کا دودھ پلایا جائے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلایا گیا۔ آپ نے اپنی والدہ کا دودھ پیا آپ فرعون کی اجازت سے اپنے گھر میں ہی پرورش پاتے رہے۔ فرعون نے روزانہ ایک اشرفی وظیفہ مقرر کر دیا جو آپ کی والدہ کو دیتا رہا۔ دودھ چھڑانے کے بعد پھر آپ کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی تربیت میں دے دیا۔

☆ جب آپ جوان ہو گئے تو اپنی قوم بنی اسرائیل کو حق وصداقت کا وعظ سنانے لگے۔ آپ کی تمام قوم دین موسوی کی گرویدہ ہوگئی اور پوری طرح فرمانبرداری کرنے لگی۔ آپ ایک دن تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں فرعون کا باورچی ملا جس نے ایک اسرائیلی کو زبردستی لکڑیوں کا گٹھا اٹھوا رکھا تھا اور وہ دونوں جھگڑتے جا رہے تھے۔ باورچی اسرائیلی پر سختی کر رہا تھا آپ نے اسے روکا مگر وہ گستاخی سے پیش آیا۔

☆ آپ نے اسے ایک ہی مکا رسید کیا کہ وہ فوراً مر گیا۔ فرعونیوں کو معلوم ہو

گیا کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارا ہے۔ انہوں نے فرعون سے جا کر شکایت کی۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔

☆ مصر میں ایک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت ہی نیاز مند تھا۔ وہ آیا اور عرض کی۔ یہاں سے نکل جائیں ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ مدین تشریف لے گئے وہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی لڑکی صفورا کا نکاح آپ سے کر دیا۔

☆ اس کے بعد آپ اپنی بیوی کو لے کر مصر روانہ ہوئے تا کہ اپنی والدہ سے ملاقات کریں۔ راستے میں آپ کو آگ جلتی نظر آئی۔ سردی کا موسم تھا آپ نے بیوی کو فرمایا کہ تم یہاں ہی بیٹھو میں تمہارے لئے آگ لاتا ہوں۔ جب آپ آگے بڑھے تو ایک روشن درخت نظر آیا۔ جس سے آواز آئی۔

يٰمُوْسٰى ﴿﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى

(طٰهٰ : ۱۲ - ۱۳)

ترجمہ: کہ اے موسیٰ بے شک میں تیرا رب ہوں تو تُو اپنے جوتے اُتار ڈال۔ بے شک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے۔ (کنز الایمان)

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک عصا تھا۔ ربُّ العزت عزوجل نے

فرمایا۔اے موسیٰ! اسے زمین پر ڈال دو جب حسب ارشاد اسے زمین پر ڈالا تو وہ ایک خوفناک سانپ بن گیا۔ آپ اسے دیکھ کر بھاگے۔ ارشاد ہوا ! اے موسیٰ: اسے پکڑو یہ پھر عصا بن جائے گا۔ جب آپ نے اسے پکڑا تو وہ فوراً عصا بن گیا۔

☆ حکم ہوا کہ اے موسیٰ! فرعون باغی ہوگیا۔ اسے جا کر تبلیغ کرو جب وہ کوئی معجزہ طلب کرے تو یہی عصا اس کے آگے ڈال دینا۔ یہ ایک بہت بڑا اژدہا بن جائیگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے جا کر ملے۔ آپ نے اسے خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی تبلیغ فرمائی۔ فرعون نے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فوراً عصا زمین پر ڈال دیا۔ وہ ایک خوفناک سانپ بن گیا اور اپنی دم پر کھڑا ہو گیا۔ ایک میل تک اونچا ہو گیا۔ فرعون یہ دیکھ کر گوز مارتا ہوا بھاگا اور اپنے قصرِ شاہی میں جا چھپا۔ یہ اژدہا وہاں بھی پہنچ گیا۔ تمام لوگ دہشت زدہ ہو کر بھاگے ہزاروں آدمی خوفزدہ ہو کر مر گئے۔

☆ اس سانپ نے جا کر اپنے منہ کو فرعون کے قصرِ شاہی کے دروازے پر رکھا۔ ایک جبڑا زمین پر تھا جبکہ دوسرا فرعون کے محلات کے بالائی حصے پر، فرعون یہ منظر دیکھ کر بولا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہیں خدا کی قسم جس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا آپ اسے پکڑیں۔ یہ سن کر آپ نے پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

☆ فرعون نے یہ معجزہ دیکھ کر ملک کے ہزاروں جادوگروں کو بلایا۔ وہ تین سو اونٹ، لاٹھیوں اور رسیوں سے بھر لائے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ میرے جادوگروں سے کھلے میدان میں مقابلہ کریں۔ آپ نے فرعون کا چیلنج قبول فرما لیا۔ آپ مقررہ دن میدان میں تشریف لے گئے۔ کئی میل تک میدان میں جادوگر نظر آ رہے تھے۔

☆ آخر انہوں نے میدان میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر منتر پڑھا جس سے تمام میدان سانپوں سے بھر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا زمین پر ڈال دیا وہ فوراً ایک خوفناک اژدہا بن گیا اور کئی میلوں تک سانپ ہی سانپ پھرتے نظر آتے تھے ان تمام کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ پھر آپ نے وہ عصا ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر ہزاروں جادوگر مشرف باسلام ہو گئے۔

☆ فرعون اور قومِ فرعون یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائی۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قومِ فرعون کے حق میں دعائے ضرر فرمائی۔ اس قدر بارش ہوئی کہ تمام فرعونیوں کے گھروں میں پانی ہی پانی بھر گیا۔ ہفتہ تک وہ پانی سے تنگ رہے۔ آخر عاجز آ کر عرض کیا یا موسیٰ علیہ السلام آپ اپنے رب سے عرض کر کے یہ عذاب دور کرائیں۔ ہم آپ اور آپ کے رب پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دربارِ حق میں دعا فرمائی۔ خدا نے عذاب دور فرما دیا مگر وہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔

☆ پھر آپ نے ان کے حق میں دعا ضرر فرمائی۔ ربُّ العزت عزوجل نے ان کیلئے ٹڈی کا عذاب بھیج دیا۔ اس قدر ٹڈیاں آئیں کہ ان سے فرعونیوں کی تمام فصلیں برباد ہو گئیں۔ وہ مکانوں کے دروازے اور چھتیں بھی کھا گئیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قومِ اسرائیل کا کچھ نقصان نہ ہوا۔

☆ وہ فرعونی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر عرض کرنے لگی کہ آپ اللہ تعالیٰ عزوجل سے عرض کریں کہ اس عذاب کو دور فرما دے ہم آپ پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا فرمائی تو وہ عذاب دور ہو گیا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔

☆ پھر خدا نے ان پر جوئیں بھیجیں۔ پھر ان پر مینڈک مسلط فرما دیئے۔ پھر ان پر خون کا عذاب بھیجا۔ یہ لوگ ان تباہ کن عذابوں سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دفعِ عذاب کی دعا کراتے اور ایمان لانے کا وعدہ کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی گزارشات سن کر ربُّ العزت عزوجل سے دعائیں کر کے دفعِ عذاب کا سبب بنتے مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے اور کہتے کہ یہ سب کچھ جادو کے اثرات تھے۔

☆ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کیلئے ہلاکت کی دعا فرمائی۔ ربُّ العزت عزوجل نے حکم دیا کہ تم تمام قومِ اسرائیل کو لے کر رات کے اندھیرے میں نکل جاؤ۔ آخر آپ اپنی تمام قوم کو لے کر مصر سے نکلے۔

☆ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی تمام قوم لے کر ہجرت

فرما گئے ہیں تو اس نے اپنی ایک کثیر التعداد (بہت زیادہ) فوج کو حکم دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا (معاذ اللہ) تعاقب کیا جائے۔ فرعونی فوج اپنے بادشاہ کا حکم سنتے ہی نکل کھڑی ہوئی۔

☆ آخر فرعون اپنی فوج کو لے کر بحرِ قلزم پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون اپنے خونخوار لشکر کے ساتھ پہنچ گیا ہے تو آپ نے دعا فرمائی۔

☆ ربُّ العزت عزوجل نے حکم دیا کہ تم اپنا عصا دریا میں مارو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا تو دریائے قلزم میں فوراً بارہ سڑکیں بن گئیں۔ تمام قوم کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پار ہو گئے۔ جب فرعون نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور تمام لشکرِ فرعون بھی داخل ہوا تو خدا کے حکم سے دریا کے وہ تمام راستے مل گئے۔ فرعون جی مہاراج اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ وقت اجل کہتا رہا۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ (طٰہٰ: ۷۰)

ترجمہ: بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کا رب ہے۔

مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ (کنز الایمان)

آج لے اِن کی پناہ آج مدد مانگ اِن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا (حدائق بخشش)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کو دریائے قلزم میں غرق فرما دیا اور آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو نہایت فصاحت و بلاغت سے وعظ فرما رہے تھے کہ اس زمانہ میں مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ یہ بات ربُّ العزت عزوجل کو ناگوار گزری ارشادِ حق ہوا۔

ربُّ العزت عزوجل : اے موسیٰ علیہ السلام ! اپنے علم پر ناز نہیں کرنا چاہیے ہم نے آپ سے بڑھ کر عالم حضرت خضر علیہ السلام کو بنایا۔ آپ ان سے بحرین میں چٹان کے مقام پر ملاقات کریں۔

موسیٰ (علیہ السلام): اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ !

حضرت خضر (علیہ السلام): وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ !

خیر تو ہے آپ میرے پاس کیسے تشریف لائے کیا ارشاد ہے؟

موسیٰ (علیہ السلام): اے خضر! میں خود نہیں آیا بلکہ مجھے ربُّ العزت نے حکم فرمایا کہ میں آپ سے ملوں۔ لہٰذا" میں آیا نہیں لایا گیا ہوں"۔

حضرت خضر (علیہ السلام): یا کلیم اللہ علیہ السلام ! آپ کا اور میرا مل کر رہنا مشکل ہے کیونکہ آپ محکمہءِ شریعت کے انچارج ہیں اور میں محکمہءِ طریقت کا

انچارج ہوں۔ جب آپ میرے معمولات دیکھیں گے تو انہیں
اپنے خیالات کے خلاف پائیں گے۔ پھر آپ روک ٹوک شروع
فرمادیں گے۔ مجھے آپ سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام): اے خضر علیہ السلام! میں آپ کے معمولات دیکھ کر ہر طرح
صبر کروں گا۔ آپ مجھے ضرور ساتھ لے چلیں۔

خضر (علیہ السلام): یاکلیم اللہ (علیہ السلام)! آپ بڑی خوشی سے چلیں۔ مگر میرے کسی عمل
پر نکتہ چینی (اعتراض) نہ فرمانا۔ اچھا چلو۔ چلیں............

کشتی بان: یا نبی اللہ! آپ نے جانا ہے تو کشتی تیار ہے۔ آپ تشریف رکھیں
وہ ان دونوں حضرات کو مفت ہی بٹھا لے گیا۔ جب کشتی چلنے لگی
تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ توڑ ڈالا۔ یہ دیکھ کر فوراً
ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "حضرت بلا وجہ اس غریب کی
نئی کشتی کو عیب دار کر دیا"۔ اگر کشتی میں پانی بھر جائے تو تمام
کشتی والے ڈوب جائیں گے اور ساتھ ہی ہم بھی نذرِ آب
ہو جائیں گے۔

خضر (علیہ السلام): یاکلیم اللہ (علیہ السلام)! میں نے حضور کی خدمتِ اقدس میں پہلے ہی
عرض کیا تھا کہ آپ میرے معمولات کو دیکھ کر ہرگز صبر نہ کر سکیں
گے۔ اچھا آپ تشریف لے جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: اے خضر علیہ السلام! میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے مطابق

عرض کیا کہ یہ کشتی بان کیلئے اور ہمارے لیے بھی نقصان دہ ہے۔
اب آپ ناراض ہو رہے ہیں اور مفارقت کی خبر سنا رہے ہیں۔
معاف کریں خیر۔

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

آگے ایک بستی میں پہنچے تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اس عمل کی مخالفت فرمائی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پھر فرمایا۔

خضر (علیہ السلام): یا کلیم اللہ (علیہ السلام)! آپ میرے حال پر مہربانی فرمائیں اور آپ تشریف لے جائیں۔ آپ صبر نہیں فرما سکتے۔

موسیٰ علیہ السلام: اے خضر (علیہ السلام)! اچھا چلو اب پھر آپ درگزر فرما دیں۔ میں نے تو یہی دیکھا کہ ایک بے قصور لڑکے کو مار ڈالنا اچھا عمل نہیں خیر آپ جانیں اور آپ کا عمل اب میں آپ کے پروگرام میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔

آگے ایک اور بستی میں گئے ان سے کھانا مانگا۔ انہوں نے کھانا دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک گرنے والی دیوار کو از سرِ نو تعمیر فرما دیا۔ یہ عمل دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اے خضر علیہ السلام! یہ بستی والے تو ایسے بخشے ہوئے لوگ ہیں کہ انہوں نے ہمیں کھانا

تک بھی نہیں دیا۔ آپ نے ان کی مفت دیوار تعمیر فرما دی۔

خضر علیہ السلام: یاکلیم اللہ علیہ السلام! میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ میں محکمہءِ طریقت یعنی باطن کا انچارج ہوں۔ میرے معمولات ظاہر کے خلاف ہوں گے۔ خیر آپ جاتے ہوئے تینوں معمولات کی حکمتیں سن لیں۔

1۔ اگر میں کشتی کو عیب دار نہ کرتا تو آگے جہاں کشتی نے جانا تھا وہاں کا ظالم بادشاہ اسے غصب کر لیتا میں نے کشتی کو عیب دار کر کے غصب ہونے سے بچا لیا۔

2۔ یاکلیم اللہ علیہ السلام: جس لڑکے کو میں نے قتل کیا اس نے جوان ہو کر کافر ہو جانا تھا اور ساتھ ہی اس کی محبت میں مبتلا ہو کر اس کے والدین بھی گمراہ ہو جاتے۔ میں نے اسے مار کر ماں باپ کا ایمان بچا لیا اور ساتھ ہی اولادِ صالح کی دعا کر دی۔

3۔ یاکلیم اللہ! جس دیوار کو میں نے درست کیا وہ دیوار یتیم بچوں کی تھی چند دنوں میں گر جاتی اس کے نیچے خزانہ تھا۔ بستی والے خزانے کو لوٹ لیتے میں نے اس دیوار کو بنا کر یتیموں کا خزانہ محفوظ کر دیا تا کہ جوان ہو کر وہ اپنا خزانہ خود نکال لیں۔

یاکلیم اللہ علیہ السلام! میں جو کچھ بھی کرتا ہوں باذن اللہ کرتا ہوں اچھا حضور

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ (الکہف : ۷۸)

ترجمہ: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ (کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن۔ محکمہ علمِ ظاہر کے حاکمِ اعلیٰ حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ محکمۂ علمِ باطن کے حاکمِ اعلیٰ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ماتحت تمام علماء فقہا ہیں اور حضور غوث اعظم کے ماتحت تمام اولیاء و اقطاب ہیں۔

اسلام کے یہ دونوں محکمے قیامت تک کام کرتے رہیں گے۔ علماءِ کرام منجانب اللہ اور منجانب رسول واجب الاحترام ہیں۔ یہ دونوں محکمے لازم و ملزوم ہیں۔ علماءِ کرام مشائخ عظام سے علمِ باطن جبکہ مشائخِ عظام علماءِ کرام سے جا کر علمِ ظاہر حاصل کرتے ہیں۔ ہم مسائلِ تصوف کو اپنی تصنیفات (اسرارِ معرفت، شیخ کامل اور شانِ غوثِ اعظم) میں تفصیل سے عرض کر آئے ہیں۔

چوں گرفتی پیرہن تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

ترجمہ: ”جب تو کامیابی کا لباس پہننا چاہتا ہے تو اس کے سامنے اپنے سر کو جھکا دے۔
جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے حکم کے سامنے سر جھکایا۔
اگرچہ وہ کشتی کو توڑ دیں تو اعتراض نہ کر اگرچہ لڑکے کو قتل کر دیں تو الزام نہ دے۔“

حسینی اجلاس

امام: بھیا عباس رضی اللہ عنہ! آپ تمام اعوان و انصار کو اطلاع کر دیں کہ تمہیں حسین (رضی اللہ عنہ) یاد فرماتے ہیں وہ تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ جلدی تشریف لائیں۔

عباس: یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْن! آپ مجھے مطلع فرمائیں کہ وہ کیا مشورہ ہے؟ جو حضور اُن سے فرمانا چاہتے ہیں۔

امام: بھئی! تمہیں معلوم ہے کہ اب میری عمرو سے تمام بات چیت ختم ہو چکی ہے۔ وہ گورنرِ کوفہ کی طرف سے ان دنوں تمام فوج کا انچارج ہے اور کربلا میں میرے مقابل اسے ہی منتخب کیا گیا ہے۔ وہ مجھے بیعتِ یزید کیلئے مجبور کرتا تھا مگر میں نے صاف صاف انکار کر دیا اور کہا بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی ستارہ تو زمیں پر نہیں گرتا
دریا تو سمندر میں گرا کرتے ہیں ہر دم
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

کہ میں نواسۂ رسول ہو کر اپنے نانا جان کی اُمت کی باگ ڈور ایک فاسق و فاجر شارب الخمر (شرابی) اور راکب الزنا (زانی) کے ہاتھ میں کیسے دے دوں تو اس

نے گورنرِ کوفہ کو مطلع کیا۔ عبید اللہ ابنِ زیاد نے اسے حکم دے دیا کہ اگر حسین (رضی اللہ عنہ) (ہمارے شہنشاہ امیر المومنین) یزید کی بیعت نہیں کرتا تو اس سے جنگ کی جائے اور خیمہ ہائے حسین رضی اللہ عنہ میں قطرہ تک پانی کا نہ جانے دیا جائے۔

گھوڑے پئیں کتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

اے عمرو! اگر تو نے میرے حکم کی تعمیل میں تاخیر کی (جیسا کہ مجھے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ تو راتوں کو تنہا جا کر امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے ملتا ہے اور خوب حسنِ عقیدت کا اظہار کرتا ہے) تو تجھے فوراً معطل کر کے شمر کو فوجی کمانڈر مقرر کر دیا جائے گا۔

اے عباس! اب یزیدیوں سے جنگ چھڑنا لازمی ہے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تمام اعوان و انصار کو بلا کر انہیں اپنی بیعت سے آزاد کر دوں۔ یہ لوگ اس جگہ بلاوجہ شہید ہو جائیں گے۔ ان کے خاندان کو گورنرِ کوفہ فوراً قید کر لے گا اور ان کی تمام اَملاک ضبط کر لے گا۔ یہ تمام مصیبتیں ان پر میری وجہ سے آئیں گی۔

بھیا تمہیں معلوم ہے کہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔

میں نے خود ملائکہ کرام او جنات کی اعانت کی پیش کش کو قبول نہ کیا۔

عباس: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! آپ مختار ہیں ابھی میں ان کو بلاتا ہوں مگر جہاں تک میرا ذاتی خیال اور تحقیقی تجزیہ ہے۔ وہ یہی ہے کہ اعوان وانصار کے جنگ کے عزائم بہت بلند ہیں۔ وہ یزیدی لشکر کو بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھتے ہیں۔

حضور کے قدوم میمنت لزوم پر فدا ہونا ابدی زندگی تصور کرتے ہیں۔ وہ تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ حضور نے انہیں معرکۂ کربلا کیلئے قبول فرمالیا۔ خیر میں بلاتا ہوں۔

؎ غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پرواہ نہیں کرتے

امام (رضی اللہ عنہ): اے میرے وفادار مجاہدو! اے جاں نثار غازیو! اے میرے اعوان وانصار! اللہ کے متوالو! شمع رسالت کے پروانوں! میں نے آج تمہیں اس خصوصی اجلاس میں آنے کی اس لئے تکلیف دی کہ گورنرِ کوفہ نے عمرو کو حکم دے دیا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ جس حال میں بھی ہیں اِن سے جنگ کی جائے اور اسے اس کے تمام عزیزان واعوان سمیت شہید کر کے تمام کے سر نیزوں پر چڑھا کر کوفہ بھیج دیئے جائیں۔ علاوہ ازیں تمام دخترانِ رسول کو قید کر لیا جائے۔ اے میرے جاں نثارو! میں تمہیں اپنی بیعت سے بخوشی

آزاد کرتا ہوں۔ تم رات کے اندھیرے میں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

تم میرے لیۓ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ تم یہاں شہید ہو جاؤ گے اور تمہارے تمام خاندان کو وہاں قید کر دیا جائیگا۔ تمہاری تمام املاک یزیدی فوج کو انعام میں دے دی جائیں گی۔ وہ دیکھو میں نے علی اکبر رضی اللہ عنہ سے کہہ کر تمام چراغ بجھا دیۓ ہیں اور خود اپنے منہ پر چادر لے لی ہے تاکہ جاتے ہوۓ تم لوگوں کو حسین (رضی اللہ عنہ) کے سامنے ندامت محسوس نہ ہو۔

یہ سفر ہے کوۓ جاناں اور قدم قدم بلائیں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

اے حبیب بن مظاہر! اے زہیر بن قیس! اے مسلم بن عوسجہ! اے بریر ہمدانی! اے وہب بن عبداللہ! جاؤ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور اپنے ہمراہ تمام انصار کو لے جاؤ بخدا میں بروزِ حشر تم سے کوئی مطالبہ نہ کروں گا۔ تم نواسۂ رسول کیلیۓ اپنی جانوں، خاندانوں اور اپنی املاک کو خطرے میں نہ ڈالو۔ جاؤ نکل جاؤ۔ اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو۔ اللہ حافظ

مری اک جان راہِ حق میں گر تن سے نکل جاۓ
بلا آئی ہوئی سر سے تمہارے آج ٹل جاۓ

تمام اعوان و انصار خاموشی سے اپنے امام کی تقریر پُر تاثیر سنتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انصار نہیں بلکہ بے جان تصویریں ہیں جو اپنے امام کا حیرت سے منہ تک رہی ہیں۔ یہ کلمات نہ تھے بلکہ تیر و خنجر اور شمشیر و نیزے تھے جو ان کے دلوں کو چیرتے ہوئے پار ہو گئے۔ آخر رو، رو کر لرزہ براندام ہوتے ہوئے قدموں پر دیوانہ وار گرنے اور اپنے امام کے قدم چوم چوم کر دست بستہ عرض کرنے لگے۔

؎ جو دل مانگو تو دل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ اُلفت ہیں تیرے بازار میں آئے
کوئی عزت کا خواہاں ہے کوئی دولت کا خواہاں ہے
ہمیں تھی جس کی خواہش کوچۂ دلدار میں آئے (جامِ عرفان)

انصار: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! کیا حضور کو ہماری وفاداری پر اعتماد نہیں؟ کیا ہم حضور رضی اللہ عنہ کے جاں نثار نہیں؟ کیا ہم حضور کے وفادار اور عاشقِ زار نہیں؟

یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! یہ ایک جان کیا، اگر ہزار جانیں ہوں تو ہم حضور امامِ دو جہاں کے قدموں پر قربان کرنے کو حیاتِ جاودانی تصور کرتے ہیں، جو اس دنیاوی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں (حدائقِ بخشش)

بھلا کیا ہم حضور کو نرغۂ اعداء میں چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟

کیا ہم اس بات کو پسند کریں گے کہ ہم گھروں میں رنگ رلیاں منائیں اور نواسۂ رسول کو تنہا دشمنوں میں چھوڑ کر گھروں کو چلے جائیں؟

حضور ہرگز ہرگز دامنِ امام کو نہ چھوڑیں گے نہ منہ موڑیں گے۔ ہم آخری وقت تک دشمنوں کے سینے میں نیزے گاڑیں گے اور تلواریں چلائیں گے۔ اگر تلواریں اور نیزے ٹوٹ گئے تو پتھروں سے دشمنوں کو ہلاک کریں گے۔ یہاں تک کہ ہمارا آخری قطرۂ خون بھی اعلاء کلمۃ الحق اور ناموسِ رسول اور عظمتِ اہلِ بیت کیلئے بہہ جائے۔

اگر ہمیں آرے سے بھی چیرا جائے تو ہم دامنِ حسین رضی اللہ عنہ قیامت تک ہرگز ہرگز نہ چھوڑیں گے، بلکہ بڑھ چڑھ کر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور عرض کی۔

؎ بچا کر جان اپنی ہم تو میداں سے چلے جائیں
اکیلی جان پر سرکار کی ظالم ستم ڈھائیں

سمجھ کر آپ کو دشمن اکیلا حملہ آور ہوں
ہماری بزدلی کے تذکرے دنیا میں گھر گھر ہوں

حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت یونس علیہ السلام اہالیانِ نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ شہر موصل کے قریب ہی ہے۔ ایک لاکھ کی آبادی تھی۔ یہ قوم بھی بت پرست تھی۔ آپ نے انہیں ہر طرح تبلیغ فرمائی مگر وہ لوگ اپنی بت پرستی پر ہی قائم رہے۔

آخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے ہلاکت فرمائی۔ آپ اپنے بیوی بچوں کو لے کر ہجرت فرما گئے۔ آپ نے جاتے ہوئے فرما دیا کہ تم پر عذابِ الٰہی آنے والا ہے۔ آپ کے جانے کے بعد عذابِ الٰہی دھوئیں اور بادِ سموم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قوم کو اپنی ہلاکت اور حضرت یونس علیہ السلام کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو بہت تلاش کیا کہ ان کے وسیلے سے معافی مانگیں۔ مگر وہ انہیں نہ مل سکے۔

آخر تمام قوم خدا اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لائی اور اپنی پرانی رسمِ بت پرستی اور اعمالِ بد سے توبہ کی۔ خدا نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان سے عذاب کو ہٹا لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کا حال دیکھنے کیلئے تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں آپ کو ابلیس ایک بڈھے کی صورت میں ملا۔

حضرت یونس علیہ السلام : اے بڈھے! تو کہاں سے آ رہا ہے اور نینوا کا کیا حال ہے؟

بڈھا: میں شہر نینوا سے آ رہا ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جو اہلِ نینوا سے کہا تھا کہ تم پر عذاب آنے والا ہے وہ انتظار کرتے رہے مگر عذابِ الٰہی ان پر نازل نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے سمجھ لیا کہ یونس علیہ السلام جھوٹے ہیں۔ اگر سچے ہوتے تو عذاب آ جاتا۔

حضرت یونس علیہ السلام : اے بڈھے ! مجھے ایسی قوم میں جانے کی پھر کیا ضرورت؟ جو خدا کے برحق نبی کو جھوٹا جتائے وہاں سے دریائے دجلہ پر آ گئے اور بیوی بچوں کو فرمایا۔

حضرت یونس علیہ السلام : اے بیوی! میں پہلے بڑے کو چھوڑ آؤں پھر تمہیں آ کر لے جاؤں گا۔ یہ فرما کر بڑے لڑکے کو کنارے پر چھوڑ آئے۔ جب چھوٹے بچے کو پار لے جانے لگے تو دریا میں پانی زیادہ آ گیا۔ جس سے چھوٹا لڑکا ڈوب گیا۔ جب آپ کنارے پر پہنچے تو بڑے لڑکے کو بھیڑیا لے گیا۔ آپ اسے چھڑانے کیلئے بھیڑیئے کے پیچھے بھاگے تو بھیڑیا بولا۔

بھیڑیا: اے یونس علیہ السلام ! آپ میرے پیچھے بھاگنے اور لڑکے کو چھڑانے کی کوشش نہ کریں۔ میں نے اسے حکمِ الٰہی سے اُٹھایا ہے۔ یہ سن کر آپ بیوی کے پاس تشریف لائے۔ وہاں آ کر دیکھا کہ بیوی بھی غائب ہے۔ آخر رو دھو کر آپ کشتی میں سوار ہو گئے۔ جب

کشتی چلی اور کشتی دریا میں ڈوبنے لگی تو ملاح نے شور مچایا کہ کون ہے؟ جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے آپ نے فرمایا میں ہی آقا سے بھاگ کر آیا ہوں۔

ملاح: یا حضرت! آپ تو کوئی بہت بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں آپ نہیں کوئی اور ہوگا۔ پھر ملاح نے تین بار قرعہ اندازی کی خدا کی شان وہ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا۔ قدرتِ الٰہی دیکھ کر آپ نے ندامت سے بچنے کیلئے چھلانگ لگادی تاکہ راز نہ کھل سکے۔

ربُ العزت عزوجل: اے مچھلی یونس علیہ السلام میری امانت ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔ خبردار! اگر تو نے اسے کوئی ایذا پہنچائی۔ آپ چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح پڑھتے رہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الانبیاء: ۸۷)

ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (کنزالایمان)

اس کے بعد مچھلی نے آپ کو حکمِ الٰہی سے کنارے پر اُگل دیا۔ ربُ العزت عزوجل نے ایک کدّو کی بیل پیدا فرمادی۔ جس نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ ہر روز ایک ہرنی آتی جو حضرت یونس علیہ السلام کو دودھ پلایا کرتی۔ پھر آکر ایک فرشتے نے آپ کو دو حُلّے بہشتی پہنائے اور کہا۔

فرشتہ: اے یونس علیہ السلام! میں حکمِ الٰہی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا

ہوں۔ ربُ العزت فرماتا ہے کہ آپ اپنے شہر نینوا میں جا کر پھر آباد ہو جائیں۔

یہ سن کر آپ اپنے شہر کی طرف چلے۔ راستے میں ایک آدمی ملا وہ بولا اے مسافر! آپ اس بی بی کو شہر نینوا میں پہنچا دیں۔ بادشاہ کی طرف سے میں آپ کو سو مثقال سونا دیتا ہوں۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ تو میری بیوی ہے۔

بیوی نے قصہ سنایا کہ ایک بادشاہ اسے لے گیا تھا۔ اس نے جب برا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ پھر اس بادشاہ نے اس بی بی سے دعا کرائی تو ہاتھ درست ہو گیا۔ یہ سو مثقال سونا آپ کی نذر ہے۔

آپ آگے چلے تو ایک ماہی گیر (مچھلی پکڑنے والا) نے چھوٹا لڑکا پیش کیا کہ فلاں تاریخ یہ میرے جال میں آ گیا تھا۔ لیجئے یہ آپ کی امانت ہے۔

جب آپ آگے چلے تو دیکھا کہ بڑا لڑکا بکریاں چرا رہا ہے۔ چرواہے نے بتایا کہ اسے ایک بھیڑیا اُٹھا کر لایا اور میرے سپرد کر گیا اور جاتا ہوا کہہ گیا کہ اسے حضرت یونس علیہ السلام کو دے دینا۔ یہ انہیں کا بیٹا ہے پھر آپ وہاں سے اپنی بیوی اور دونوں بیٹوں کو لے کر شہر نینوا کی طرف چلے۔

شہر کے قریب جب آپ پہنچے تو وہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں پیاس لگی ہے۔ دودھ تو پلاؤ۔ اس نے عرض کیا۔ جب سے ہمارے پیغمبر یونس علیہ السلام تشریف لے گئے بکریاں دودھ دینا چھوڑ گئی ہیں۔ آپ نے ایک بکری کے پستان کو ہاتھ لگایا تو دودھ اُتر آیا۔ دودھ دوہا گیا اور

خوب سیر ہو کر پیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے چرواہے! جاؤ شہر نینوا میں اطلاع کر دو کہ حضرت یونس علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ وہ عرض کرنے لگا کہ حضور میری تصدیق کون کرے گا؟ فرمایا کہ تمہاری بکریاں میری تصدیق کریں گی۔ وہ گیا شہر میں اعلان کرتا رہا اور بکریاں ساتھ ساتھ تصدیق کرتی رہیں۔ شہر کے بادشاہ اور تمام لوگوں نے آ کر آپ کا فقید المثال استقبال کیا اور بہت تعظیم و توقیر سے لے جا کر تخت پر بٹھایا اور تمام دست بستہ آگے کھڑے رہے۔ گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ مر گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے چرواہے کے لڑکے کو بادشاہ بنا دیا۔ جس نے آ کر اہل شہر کو مطلع کیا تھا۔

انصاری اجلاس

حبیب (رضی اللہ عنہ): اے بریر تمام خیامِ انصار میں میری طرف سے اعلان کر دو کہ تمام انصاری جوان جلدی تشریف لے آئیں۔ ان سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔

بریر (رضی اللہ عنہ): اے حبیب! خیر تو ہے ابھی تو ہم امامِ بیکساں کے اجلاس سے آئے ہیں اور ابھی آپ اپنے اجلاسِ خاص میں انہیں بلا رہے ہیں۔ کیا آپ ہمیں بزدل سمجھتے ہیں؟ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ہم سے آپ وعدہ لینا چاہتے ہیں کیا ہم میں کوئی ایسا سیاہ رو ہے؟ جو

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جی چرائے گا۔ ہم تو تمام انصاری شمع حسینی کے پروانے اور ان کے جاں نثار مستانے ہیں جو جھوم جھوم کر معرکہ ءِ کربلا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کریں گے۔

حبیب رضی اللہ عنہ: بھئی! کون بدنصیب ہے؟ جو تمہاری حسنِ عقیدت میں شک کرتا ہے۔ آخر میں بھی تو تمہارا ہی انصاری بھائی ہوں ہمیں بھی آخر کوئی پروگرام مل کر مرتب کرنا چاہیے۔ آپ دیر نہ کریں رات کافی ہوگئی ہے۔ جلدی انہیں بلالیں یہ سن کر تمام انصاری بلالئے گئے۔

انصاری: اے حبیب! کیا بات ہے؟ کیا آپ کو ہماری محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی شک ہے؟ نواسۂ رسول کی عقیدت پر کوئی بدگمانی ہے۔ آخر قصہ کیا ہے؟ کیا ہم نے کوئی معرکہ نہیں دیکھا؟ کیا ہم کوئی نئے فوجی رضا کار ہیں؟ جو آپ ہمیں فوجی ہدایات فرما کر ہوشیار فرمانا چاہتے ہیں۔ ہم ان بزدلوں کی گیدڑ بھبکیاں جانتے ہیں۔ ہم انہیں کئی بار جنگوں میں آزما چکے ہیں۔

حبیب: (ہنس کر) بھئی! کون بدبخت تمہاری شجاعت اور جاں نثاری پر شک کرسکتا ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ گورنرِ کوفہ نے پچاس ہزار لشکرِ اَشرار امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقابل کربلا میں بھیج دیا ہے۔ ان دنوں فوجی سپہ سالار عمرو ہے۔ جنگ ہونا یقینی امر ہے۔ جب معرکہ گرم ہوگا تو تمہیں معلوم ہے کہ نواسۂ رسول پہلے اپنے

بھائیوں، بیٹوں، بھانجوں اور بھتیجوں کو مقابلہ میں بھیجیں گے۔ کیا
تم اس امر کو پسند کرتے ہو؟ کہ تمہارے سامنے فرزندانِ رسول
دلبندانِ بتول قربان ہوں اور تم انہیں خاک وخون میں لتھڑے
ہوئے دیکھو۔ وہ ہم سے پہلے تاجِ شہادت حاصل کر کے دربار
رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو تُف ہے ہماری شجاعت پر۔
ہمیں چاہیے کہ ہم نواسہ رسول رضی اللہ عنہ سے یہ فیصلہ کروالیں کہ جب
تک ہمارا ایک ایک انصاری جوان میدانِ کربلا میں عزتِ حسین
رضی اللہ عنہ پر نہ کٹ مرے۔ آپ کسی فرزندِ رسول کو معرکہ ءِ کربلا میں
جانے کی اجازت نہ دیں گے اگر ایسا ہو گیا تو ہم خاتم المرسلین کو
بروزِ حشر منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ کیوں میں نے جو
عرض کیا ہے ٹھیک ہے یا نہیں؟

انصاری: اے حبیب! خدا کے فضل وکرم اور اس کے حبیب کی رحمت و
رافت سے ایسا ہی ہوگا۔ ہم اتنے بے غیرت نہیں کہ اپنے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو معرکہ میں اپنے سے پہلے جاتے ہوئے دیکھ لیں۔
ہم ہرگز ہرگز ایسا نہ ہونے دیں گے۔

مٹانا چاہتا ہے حق کو باطل زورِ طاقت سے
ہمیں حق کی مدد کرنا ہے امکانی شجاعت سے

اس اجلاس میں جو کچھ طے ہوا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ بہادرانِ اعوان اور شجاعانِ انصار کے کیا کیا مقدس عزائم ہیں اور وہ شجاعانِ ہاشمی سے سبقت لے کر پہلے اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ اس کاروائی سے متاثر ہو کر آپ نے بھی جلدی اپنا خصوصی اجلاس بلایا۔

ہاشمی اجلاس

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ): اے نورِ نظر! لختِ جگر علی اکبر تمہیں معلوم ہے کہ انصار کرام نے اپنے خصوصی اجلاس میں کیا طے فرمایا؟ آپ بھی تمام ہاشمی جوانوں کو بلالیں۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ۔ چچا جان کیا حسینی اجلاس کے علاوہ بھی کوئی اور اجلاس ہوا؟

مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ خیر میں ہاشمی جوانوں کو بلاتا ہوں۔

حضرت علی اکبر (رضی اللہ عنہ): اے میرے ہاشمی جوانو! اے شمع حسینی رضی اللہ عنہ کے پروانو! کیا تمہیں علم ہے کہ انصاری جوانوں نے کیا طے کیا ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں ہم پہلے اپنی قربانیاں پیش کر کے اللہ اور رسول سے انعام حاصل کریں۔ ہماری غیرت کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم اپنے معزز مہمانوں کو جنگ میں پہلے بھیج دیں اور دشمنوں سے مذاق کرائیں۔

وہ کہیں کہ اے حسین رضی اللہ عنہ! تم پہلے اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھانجوں

اور بھتیجوں کو ہمارے سامنے بھیجو۔ انہیں کہاں چھپا رکھا ہے؟ اگر شیر ہیں تو پہلے وہ ہمارے سامنے میدان میں آئیں۔ اگر رحمۃ للعلمین نے بروزِ حشر یہ فرمایا کہ اے بیٹو! پہلے تمہیں حسین رضی اللہ عنہ پر قربان ہونا تھا۔ افسوس ہم پر انصاری سبقت لے گئے تو ہماری شرم کی کوئی انتہا نہ رہے گی؟ ہر ایک نے عرض کی:

؎ کیا نذر کروں آقا کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جاں بھی تمہاری ہے

ہاشمی جوان: نہیں حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ ہم انہیں اجازت دے دیں کہ تم پہلے اپنی قربانیاں پیش کرو۔ یہ ہماری غیرت کے خلاف ہے۔ ہم ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ جب تک خاندانِ رسول کا بچہ بچہ شربتِ شہادت نہ پی لے انہیں میدانِ جنگ میں جانے کی قطعاً اجازت نہ ہوگی۔ ہم ایسے بزدل نہیں جو انہیں پہلے بھیج دیں۔

؎ کہا ہر اک نے ان سے پہلے ہم مرنے کو جائیں گے
اگر بھیجا انہیں نانا کو ہم کیا منہ دکھائیں گے

واہ کیا خوب کسی نے کہا:

؎ علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس گھر کا ہر اک بچہ
جسے دیکھو وہی شیر خدا معلوم ہوتا ہے

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت داؤد علیہ السلام بہت بڑے اُولوالعزم نبی اور بادشاہ ہوئے۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آپ کی رسالت اور سلطنت کی تعریف کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مل کر تسبیح کیا کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جایا کرتا تھا۔ اس سے آپ جنگی سامان بنایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ربُّ العزت عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف کو اس قدر آسان فرما دیا تھا کہ آپ گھوڑے پر زین کسنے سے پہلے اس کو ختم فرمالیا کرتے تھے۔ آواز بہت شیریں دلکش تھی۔ آواز اس قدر بلند تھی کہ چالیس فرلانگ تک آواز سنی جاتی تھی۔ خود آپ دستکاری فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انسانی صورت میں ایک فرشتہ ملا آپ نے اس سے حالات معلوم فرمائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام: اے شخص! تمہارا بادشاہ کیسا ہے؟ وہ کیا تمام امورِ سلطنت ٹھیک انجام دیتا ہے۔

فرشتہ: یا حضرت! ان کے تمام افعال واعمال عمدہ ہیں مگر وہ ایک کام ہے جو انہیں نہیں کرنا چاہیے۔

داؤد علیہ السلام: اے شخص! وہ کیا کام ہے؟ جو انہیں نہیں کرنا چاہیے۔

فرشتہ: یا حضرت! وہ اپنے اہل و عیال کا خرچ شاہی خزانے سے لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ درست نہیں بیت المال سے وظیفہ نہیں لینا چاہیے بلکہ کوئی دستی کام کر کے روزی کمانا چاہیے۔

داؤد علیہ السلام: بھئی! یہ بات تو تیری بالکل درست ہے اچھا آئندہ اپنا خرچ خود کما کر کیا کروں گا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی۔ ربُّ العزت نے حکم دیا کہ تم لوہے سے جنگی سامان بنا لیا کرو۔ لوہا تمہارے ہاتھوں میں موم ہو جایا کرے گا۔ تمہیں گرم کرنے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے وظیفہ لینا بند فرما دیا۔

☆ جالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام نے ہی قتل کیا تھا۔ جالوت کے معنی ''جنگجو، بہادر'' کے ہیں۔ یہ قومِ عمالقہ کا بادشاہ تھا۔ اتنا قد آور تھا کہ ایک میل تک اس کا سایہ جایا کرتا۔ تین سو رطل (رطل آدھ سیر کا وزن) کی زرہ یہ خود پہنا کرتا اور یہ اکیلا لشکروں کو بھگا دیا کرتا۔

☆ جالوت بادشاہ اپنی فوج لے کر طالوت کے مقابلہ میں آیا جو اسرائیلی قوم کا بادشاہ تھا۔ جالوت نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ میرے مقابل آؤ۔ تمام اسرائیلی لشکر اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ جو تم میں سے جالوت کو قتل کرے گا میں اسے اپنی لڑکی کا رشتہ اور نصف سلطنت (بادشاہی) دوں گا مگر اس اعلان پر بھی کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر

طالوت بادشاہ نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے دعا کروائی جو اس وقت کے پیغمبر تھے کہ ربُّ العزت انہیں فتح نصیب فرمائے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے دعا کی۔

ربُّ العزت عزوجل: اے شموئیل! آپ طالوت کو فتح کی بشارت دے دیں اور جالوت کے مقابل داؤد علیہ السلام کو بھیجیں۔ وہ جالوت کو قتل کریں گے۔

طالوت: اے داؤد علیہ السلام! خداوند کریم عزوجل نے جالوت سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ اسے قتل فرمائیں۔ میں آپ کو اپنی بیٹی کا رشتہ اور نصف حکومت پیش کروں گا۔

طالوت بادشاہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو (جبکہ آپ نوعمر تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے) آپ اس وقت اس قدر بیمار تھے کہ رنگ زرد ہو چکا تھا۔ اسی حالت میں مسلح کر کے جالوت کے مقابل بھیجا مگر آپ نے تمام جنگی سامان اُتار دیا اور صرف ایک گوپیا اور تین پتھر لے کر جالوت کے مقابل تشریف لائے۔

جالوت ہنس کر: اے نوعمر مجاہد! تم میرے مقابل کیوں آ گئے؟ اگر تم میں کوئی بڑا بہادر ہے تو اسے بھیجو۔ تم تو میرے مقابل گوپیا اور پتھر لے کر ایسے آ گئے جیسے کسی کتے کو مار کر بھگانا ہوتا ہے۔

داؤد علیہ السلام: اے مردود جالوت! میں تجھے کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ مجھ سے مقابل ہو۔ یہ فرما کر آپ نے گوپیا میں تین پتھر رکھ کر اسے مارے۔ وہ

تینوں پتھر جالوت کی پیشانی میں ایسے لگے کہ بھیجے کو چیرتے ہوئے نکل گئے اور تیس آدمیوں کو مار ڈالا۔ جالوت کا مرنا تھا کہ مقابل تمام فوج بھاگ گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسے کتے کی طرح گھسیٹ کر لائے اور طالوت کے آگے ڈال دیا۔

اہلِ ایمان فتح کی خوشیاں منانے لگے پھر طالوت نے حسبِ وعدہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی لڑکی کا نکاح اور نصف حکومت دے دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکومت کا ایسا اعلیٰ انتظام فرمایا کہ تمام لوگ ان پر قربان ہونے لگے۔ طالوت کے فوت ہونے کے بعد آپ تمام ملک کے بادشاہ ہو گئے۔ تمام خزانے آپ کے قبضے میں آ گئے۔ (تفسیر روح البیان)

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ محرم کی نویں شب کو اپنے خیمہ میں آرام فرما رہے تھے کہ حضور رحمۃ للعلمین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باکرامت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملائکہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آ کر آغوشِ رحمت میں لے کر پیار فرمایا اور یوں مخاطب ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم: اے بیٹا حسین! دشمن تمہارے قتل پر تلے ہوئے ہیں۔ بیٹا بہشت

تمہارے لئے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ تمہارے بابا جان اور اماں جان فردوسِ اعلیٰ میں تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ بیٹا حسین رضی اللہ عنہ! عنقریب تم درجہ ءِشہادتِ عظمیٰ پر فائز المرام ہونے والے ہو اور یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا۔ (حدیث نبوی)

''یعنی اے مولا کریم میرے حسین کو تو (میدانِ کربلا میں) صبر اور اجر عطا فرمانا'' آپ یہ خواب دیکھ کر فرقتِ رسول اور علی و فاطمہ میں زار و زار رونے لگے۔ آپ کو ان کی جدائی تڑپانے لگی۔ صبح ہوتے ہی آپ نے تمام جوانانِ ہاشمی کا اجلاس بلایا اور بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کو اس اجلاس میں یوں مخاطب کیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: اے عزیزو! یہ آخری اجلاس ہے مجھے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ اے حسین رضی اللہ عنہ! جو سامنے لشکر نظر آ رہا ہے۔ یہ تمہارے قتل کیلئے آیا ہے۔ شہادت تمہاری قدم بوسی کرنے کو تیار ہے۔ تم عنقریب عروسِ شہادت سے ہمکنار ہونے والے ہو۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (علامہ اقبالؒ)

تمہارے لئے فردوسِ اعلیٰ کو ہر طرح آراستہ کر دیا گیا ہے۔ جنت کی ہر نعمت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ میں خود تمہاری جدائی میں بے چین ہوں۔ علیِ مرتضی رضی اللہ عنہ اور تمہاری اماں جان سیّدۃُ النساء فاطمۃُ الزہرا رضی اللہ عنہا تمہاری جدائی میں بے قرار ہیں۔ بیٹا ہم تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

یہ دیکھو میرے ہمراہ ملائکہ تمہارے انتظار میں ہیں تمہیں لینے آئے ہیں بیٹا یہ دنیا فانی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ ہمارے پاس عالمِ بقا میں آ کر آباد ہو جاؤ۔

میرے عزیزو! یہ صرف خواب ہی نہیں بلکہ پیغامِ شہادت ہے یہ وہ پرانا وعدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربُّ العزت عزوجل سے کیا تھا کہ الٰہی میں ناموسِ رسالت کیلئے اپنے نواسے حسین رضی اللہ عنہ کو پیش کروں گا۔

میرے عزیزو! میری قربانی کا وقت قریب آ چکا ہے۔ میرے لئے اپنی عزیز جانوں کو ضائع نہ کرو۔ میری خاطر اپنے عزیزان کو موت کے گھاٹ نہ اُتارو۔

میرے لئے اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کی حرمت کو خطرے میں نہ ڈالو۔

دیکھو میدانِ کربلا کیسے شعلہ باری کر رہا ہے۔
آج یہ میدانِ حشر کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔
اس کا ذرہ، ذرہ آتشیں شعلہ بنا ہوا ہے۔

کربلا کی لو جسموں کو جھلسا رہی ہے۔ بچوں اور جوانوں کی زبانوں پر العطش العطش (ہائے پیاس ہائے پیاس) کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ دشمن نے

پانی پر سخت پہرے لگا رکھے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ عباس، قاسم، عبداللہ، علی اکبر، بہن زینب، اُم کلثوم اور شہر بانو رضی اللہ عنہن کی زبانیں پانی کی وجہ سے خشک ہوگئی ہیں۔ ان میں گویائی کی طاقت نہیں رہی۔

سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا پانی نہ ملنے کی وجہ سے بے ہوش پڑی ہے۔
علی اصغر گہوارے میں نیم بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے۔
میرے عزیزو! یہ نانا جان کا مدینہ نہیں بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا ہے۔
یہ نانا جان کا مدینہ نہیں بلکہ دشتِ نینوا ہے۔ جہاں آ کر جانور اپنے بچوں کو بھول جاتے ہیں۔ جہاں آ کر پرندوں کو اپنی چہچہاہٹ بھول جاتی ہے۔
یہ گلستان نہیں خارستان ہے۔
یہ گلزار نہیں نار ہے، جو بڑے بڑے غازیوں کے حوصلے پست کر دیتی ہے۔
میرے عزیزو! حسین (رضی اللہ عنہ) پر رحم کرو۔
میرے پیارو! حسین (رضی اللہ عنہ) پر کرم کرو۔ مجھے اکیلا یہاں رہنے دو۔ تم یہاں سے بچوں اور مستورات کو لے جاؤ۔ یزیدی لشکر تمہارا تعاقب نہیں کرے گا۔
انہیں حسین کی ضرورت ہے تمہاری نہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ ہر طرح سے تیار ہے۔
میں راہِ حق میں بھوکا اور پیاسا بھی لڑوں گا۔
میں راہِ حق میں سوار اور پیدل بھی لڑوں گا۔
میں نیزے اور تلوار سے بھی لڑوں گا اور بغیر تلوار اور نیزے کے بھی لڑوں گا۔

میں راہِ حق میں کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر بھی لڑوں گا۔

میں دشمن کے ایک ایک سپاہی اور افسر سے لڑوں گا۔

میں سو سو سے لڑوں گا۔ میں دشمن کے ہزار ہزار بہادروں سے لڑوں گا۔

غرضیکہ لڑوں گا تمام لشکر سے لڑوں گا۔ بھوکا اور پیاسا رہ کر لڑوں گا۔

میرے عزیزو! میں تمہاری امداد کا محتاج نہیں۔ میں نانا جان! کی گود میں پلا ہوں۔ ان کی زبانِ اقدس چوسی ہے۔ ان کا لعابِ دہن چاٹا ہے۔

علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں کھیلا ہوں۔ جوان ہو کر ان کے ہمراہ معرکے لڑے ہیں۔ یہ کوئی نیا معرکہ نہیں جس سے میں گھبرا جاؤں گا۔ خدا کیلئے جاؤ حسین (رضی اللہ عنہ) پر رحم کرو رحم۔

جب آپ یہ دلوں کو تڑپا دینے والے کلمات اور روحوں کو لرزا دینے والے الفاظ فرما رہے تھے تو تمام فرزندانِ رسول پر سکتہ طاری تھا۔ تمام اس طرح کانپ رہے تھے جیسے آندھی اور طوفان سے درخت لرزا کرتے ہیں۔ تمام خون کے آنسو رو رہے تھے کہ اب نواسہ رسول ہمیں مقصدِ عظیم کے حصول سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ تاجِ شہادت کے حصول سے روکتے ہیں۔ آخر اپنے رومالوں سے اپنے آنسو صاف کر کے دربارِ حسین رضی اللہ عنہ میں دست بستہ عرض کیا۔

گزارشات: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی جانیں بچا کر کربلا سے چلے جائیں اور آپ کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ جائیں۔

خدا کی قسم! اگر ہمیں ستر ستر بار جلا دیا جائے اور پھر ہماری خاک کو ہوا

میں اُڑایا جائے تو پھر بھی ہم اپنے امام کے قدوم میمنت لزوم کو چھوڑ نہیں سکتے۔ خدا کی قسم! جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم دشمنوں کو آپ کی طرف ترچھی نگاہ سے بھی دیکھنے نہ دیں گے۔ اگر وہ نگاہِ بد سے دیکھیں گے تو ہم آنکھیں نکال دیں گے۔ اگر آپ کی طرف انگلی اٹھائیں گے تو ہم ہاتھ کاٹ دیں گے۔ ہم دشمنوں سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک ہمارے جسموں میں جان اور خون کا آخری قطرہ تک باقی ہے۔ ہم ان کے ناپاک سروں کو تنوں سے جدا اور سینوں کو چھلنی کی طرح چھید دیں گے۔ ہم میدانِ کربلا میں اس وقت تک لڑیں گے جب تک عروسہءِ شہادت سے ہمکنار نہ ہو جائیں۔ اگر ہماری ہزار ہا جانیں بھی ہوتیں تو ہم آپ پر وہ بھی قربان کر ڈالتے۔

؎ کیا نذر کروں آقا کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جان بھی تمہاری ہے

حضور ہم کربلا میں جان قربان کرنے کیلئے آئے ہیں بھاگنے کیلئے نہیں۔ ہمیں اگر پناہ مل سکتی ہے تو دامنِ حسین رضی اللہ عنہ ہی میں مل سکتی ہے۔

ہماری حیاتِ ابدی یہی ہے۔ کہ ہم آپ کے مقدس قدموں پر قربان ہو جائیں۔ ہمیں پتہ ہے کہ محبتِ حسین رضی اللہ عنہ عین محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہمیں علم ہے کہ رضائے حسین رضی اللہ عنہ ہی رضائے ربُّ العزت عزوجل ہے۔

؎ امامِ دُوسرا کیا چھوڑ دیں تم کو اکیلا ہم؟
کریں دنیا کے اربابِ وفا میں خود کو رسوا ہم؟

دعائے حسین رضی اللہ عنہ

الٰہی! میں جو بھی یہ تھوڑی سی جماعت رکھتا ہوں تو جانتا ہے کہ میں اس کا محتاج نہیں۔ نتیجہ جو ہوگا مجھے اس کا بخوبی علم ہے۔

میں نے ہر چند کوشش کی اور اصرار کیا کہ یہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ مگر یہ لوگ کسی طرح بھی مجھے چھوڑ کر جانے کیلئے تیار نہیں۔ بلکہ مجھ سے پہلے شہید ہونے کو تیار ہیں۔

میرے بہن بھائیوں کے بچے بھی میرے ہمراہ ہیں۔

اے مولا کریم! تو ان کی قربانی قبول فرما جس طرح تو نے میرے نانا جان والی بیکساں کی دعا میدانِ بدر میں، یعقوب علیہ السلام کی دعا جنگل میں اور یوسف علیہ السلام کی دعا قید میں قبول فرمائی۔ میری دعا کربلا میں قبول فرما۔

الٰہی: میری ان قربانیوں کو ردّ نہ فرمانا بلکہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قبول فرمانا۔

الٰہی: تو جانتا ہے کہ میرے ساتھ میری جوان بہنیں، بیویاں، بیٹیاں اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہیں۔ ان کی محبت میرے مقصدِ عظیم

میں حائل نہ ہو۔

الٰہی: جب میں میدان سے اپنے بھائیوں، بیٹوں، بھانجوں اور بھتیجوں کی لاشوں کو اُٹھا اُٹھا کر لاؤں تو زبان پر تیری حمد ہو۔ دل میں تیرے شکر کے ترانے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو۔ زبان پر یہ دعا ہو کہ

الٰہی: تو حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی کو قبول فرما۔

الٰہی: مجھے علم ہے کہ میں یہ لاشیں تیری رضا کیلئے اُٹھا رہا ہوں۔

اے الٰہی: میرا حوصلہ بلند اور شیر کی طرح مضبوط فرما تا کہ میں تیری راہ میں اپنے عزیزوں کے لاشے ہنس ہنس کر اُٹھاؤں اور اپنا گلا دینِ اسلام کیلئے بصد خوشی کٹاؤں۔

الٰہی: میری زبان پر ذکر و شکر اور دل میں صبر و رضا کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔

بقولِ شاعر

؎ سینے پہ میرے زانوئے قاتل نہ گراں ہو
خنجر تلے نام ترا وردِ زباں ہو

الٰہی: تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضٰی سوزِ صدیق دے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

بچوں کا اجلاس

محرم کی 9 تاریخ کو پانی کا شدید قحط پڑ چکا تھا۔ کیونکہ پانی ملنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ بچے شدتِ پیاس کی وجہ سے دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے۔ طاقتِ گویائی (بولنے کی طاقت) نہ رہی۔ ایک دوسرے سے اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔ حلق خشک ہو چکے تھے۔ حسرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ جب کسی سے پانی مانگا جاتا وہ حسرت سے اس کا منہ تکنے اور رونے لگتا تھا۔

جب کوئی بچہ کسی مجاہدِ اہلِ بیت یا کسی مجاہد انصار سے پانی مانگتا تو وہ مجاہد رونے لگتا اور میٹھی میٹھی باتوں سے اس کا جی بہلانے لگتا، جون کا مہینہ تھا اور سخت لو چل رہی تھی۔ سایہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ خیموں کے چاروں طرف آگ جلا دی گئی تھی تاکہ دشمن حملہ نہ کر سکیں۔ تمام مشکیں اور مشکیزے اس قدر خشک ہو چکے تھے کہ ان میں نام کی بھی تری باقی نہ تھی کہ جسے بچے زبان لگا کر ہی نمی حاصل کر سکیں۔ ہر طرف العطش العطش (ہائے پیاس ہائے پیاس) کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔

غرضیکہ میدانِ کربلا ایک محشر خیز (قیامت) کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ جسے قلم لکھنے سے عاجز اور زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ جب سورج ڈھلا اور دھوپ کی شدت کم ہوئی اور کچھ لو بھی ہلکی پڑی تو بچوں نے جمع ہو کر حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بے چینی کا حال سنایا۔

بچے: آپا جان! ہم جمع ہو کر تمہاری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ تم نواسۂ رسول کی نورِ نظر، لختِ جگر ہو۔ ہم اپنی اضطرابی اگر تمہیں نہ سنائیں تو اور کس کو سنائیں؟ مدینہ میں بھی جب کسی چیز کی ضرورت ہوا کرتی تو ہم آپ سے مانگ لیا کرتے تھے۔

سکینہ (رضی اللہ عنہا): بھئی! جب تک تم کچھ بیان نہ کرو گے تو مجھے کیا پتہ چلے گا کہ تمہارا کیا مطالبہ ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم کہو میں ابھی نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ سے یا بڑی پھوپھی اماں رضی اللہ عنہا سے جا کر عرض کر دوں گی۔

بچے: آپا جی! دیکھو ہم بالکل ننھے ننھے بچے ہیں دو دن کے بھوکے بھی ہیں اور پیاسے بھی سنا ہے کہ فوجی جرنیل نے پانی پر پہرے لگا رکھے ہیں کہ امام کے خیمہ میں قطرۂ آب نہ جانے دیا جائے۔ اور اعلان کروا دیا ہے کہ

؎ گھوڑے پئیں کتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

دیکھو آپا جی یہ کتنے ظالم سپاہی ہیں کہ پانی بھی بند کر دیا۔ بھلا ہم بچوں سے ان کی کیا لڑائی؟ آج کا دن ہم نے مشکل سے گزارا ہے۔ معلوم نہیں یہ کربلا ہے کہ میدانِ حشر۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ بابا جان سے عرض کر کے

ہمارے لئے پانی کا کچھ بندوبست فرمادیں۔

حضرت سکینہ (رضی اللہ عنہا): اے میرے عزیزو! میں بھی آج صبح سے پانی کے بغیر نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہی ہوں۔ اگر بابا جان یا پھوپھی اماں کے پاس پانی ہوتا تو مجھے وہ ضرور بلا کر پلاتے۔ تمام مشکیں اور مشکیزے خشک لکڑی کی طرح اکڑے ہوئے ہیں۔ خیر! آپ میرے ہمراہ آجائیں۔ میں پھوپھی اماں کے خیمہ میں تمہیں لے کر چلتی ہوں مگر وہاں جا کر کوئی خلافِ ادب حرکت نہ کرنا۔ وہ دخترِ رسول ہیں کہیں ناراض نہ ہو جائیں ورنہ اللہ عزوجل تم سے ناراض ہو جائے گا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

بچے: آپا جی! بھلا ہم کوئی خلافِ ادب کام کر سکتے ہیں کیا ساداتِ کرام اور اہلِ بیتِ عظام کے احترام کا ہمیں علم نہیں؟ آپ جو چاہیں کلام فرمائیں ہم دست بستہ کھڑے سنتے رہیں گے اور کوئی دخل اندازی نہیں کریں گے۔

حضرت سکینہ (رضی اللہ عنہا): اچھا! آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ابھی پھوپھی اماں کے خیمہ کے پاس لے کر چلتی ہوں۔ تم خاموشی سے کلام سنتے رہنا۔ دیکھو یہ خیمہ آگیا۔ تم خیمہ کے عقب میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہیں پھوپھی اماں آرام نہ فرما رہی ہوں۔ آپ نے خیمہ کے ایک جھروکے (سوراخ) سے دیکھا کہ وہ علی اصغر کو بہلا

اور چمکا رہی تھیں۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا): اے علی اصغر! زینب تم پر قربان بیٹا چپ ہو جاؤ۔ کیا تم اپنی
ننھی ننھی زبان پھوپھی اماں کو نکال نکال کر دکھاتے اور ننھے ننھے
ہاتھوں سے اشارے کر کے پانی مانگتے ہو؟
پھوپھی اماں تم پر قربان بیٹا علی اصغر تمہاری بے چینی مجھے بے آب
مچھلی کی طرح تڑپا اور خون کے آنسو رلا رہی ہے۔
بیٹا تم پانی مانگتے ہو اور زینب تمہیں چند قطرے پانی کے بھی نہیں پلا سکتی۔
جب تم بغیر پانی کے میری گود میں تڑپتے ہو تو میرے کلیجہ پر
چھریاں چلتی ہیں۔
میں قربان جاؤں بیٹا تمہاری زبان خشک ہو گئی۔ ننھی سی زبان میں
کانٹے پڑ گئے اور لکڑی کی طرح اکڑ گئی ہے۔
بیٹا اصغر خود میری زبان بھی اس قابل نہیں کہ میں تمہیں چسا
سکوں۔ اس میں بھی کانٹے پڑ گئے ہیں۔ جب میں تمہارے منہ
میں ڈالتی ہوں تو تمہیں کانٹے چبھتے ہیں۔
اچھا بیٹا صبر کرو حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ یہ سن کر حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا سے
صبر نہ ہو سکا اور رونے لگیں۔ خیمہ سے آواز آئی سکینہ بیٹی کیوں
روتی ہو؟ کیا ہوا؟

حضرت سکینہ (رضی اللہ عنہا): پھوپھی اماں کیا بتاؤں؟ بھیا اصغر کی حالت دیکھی نہیں

جاتی۔ میرے ساتھ تمام اہلِ بیت کے بچے آئے ہیں کہ پھوپھی اماں سے کہو کہ ہمیں کہیں سے پانی لا کر پلائیں یہ تمام کھڑے رو رہے ہیں۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا): اے بچو! اچھا چلو میں تمہارے ساتھ بھیا امام کے خیمہ پر چلتی ہوں۔ شاید وہاں پانی ہو۔ بچے تمام ساتھ ہو لیے۔ اُچھلنے کودنے لگے کہ اب پھوپھی اماں کی برکت سے پانی ضرور مل جائے گا مگر تمام خیامِ اہلِ بیت میں تلاش کیا کہیں سے بھی پانی کا ایک قطرہ بھی نہ مل سکا۔

پھر اعوان و انصار کے خیموں میں پتہ کیا۔ وہاں سے بھی پانی نہ ملا۔ آخر بریر ہمدانی کو پتہ چل گیا کہ دخترِ رسول تمام بچوں کو لے کر خیموں میں پانی کیلئے دورہ فرما رہی ہیں مگر پانی کہیں سے بھی نہیں ملا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت بریر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) نے فوراً انصاری اجلاس بلا لیا۔

بریر ہمدانی: اے حسینی غازیو! اے حسینی مجاہدو! افسوس ہے ہماری وفاداری پر اور تُف (افسوس) ہے۔ ہماری جاں نثاری پر کیا ہماری تلواریں اس وقت بے نیام ہوں گی۔ جب خاندانِ رسول کا ایک ایک بچہ بے آب مچھلی کی طرح ہائے پانی ہائے پانی چلا چلا کر ختم ہو جائے گا؟ کیا ہماری بہادری یہی ہے کہ دخترِ رسول تمام خیموں میں پانی کا پتہ

کرے اور اہلِ بیت کے بچوں کیلئے ایک قطرہ پانی نہ ملے؟

چار مجاہدوں کو ہمراہ لے کر فرات پر آ گئے۔ فوجی افسر اسحٰق کھڑا تھا جو بریر کا قریبی رشتہ دار تھا اس نے بریر ہمدانی رضی اللہ عنہ سے پوچھا؟

افسر: اے بریر ہمدانی (رضی اللہ عنہ)! کیسے آئے ہو اور تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ یہ کس کام کیلئے آئے ہیں؟ خیر تو ہے؟

حضرت بریر ہمدانی (رضی اللہ عنہ): ہم پانی لینے کیلئے آئے ہیں کیا اجازت ہے یا مزاحمت کرو گے؟

افسر: اے بریر ہمدانی: پانی پر سخت پابندی ہے۔ تم میرے عزیز ہو جلدی پانی پی لو کہیں فوجی جرنیل کو پتہ نہ چل جائے۔ یہ سن کر فوراً بریر نے ساتھیوں سمیت اپنے گھوڑے فرات (دریا) میں ڈال دیئے اور حکم دیا کہ جب تک اہلِ بیت پانی نہ پی لیں۔ تم پر پانی پینا حرام ہے۔ کسی دشمن نے جا کر اسحاق کو کہا کہ کیا تجھے فوجی افسر اس لئے بنایا گیا ہے کہ تو بریر ہمدانی (رضی اللہ عنہ) کو عزیز سمجھ کر پانی لے جانے کی اجازت دے دے؟ آخر فوجی سپاہی آئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ بمشکل بریر ایک مشک لا سکے۔

جب خیامِ اہلِ بیت میں یہ مشک آئی تو تمام بچے کوزے اور گلاس لے کر آئے۔ کوئی بچہ مشک پر منہ ملنے لگا تو کوئی زبان لگانے لگا۔ کوئی سینہ ملنے لگا تو کوئی ہاتھ لگا کر منہ پر ملنے لگا تو کوئی زبان

لگانے لگا۔

آخر کار مشک کا منہ کھل گیا اور تمام پانی بہہ گیا۔ بچے ہائے پانی ہائے پانی کرتے رہ گئے۔اس پانی کے بہنے کا بے حد افسوس ہوا۔ جب یہ پانی بہہ گیا تو اس وقت بچوں کو کس قدر افسوس ہوا ہوگا مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ بچوں کا بھی اسی حال میں امتحان لیا جائے۔

(شہیدِ اعظم: ۱۴۱)

گھوڑے پئیں کُتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

رب العزت عزوجل نے چار شخصیتوں کو تمام روئے زمین کا بادشاہ بنایا۔ جن میں نمرود اور شداد کافر بادشاہ ہوئے، جو خدا کہلاتے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرواتے تھے۔ دو بادشاہ مسلمان ہوئے۔ جن میں حضرت سکندر ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیہما السلام تھے۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تمام روئے زمین کے بادشاہ اور شہنشاہ تھے۔ آپ تمام جن وانس، دیو و پری اور چرند و پرند پر حکمران تھے۔

آپ بچپن سے ہی بہترین فیصلے فرمایا کرتے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کی نظروں میں بھی محبوب ہوتے آپ کا ایک فیصلہ بہت ہی مشہور ہے۔ جب آپ کی چھوٹی سی عمر تھی۔ اس فیصلہ کو قرآن مجید نے بھی بہت سراہا۔ ایک زمیندار کے کھیت کو ایک بکریوں والے نے چرالیا۔ زمیندار نے جب دیکھا کہ کھیت بکریوں نے چرلیا ہے۔ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

زمیندار: یا نبی اللہ! میرا کھیت فلاں چرواہے کی بکریوں نے چرلیا۔ آپ مجھے معاوضہ دلائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام : اے بکریوں والے! بھئی تو نے فلاں زمیندار کا تمام کھیت بکریوں کو چروایا ہے۔ اس غریب کا کتنا بڑا نقصان کیا۔ اچھا ہم نے کھیت کے نقصان کی قیمت لگالی ہے تو بکریاں اس کے سپرد کر دے یا ان بکریوں کی قیمت ادا کر دے۔

چرواہا: یا نبی اللہ ! آپ خود مختار ہیں جو حضور نے فیصلہ فرمایا وہ حق ہے۔ آپ میری بکریاں زمیندار کو دے دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام : بھئی! زمیندار لو تمہارا نقصان پورا کر دیا گیا ہے۔ تمام بکریاں تمہیں دے دی گئی ہیں لے جاؤ۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے زمیندار! یہ بکریاں کہاں سے لائے ہو؟ یہ تو کافی بڑا ریوڑ ہے۔

زمیندار: حضور! وہی جھگڑا جو میرے اور مالکِ غنم (بکریوں کے مالک) کے درمیان تھا آج عدالتِ داؤدی نے کھیت کے عوض مجھے یہ ریوڑ عطا فرما دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام : بھئی تمہارا اور مالکِ غنم کا کیا مقدمہ تھا؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے تاکہ میں بھی مقدمہ اور فیصلہ پر غور کرسکوں۔

زمیندار: حضور! مقدمہ یہ تھا کہ فلاں مالکِ غنم نے اپنی بکریوں کو میرا پھلا پھولا کھیت چرا دیا۔ میں نے عدالت میں اس پر اپنے نقصان کا دعویٰ کر دیا کہ جتنی قیمت کی بکریاں ہیں اتنا ہی نقصان کیا ہے۔

لہذا مالکِ غنم قیمت ادا کرے یا تمام بکریاں اسے دے دے۔

مالکِ غنم نے بکریاں میرے سپرد کر دیں یہ وہی بکریاں ہیں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اگر ابا جان اس فیصلہ کے وقت مجھے بلاتے تو میں بھی اپنی رائے پیش کرتا خیر............

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

حضرت داؤد (علیہ السلام): اے بیٹا! سلیمان سنا ہے کہ تم نے یہ کہا ہے کہ اگر میں عدالت میں ہوتا اور ابا جان مجھے حکم فرماتے تو میں اس فیصلے سے بہتر فیصلہ کرتا۔ جس سے جانبین (دونوں) کا فائدہ ہوتا۔ اچھا میں وہ مقدمہ تمہیں دیتا ہوں۔ مدعی اور مدعا علیہ کو بلاتا ہوں۔ آپ فیصلہ کر دیں۔ یہ فرما کر دونوں کو عدالت میں بلا لیا گیا۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): بھئی! تمہارا فیصلہ دوبارہ کیا جائے گا۔ اچھا سنو! مالک غنم جا کر زمین کو خوب درست کرے اور اس کی پوری آبپاشی کرے۔ جب کاشت کا وقت آئے تو وہی فصل کاشت کرے۔ جب وہ فصل تیار ہو جائے تو مالکِ غنم اپنی بکریاں زمیندار سے واپس لے لے اور وہ تیار شدہ فصل زمیندار کے حوالے کر دے۔

مالکِ غنم: یا حضرت! بہت اچھا مجھے منظور ہے۔

جب فصل تیار ہو گئی تو چرواہے نے فصل دے کر اپنی بکریاں واپس لے لیں۔ (روضۃ الاصفیاء)

عدالتِ عظمیٰ کے عظیم فیصلے

دوعورتیں: یا نبی اللہ! ہم حضور کی خدمت میں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئی ہیں۔آپ ہمارا فیصلہ فرمادیں۔

حضرت داؤد (علیہ السلام): اے عورتو! بتاؤ تمہارا کیا جھگڑا ہے؟ پہلے اپنا جھگڑا ہماری عدالت میں پیش کرو پھر ہم فیصلہ کریں گے۔

عورتیں: حضور! ہم دونوں فلاں جنگل میں سفر کر رہی تھیں۔ ہمارے پاس دو بچے تھے۔اچانک ایک بھیڑیا جنگل سے نکلا اور اس نے ایک بچہ چھین لیا۔اس کے بعد ہمارا جھگڑا ہو گیا۔ بڑی کہتی ہے کہ تیرا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ یہ بچہ میرا ہے۔میں کہتی ہوں کہ نہیں آپا جی تیرا بچہ بھیڑیا لے گیا یہ بچہ میرا ہے۔اب حضور مالک ہیں جسے چاہیں یہ بچہ عطا فرمادیں۔حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ بڑی بی بی کا ہی ہے۔ یہ بچہ اسے دے دیا جائے۔ یہ دونوں عدالت سے آ رہی تھیں کہ راستے میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): آپا تمہارا کیا فیصلہ ہوا! اباجی نے بچہ کسے عطا فرمایا؟

عورت: اے شہزادے! عدالت نے فیصلہ میرے حق میں فرمادیا۔آج سے بَری اور یہ میری چھوٹی ساتھن خارج ہوگئی۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے کاش میں عدالت میں ہوتا تو بہت ہی عمدہ فیصلہ

کرتا۔ یہ بات کسی نے حضرت داؤد علیہ السلام سے جا کر عرض کر دی۔

حضرت داؤد (علیہ السلام): اے سلیمان! اچھا بیٹا میں وہ مقدمہ تمہیں دیتا ہوں۔ تم نظرِ ثانی کر کے فیصلہ کر دو۔ عورتوں کو واپس بلایا گیا۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): آپا جی کیا یہ لڑکا آپ کا ہے؟ اگر میں فیصلہ کر دوں تو کیا تجھے اور اس چھوٹی آپا کو منظور ہوگا؟

عورتیں: شہزادے! آپ فیصلہ فرمائیں۔ ہمیں ہر طرح سے منظور ہے۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے جلاد! لو یہ چھری اور لڑکے کو درمیان سے دو ٹکڑے کر دو۔ نصف بڑی بی بی اور نصف چھوٹی بی بی کو دے دو۔

چھوٹی: (رو، رو کر) یا حضرت! میں اپنے لختِ جگر کو ذبح ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی آپ یہ لڑکا آپا جی کو ہی عطا فرما دیں مجھے منظور ہے۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): آپا کیا یہ فیصلہ تجھے منظور ہے؟ کہ میں اس بچہ کو چھری سے ذبح کروا کے تقسیم کرا دوں۔

بڑی بی بی: یا حضرت مجھے کوئی انکار نہیں بیشک آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہے۔ آپ دو ٹکڑے کروا دیں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے چھوٹی عورت! جاؤ لڑکا تمہارا ہے۔ اگر اس کا ہوتا تو یہ کب گوارا کرتی کہ اس کے سامنے اسکا بچہ ذبح کیا جائے۔ جس کا بچہ ہوتا ہے درد بھی اسے ہی ہوتا ہے۔ جاؤ بچہ تمہارا ہے۔ تم بری اور یہ خارج۔ (فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت

دعا: یاالٰہی! تیرا ہزار ہا شکر ہے تو نے مجھے تمام زمین کا حکمران بنایا اور تمام جنّوں، انسانوں، دیوؤں، پریوں، چرند، پرند اور ہوا کو مسخر فرمایا۔ زمین کے تمام خزائن اور دفائن میرے سپرد فرمائے۔ مجھے اجازت ہو تو میں ایک روز تیری تمام مخلوق کی دعوت کروں۔ مولا میری عرض منظور فرما۔ آمین

ربُّ العزت: اے سلیمان (علیہ السلام)! میری مخلوق بہت وسیع ہے۔ سب کی دعوت آپ سے نہ ہو سکے گی۔ اگر دعوت کرنی ہی ہے تو کر کے دیکھ لو مگر تمام مخلوق کا شکم سیر کرنا مشکل بات ہے۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے جنّو! اے دیوؤ! جاؤ فلاں وسیع میدان کو خوب صاف کر کے وہاں فرش بچھا دو اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے تمام خوردنی سامان مہیا کرو۔ کھانے پکا پکا کر اس میدان کو خوب بھر دو۔ دیکھو کھانے ہر قسم کے تیار کرنا کیونکہ ہر طرح کی مخلوق کی دعوت ہے۔

جنّات: حضور! چل کر دیکھ لیں۔ ہم نے ہر قسم کے کھانے پکا کر اس میدان کو بھر دیا۔ دور سے کھانوں کے پہاڑ نظر آ رہے ہیں۔ حضور آٹھ ماہ میں یہ تمام کھانے تیار کئے گئے ہیں۔ حضور ہم نے سات لاکھ

دیگیں مختلف کھانوں کی پکائی ہیں۔ ہر ایک دیگ ستر گز لمبی چوڑی ہے۔ حضور ہم نے اس قدر کھانا تیار کر دیا ہے کہ خدا کی مخلوق ختم نہ کر سکے گی بلکہ بہت سا کھانا بچ جائے گا۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): یا الٰہی! اب تو حکم فرما تا کہ تمام مخلوق میرے دستر خوان پر آ کر کھانا کھائے۔ ربُّ العزت نے ایک مچھلی کو حکم دیا۔

مچھلی: یَا نبی اللہ! مجھے ربُّ العزت عزوجل نے بھیجا ہے کہ میں بہت بھوکی ہوں۔ آپ پہلے مجھے کھانا کھلا دیں۔ باقی مخلوق کو آپ بعد میں کھلاتے رہیں۔ اچھا حضور اجازت ہے۔ بسم اللہ شریف پڑھوں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے مچھلی! گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو اس قدر وسیع میدان کھانے کا بھرا پڑا ہے تمام مخلوق کھا لے۔ پھر بھی بچ جائے گا۔ ذرا صبر کرو۔ تمام مخلوق کو آ لینے دو۔

مچھلی: یَا نبی اللہ! میں بہت بھوکی ہوں۔ میری تین لقمے خوراک ہے۔ میں نے ربُّ العزت عزوجل سے اجازت لے لی ہے۔ اس نے ہی مجھے بھیجا ہے۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): اے مچھلی! اگر تو صبر نہیں کر سکتی تو تیری مرضی اچھا اجازت ہے۔ بسم اللہ کرو! یہ حکم سن کر تمام کھانا اس مچھلی نے ایک ہی لقمہ میں ختم کر دیا۔

مچھلی: یَا نبی اللہ! یہ تمام کھانا میرا ایک ہی لقمہ ہوا اور میری

خوراک صرف تین لقمے ہے۔ آپ مجھے دو لقمے اور عطا فرمائیں۔ آج میں آپ کی مہمان ہوں۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو خدا کے دربار میں ایک طویل سجدہ ادا کیا اور خدا سے معافی چاہی۔ (روضۃ الاصفیاء)

شہزادی بلقیس

ایک روز آپ جنّوں، انسانوں، دیوؤں، پریوں اور چرند، پرند کے ایک بہت بڑے لشکر کو لئے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں سفر فرما رہے تھے۔ جب آپ وادیٔ نمل (چیونٹیوں کی وادی) میں پہنچے تو ایک نمل یعنی چیونٹی کی آواز سنی۔

اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلّوں (سوراخوں) میں گھس جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کے قدموں میں آ کر پامال ہو جائیں۔

آپ تین میل پر اس کی آواز سن کر ہنس پڑے۔ (معلوم ہوا کہ اللہ والوں کیلئے قرب و بعد یکساں ہیں)۔

؎ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام (حدائقِ بخشش)

آپ نے ایک جگہ جا کر معلوم کیا ہُد ہُد غیر حاضر ہے۔ جب وہ آیا تو اس سے پوچھا کہ تو کہاں گیا تھا؟

عرض کیا حضور میں آج ملک یمن سے آیا ہوں۔ وہاں ایک عورت حکومت کرتی ہے۔ جس کا نام بلقیس ہے۔ وہ لوگ ستارہ پرست ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ہُد ہُد کو ایک خط لکھ کر دیا کہ اے شہزادی بلقیس! یا تو تُو مسلمان ہو کر میری خدمت میں حاضر ہو ورنہ میں خود لشکر لے کر آ رہا ہوں تا کہ حملہ کروں۔

شہزادی بلقیس: اے وزراء! مجھے آج یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے آیا ہے۔ وہ دعوتِ اسلام دے رہے ہیں۔

وزیر: اے بلقیس! ہمارے پاس لشکر بھی موجود ہے اور مال و دولت بھی۔ اگر وہ حملہ آور ہوں گے تو ہم ان کا زبردست مقابلہ کریں گے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں؟

شہزادی بلقیس: اے وزیرو! مقابلہ بادشاہوں سے ہوا کرتا ہے نہ کہ نبیوں سے۔ وہ تو خدا کے پیغمبر اور بادشاہ بھی ہیں۔ اگر ہم مقابلہ کریں تو پیغمبر سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں۔ میں تمہیں بہت سے تحفے، تحائف، غلام اور کنیزیں دے کر بھیجتی ہوں۔ علاوہ ازیں چاندی اور سونا وغیرہ بھی۔ آپ جا کر ان کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنا، ہدیے اور تحفے حاضر کرنا اگر وہ بادشاہ ہوں گے تو بخوشی قبول فرما لیں گے اگر وہ نبی ہوں گے تو تحفوں کو رد فرما دیں گے۔ یہ سن کر وزیر نے حسبِ حکم تمام تحفے اور سونے چاندی کی اینٹیں لیں۔ غلام کنیزیں لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار

میں حاضر ہوئے۔ وہاں جنوں، پریوں، شیروں، بھیڑیوں کو خدمت میں حاضر پایا اور لاکھوں روپے کے سامان سے سجا ہوا دربار عالیہ کا یہ منظر دیکھ کر وہ حیران ہو گئے۔

پھر انہوں نے بلقیس کی طرف سے سلام عرض کیا اور تحفے تحائف حاضر کیئے مگر آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے تحفے منظور نہیں۔

اسے کہو یا تو وہ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو ورنہ میں اپنا لشکرِ جنات لے کر آ رہا ہوں۔ درباریوں نے جا کر تمام حالات عرض کیے۔ شہزادی بلقیس نے اپنا تختِ زرّیں جو اسی گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تھا۔ محل میں رکھا اور اپنے امراء و وزراء کو ساتھ لے کر مسلمان ہونے کیلئے چل پڑی۔

لیے آ رہی تھی میں بے چین دل کو
سکوں مل گیا در پہ آنے سے پہلے

ارشادِ سلیمان علیہ السلام

اے جنّوں، انسانوں، اور دیوؤ! تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے؟ جو شہزادی بلقیس کے آنے سے پہلے اس کے تخت کو لا کر میرے دربار میں حاضر کر دے۔

ایک جن جس کا نام عفریت تھا عرض کی۔

عفریت: یا شہنشاہ! آپ مجھے حکم دیں تا کہ میں آپ کے اجلاس کے ختم

ہونے سے پہلے لا کر حاضر کر دوں۔ میں اس پر طاقت رکھتا ہوں اور امین بھی ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام: اے عفریت! یہ تو بہت دیر میں لانے کا تم وعدہ کرتے ہو۔ اجلاس تو کافی دیر میں ختم ہو گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی تخت کو بہت جلد حاضر کرے۔

وزیر: یا شہنشاہ! آپ مجھے حکم دیں میں آپ کی چشمِ زدن (آنکھ جھپکنے) سے پہلے پہلے لا کر حاضر کروں گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہاں اتنی جلدی ہی چاہتا ہوں۔ جب آپ نے آنکھ بند کر کے پھر آنکھ کو کھولا تو دیکھا کہ دربار میں تختِ بلقیس حاضر ہے۔ یہ کرامت حضرت آصف بن برخیا وزیر سلطنت کی دیکھ کر تمام درباری حیران رہ گئے۔ پھر بلقیس آئی اور آ کر دربارِ سلیمان کو لاکھوں روپے کے سامان آرائش سے مزین دیکھا۔ بصد خوشی مسلمان ہو کر داخلِ حرم ہو گئی۔ (روضۃ الاصفیاء)

ہوا پر حکومت

درباری: یَا نبی اللہ! آپ مجھے جلدی ہندوستان پہنچا دیں دیکھو حضور مجھے ملک الموت کس طرح گھور گھور کر غصہ میں دیکھ رہے ہیں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام): بھئی! تم ہندوستان کیوں جانا چاہتے ہو؟ آخر تمہیں

وہاں کیا کام ہے؟ بتاؤ تو سہی!!

درباری: یَا نبی اللّٰہ! یہ دیکھو ملک الموت (موت کا فرشتہ) پھر مجھے سامنے کھڑے گھور رہے ہیں۔ آپ جلدی مجھے ہندوستان پہنچا دیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام: اے ہوا! جلدی اس آدمی کو ہندوستان پہنچا دے۔ دیکھو دیر نہ ہونے پائے۔ یہ حکم سن کر ہوا نے اس کو فوراً اُٹھایا اور ہندوستان پہنچا دیا۔ ہوا نے آ کر عرض کیا کہ حضور میں اسے ہندوستان چھوڑ آئی ہوں۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام: یَا نبی اللّٰہ! آپ نے اس کا اور میرا قصہ سنا۔ خدا نے مجھے حکم دیا کہ تو فوراً جا اور فلاں شخص کی جان ہندوستان میں قبض کر لے جب میں نے دیکھا تو اسے آپ کے دربار میں حاضر پایا۔ میں اسے گھور گھور کر دیکھتا تھا اور وہ میری آپ کے دربار میں شکایت کرتا تھا۔ آخر آپ نے ہوا کو حکم دے کر اسے چشمِ زدن (آنکھ جھپکنے) میں ہندوستان پہنچا دیا۔ میں نے وہاں پہنچ کر اس کی جان قبض کر لی۔ میں ابھی اس کی جان قبض کر کے واپس آیا ہوں۔ (مثنوی شریف۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال باکمال

بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی ہزاروں جن و انسان کام کر رہے تھے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر ذکرِ حق میں مصروف تھے۔
ربُّ العزت نے عزرائیل (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اے عزرائیل! جاؤ ہمارے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی جان اسی حالت میں قبض کر لو۔ ملک الموت آئے اور جان قبض کر لی۔ مگر آپ پھر بھی لاٹھی کے سہارے ایک سال تک کھڑے رہے۔
جنات بیت المقدس کی تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی تو حکمِ الٰہی سے دیمک نے لاٹھی چاٹ لی۔ آپ فرشِ زمین پر تشریف لے آئے تو جنوں کو معلوم ہوا کہ آپ جاں بحق ہو چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
لیکن وہ فقط آنی ہے (حدائقِ بخشش)

اہلِ بیت اور عبادت کی رات

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا): بھائی جان! آپ بھیا عباس، حبیب اور زہیر سے بحث فرما رہے تھے؟ آج تو شمر اور خولی ملعون بڑے غصے میں لال پیلے ہو رہے تھے۔ کیا کوئی نیا حادثہ پیش آنے والا ہے؟

امام: پیاری بہن! آج مورخہ نو محرم الحرام ہے۔ گورنرِ کوفہ عبید اللہ ابنِ زیاد نے اپنے فوجی کمانڈر کے نام حکم نامہ بھیجا ہے کہ اے عمرو سعد

اگر حسین رضی اللہ عنہ ہمارے شہنشاہ یزید کی بیعت نہیں کرتے تو ان پر جلدی حملہ کر دو۔ انہیں اور ان کے تمام عزیزان و اعوان کو شہید کر دو۔ ان کے سر قلم کر کے نیزوں پر چڑھا کر کوفہ لے آؤ ورنہ فوجی کمان شمر کے حوالہ کر دو تا کہ وہ فوجی کمانڈر کی حیثیت سے حسین (رضی اللہ عنہ) کا مقابلہ کرے۔ حکومت اور دیگر انعامات کا حقدار بھی وہی ہوگا۔

عمرو تو کم بولتا تھا مگر شمر دنیاوی لالچ کی بنا پر زیادہ آمادۂ جنگ ہے۔ میں نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اب سورج غروب ہونے والا ہے۔ اب جنگ کا وقت نہیں ہمیں آج کی رات مہلت دے دی جائے تا کہ ہم شبِ عاشورہ میں دل کھول کر خدا کی عبادت کریں اور سجود و نیاز کر لیں۔ ہم باہم مل کر آخری نمازیں ادا کر لیں۔ آخری دعائیں کر لیں۔ آخری وصیتیں کر لیں۔ دل کھول کر اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں بھی کر لیں۔ دل کھول کر تلاوتِ قرآن کر لیں۔ دل کھول کر ذکر و فکر کر لیں۔

میں اسی نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں جن کی ساری ساری رات سجدہ میں گزر جایا کرتی تھی، جو تمام رات اپنی لاڈلی اُمت کے حق میں رو رو کر "رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ" کی دعا کیا کرتے تھے۔

میں اسی نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں جو دربارِ الٰہی میں تمام رات قیام کیا کرتے تھے۔ پیر متورم (سوج) ہو جایا کرتے اور ان کے پاؤں مبارک میں ورم

(سوزش) آ جایا کرتی تھی۔ پیروں سے خون بہنا شروع ہو جایا کرتا تھا۔ پھر بھی یہی عرض کرتے مولا تو نے رات کو بہت ہی چھوٹا کر دیا۔ کوئی رات تو اتنی طویل کر دے کہ میں دل کھول کر تیرے دربار میں لمبے لمبے سجدے کر لوں۔ لمبی لمبی تسبیح کر لوں۔ آہ رات جلدی ختم ہو گئی۔ اور رو رو کر دعائیں کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

؎ اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا؟
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں (حدائق بخشش)

☆ - میں اس بابا جان کا بیٹا حسین (رضی اللہ عنہ) ہوں جس نے اپنا سر سجدہ میں کٹایا تھا۔

☆ - آہ! میں اسی باپ کا بیٹا ہوں جس نے وقتِ شہادت جبکہ ان کی خدمت میں ٹھنڈا شربت پیش کیا گیا تو فرمایا کہ یہ شربت پہلے میرے قاتل کو پلا دو۔ شاید اسے مجھ سے زیادہ پیاس لگی ہو۔

☆ - میں اس ماں کا بیٹا ہوں جس کے بیٹے (حسین) کا جھولا آ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام جھلایا کرتے تھے۔

☆ - جس کی چکی آ کر حضرت جبریل علیہ السلام چلایا کرتے تھے۔

☆ - جن کے گھر میں فرشتے بھی بے اجازت نہ آ سکتے تھے۔

☆ - جن کے آنسو ملائکہ اُٹھا کر لے جایا کرتے تھے۔ تاکہ عرش کو ان موتیوں سے مزین کیا جائے۔

☆- میں اس دخترِ رسول کا بیٹا ہوں جس نے وقتِ وصال بھی نانا حضور ﷺ کی اُمت کو فراموش نہ فرمایا۔ اس کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔

☆- میں اس امام حسن رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوں جن کے جسمِ اطہر کو نانا جان ﷺ کے دربار میں دفن نہ ہونے دیا گیا۔

☆- میں اس حسن رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوں جس نے وقتِ شہادت قاتل کا نام تک نہ بتایا۔

☆- میں وہ حسین رضی اللہ عنہ ہوں جس کے رخساروں کے رحمۃ للعلمین بوسے لیا کرتے تھے۔ میں وہ حسین ہوں جسے گرتا دیکھ کر نانا جان خطبہ چھوڑ کر گود میں اُٹھا لیا کرتے تھے۔

☆- میں وہی حسین (رضی اللہ عنہ) ہوں جس کیلئے آپ سجدہ طویل کر دیا کرتے تھے۔

☆- میں وہی حسین (رضی اللہ عنہ) ہوں جس نے عمر بھر کبھی نماز قضا نہ کی۔

☆- میں وہی حسین (رضی اللہ عنہ) ہوں جس نے پچیس حج پیدل کیے۔

☆- آج تم اس نواسۂ رسول کے مقابل نیزے، تلواریں، خنجر اور بھالے لے کر آ کھڑے ہوئے کہ اسے شہید کر دیا جائے۔

☆- میں تم سے جنگ کل کروں گا۔ آج کی رات ذکرِ حق کے لیے دے دو تاکہ میں خدا کی آخری عبادت اور آخری ریاضت کر لوں اور تلاوتِ قرآن کر لوں۔

☆- آخر ماں جائی! یہ فیصلہ کیا گیا کہ اچھا تم شب عاشورہ گزار لو۔ صبح

روزِ عاشور کو جنگ ہوگی۔ یعنی ۱۰/محرم الحرام کو۔

فضا میں خونِ ناحق کی جھلک معلوم ہوتی ہے

زمیں سے نا اُمیدی تا فلک معلوم ہوتی ہے

آپ جب خیمہ میں یہ دردانگیز تقریر فرما رہے تھے تو سن کر تمام دخترانِ رسول رضی اللہ عنہن خون کے آنسو رو رہی تھیں۔ یہ کلمات نہ تھے بلکہ خنجر و نیزے تھے جو دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔ یہ الفاظ نہ تھے بلکہ برچھیاں تھیں جو جگر سے پار ہو رہی تھیں۔ یہ تقریر سن کر آخر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رہا نہ گیا۔ کلیجہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر رو، رو کر عرض کرنے لگیں۔

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا): بھیا! گویا آپ ہمارے اسی شبِ عاشورہ کے ہی مہمان ہیں۔ بس یہ آخری زیارت ہے کہ ہم آپ کو جی بھر کر دیکھ لیں۔

آپ کا سایہ ہمارے سروں پر صرف اسی شب عاشورہ تک ہے۔ کل ہم آپ کے سایہ رحمت سے محروم ہو جائیں گی۔

بھیا جب ہم سے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اُٹھا اگرچہ ناقابل برداشت تھا مگر پھر بھی یہ خیال آ جایا کرتا کہ اچھا اماں فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا سایہ تو ہمارے سروں پر ہے۔ آخر وہ بھی تو دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم ان کی صورت دیکھ کر ہی دل کی لگی آگ بجھالیا کریں گے۔ یہ بھی ہو بہو حضور ہی کے مشابہ ہیں۔

جب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا سایہ اُٹھا تو وہ دن قیامت سے کم نہ

تھا۔ ہم سب صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام بے آب مچھلی کی طرح غمِ فاطمہ میں تڑپ رہے تھے کہ ہائے دخترِ رسول کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔

مگر یہ خیال تھا کہ اچھا مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ہی یہ غمزدہ زندگی پوری ہو جائے گی۔ آخر یہ بھی دامادِ رسول اور شوہرِ بتول ہیں۔ خدا ان کے سایہ کو ہمارے سروں پر قائم رکھے مگر جب حضرت مولائے کائنات بھی کوفہ کی جامع مسجد میں شہید ہو گئے تو ہماری کمر ٹوٹ گئی۔ بس اب تو ہم تمام بزرگوں کے مقدس سایہ سے محروم ہو گئے۔

مگر کبھی کبھی دل کو سہارا مل جاتا کہ اچھا حکمِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ بس یہ فرزندانِ رسول دلبندانِ بتول امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما ہی ہیں جو ہماری آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضور اور اماں جان یاد آ جاتے۔ وہی صورت، وہی سیرت، وہی گفتار، وہی رفتار، وہی ایثار، وہی شعار اور وہی کردار۔

جب شاہِ زمن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر سے شہید کیا گیا تو وہ دن بھی ہم اہلِ بیت اور محبانِ اہلِ بیت کیلئے روزِ محشر سے کم نہ تھا۔ اکابر اور اصاغر تمام بے ہوش ہو، ہو کر فرشِ زمیں پر گر رہے تھے۔ نیم بسمل کی طرح تڑپ اور بے آب مچھلی کی طرح پھڑک رہے تھے۔

آخر روتے روتے خیال آ جایا کرتا کہ بس اب تو ایک بھیا امام حسین رضی اللہ عنہ ہی باقی رہ گئے، جو ہمارا آخری سہارا ہیں۔ تمہیں دیکھ کر اپنے تمام غم غلط کر لیا

کرتی تھیں۔

اب بھیا آپ نے بھی ہمیں عین میدانِ کربلا میں آ کر پیغامِ مفارقت سنا دیا۔ بھیا ہمارا یہاں آپ کے سوا کون سہارا ہے؟ میں اپنے دکھ درد کس کو سناؤں گی؟ کس سے فریاد کروں گی؟ اچھا بھیا حسین رضی اللہ عنہ یہ وہی قیامت آنے والی ہے جس کی بابت نانا حضور ﷺ اور اماں جان فرمایا کرتے تھے کہ کربلا میں صبر کرنا۔

مصیبت ہائے مجھ پر کل یہ کیسی آنے والی ہے
نہ میرا کوئی مونس ہے نہ میرا کوئی والی ہے

علی و فاطمہ کی طرح مجھ کو پالنے والے
میرے سر پر وفورِ غم میں چادر ڈالنے والے

میری آنکھوں کے آگے جب نہ ہوں گے قاسم و اکبر
میں زندہ رہ سکوں گی ہائے غربت میں بھلا کیوں کر

شبِ عاشورہ

یہ وہی شبِ عاشور ہے جس کے بعد کربلا میں میدانِ حشر برپا ہونے والا ہے۔ حضور امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں مصروفِ ذکر و فکر ہیں۔ کبھی نوافل شروع کرتے ہیں تو کبھی تلاوتِ قرآن اور کبھی نانا حضور ﷺ پہ درود شریف پڑھتے

لگتے ہیں۔ تمام عزیزان و محبانِ حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنی اپنی جگہ نماز و نیاز میں محو ہیں۔ کسی خیمہ سے ذکر کی آواز آ رہی ہے تو کسی سے تلاوتِ قرآن کی۔ کسی سے درود شریف تو کسی خیمہ میں نوافل ادا کیے جا رہے ہیں۔

آپ کے کانوں میں کسی خیمہ سے رونے کی ایک درد انگیز محشر خیز آواز آئی۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے پوچھا بیٹا علی اکبر یہ کون غمزدہ رو رہی ہے پتہ تو کرو۔ عرض کیا بابا جان یہ میری پھوپھی اماں ہیں۔ یوں تو یہ کئی روز سے رو رہی ہیں مگر آج رات تو ان کی اضطرابی بے حد بڑھ گئی بار بار گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر روتی ہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو فرماتی ہیں کہ بیبیو میری چھاتی غم سے پھٹی جاتی ہے۔ مجھے اپنے ماں جائے کے بچنے کی اب کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کوئی بچنے کی اُمید نہیں ہے۔

یہی اماں جان کا حال ہے۔ یہی چھوٹی پھوپھی اماں کا حال ہے کہ انہوں نے بھی رو، رو کر اشکوں کی جھڑی لگا رکھی ہے اور سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا بھی غم سے نڈھال ہیں۔ زبان پر العطش العطش (ہائے پیاس ہائے پیاس) جاری ہے۔ ننھا اصغر پیاس کی وجہ سے جان توڑ رہا ہے۔ پھوپھی اماں کو بھی آپ کی یاد ستا رہی ہے۔ بچوں اور تمام بیبیوں کی مصیبت خون کے آنسو رلاتی ہے۔ انہیں دیکھ کر ان سے ضبط نہیں ہوتا۔ اس لئے بار بار رو پڑتی ہیں۔

؎ رو آتی ہیں عابد کے سرہانے کبھی جا کر
گہوارۂ اصغر پہ کبھی گرتی ہیں آ کر

قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اسے پا کر
بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر

وہ کہتی ہے تا صبح یونہی روؤں گی اماں
بابا ہی سلائیں گے تو میں سوؤں گی اماں

☆ یہ سن کر آپ مصلےٰ سے اُٹھے اور اپنی پیاری بہن زینب رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تشریف لائے۔ جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ فرزندِ رسول تشریف لائے ہیں تو آپ بھائی جان کے قدموں میں گر پڑیں۔ آپ نے سہارا دے کر بہن کو اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ بہن کیوں روتی ہو؟ ابھی تو حسین (رضی اللہ عنہ) زندہ ہے جب رونے کا وقت آئے گا تو جی بھر کر رو لینا۔ بہن صبر سے تو کام لو تمہاری پریشانی کو دیکھ کر کیا دخترانِ رسول کے دلوں پر غم کا آرا نہ چلے گا؟ اور ان کا غم سے کیا حال ہوگا؟ انہیں صبر کی تلقین کون کرے گا؟

☆ یہ سن کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ بھائی جان میں ابھی تھوڑی دیر کیلئے لیٹ گئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی مجھے ابھی ابھی اماں جان سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی اور یہ فرماتی تھیں۔

ے کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینب
شبیر اسی رات کا مہمان ہے زینب

☆ بہن کا یہ بیان سن کر حضور امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ روتے ہوئے اپنے خیمہ میں تشریف لا کر محوِ ذکر ہو گئے۔

☆ پھر آپ کچھ دیر بعد خیموں کا دورہ فرمانے کیلئے اُٹھے۔ جب حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس پہنچے تو دیکھنے لگے کہ وہ بوڑھا ضعیف مجاہد کیا کر رہا ہے؟ آپ نے دیکھا کہ پیٹی کسی ہوئی ہے اور خوب ذکرِ الٰہی میں مصروف ہے۔

☆ غلام نے کہا اے آقا! آپ نے کئی دنوں سے ڈاڑھی کو وسمہ نہیں لگایا۔ اگر اجازت ہو تو میں وسمہ لگا دوں حبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے غلام مجھے اب وسمہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ کل یہ ڈاڑھی نصرتِ حسین رضی اللہ عنہ میں میرے سر کے خون سے سرخ ہو جائے گی۔ آپ یہ سن کر رونے لگے اور دعائے خیر دے کر آگے بڑھ گئے۔

☆ اس کے بعد آپ زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ مجاہد مسلح ہو کر ذکرِ حق میں مصروف ہے۔ کچھ دیر بعد غلام سے فرمایا کہ باہر نکل کر دیکھو کہ کتنی رات باقی ہے؟ غلام نے باہر نکل کر دیکھا کہ ابھی تہائی رات باقی ہے۔

☆ عرض کیا جناب ابھی تو تہائی رات باقی ہے۔ یہ سن کر بولے اُف یہ کتنی بڑی لمبی رات ہے، جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ الٰہی! جلد صبح فرما

تا کہ میں نصرتِ امام میں گلا کٹا کر تاجِ شہادت حاصل کروں۔ آپ یہ سن کر رونے لگے اور دعا دے کر آگے بڑھے۔

☆ اس کے بعد آپ وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ وہب رضی اللہ عنہ کی ماں خیمے میں وہب رضی اللہ عنہ کو فرما رہی ہے:

☆ اے وہب رضی اللہ عنہ! سترہ دن ہوئے تمہاری شادی کی تھی تا کہ میں اپنے بیٹے اور بہو کو سکون کی زندگی بسر کرتے دیکھوں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ میرا امام دشمنوں کے نرغے (گھیرے) میں آ گیا ہے تو میں تمہیں یہاں نصرتِ امام کیلئے لائی ہوں۔

☆ ابھی تم ڈھائی سال کے تھے جب تمہارے ابا جان فوت ہو گئے۔ میں نے تمہیں چرخے کات کر اور چکیاں پیس کر پالا ہے۔

☆ بیٹا تم پر میرا کچھ حق ہے۔ پس میں چاہتی ہوں کہ کل صبح تجھے میں اپنے امام کے قدموں پر قربان کر دوں۔ کیا یہ بات تجھے منظور ہے؟ بیٹے نے عرض کیا اماں جان! گھبرانے کی ضرورت نہیں میں تمہارے ساتھ کوفہ سے اسی لئے آیا ہوں تا کہ میں اپنے امام کے قدموں پر قربان ہو کر تاجِ شہادت حاصل کروں۔ یہ سن کر آپ آگے بڑھے۔ عرض کی۔

؎ جاں دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

☆ اس کے بعد آپ بریر ہمدانی رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ بریر ہمدانی رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست مسلم بن عوسجہ کو فرمایا اے مسلم! کیا حوروں کے شوق میں نیند نہیں آتی؟ مسلم نے کہا اے بریر! یہ رات مذاق کی نہیں۔ بریر نے ہنس کر کہا اے مسلم! ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سی رات خوشی کی ہوگی؟ کہ میں اور آپ کل امام رضی اللہ عنہ کے قدموں پر قربان ہو کر جنت کی سیر کریں گے۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں (حدائق بخشش)

آپ یہ سن کر آگے بڑھے اور عرض کی۔

☆ اس کے بعد آپ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خیمے کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ اپنے دونوں بیٹوں کو فرما رہی تھیں کہ اے بیٹو! کل تمہارے ماموں جان کے امتحان کا وقت ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو مسلح کر کے پیش کرنا۔ کہیں یہ سمجھ کر کہ ہم پر جہاد فرض نہیں جی چرانے لگو۔ کل مجھے اماں جان فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے شرمندہ نہ کروانا۔ تم میرے ماں جائے حسین رضی اللہ عنہ کو ماموں نہ سمجھنا انہوں نے تم کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھا ہے۔ اگر تم نے نصرت (مدد) میں کوتاہی کی تو میں تمہارا عمر بھر منہ نہ دیکھوں گی اور نہ تمہیں دودھ بخشوں گی۔

☆ دونوں بچے رو، رو کر عرض کرتے ہیں۔ اماں جان صبح تو ہونے دو۔ ہم یزیدیوں کو دکھا دیں گے کہ ہم کس کے پوتے ہیں اور کس کے نواسے ہیں؟ ہم اگرچہ عمر میں چھوٹے ہیں مگر میدان میں دیکھنا ہم دشمن کیلئے کیسے قیامت برپا کرتے ہیں اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیں گے اور ہم کس طرح دشمنوں کی لاشوں پر لاشیں گراتے ہیں۔ آپ یہ سن کر دعائے خیر فرماتے ہوئے آگے بڑھے۔

☆ اس کے بعد آپ اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے پاس آئے دیکھا کہ ماں اپنے بیٹے علی اکبر رضی اللہ عنہ کے بالوں میں شانہ (کنگھی) کر رہی ہے اور فرما رہی ہے آہ بیٹا کل یہ چاند سی صورت خاک و خون سے بھر جائے گی اور تمہاری اماں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تم سے بچھڑ جائے گی۔

☆ بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ اولاد اسی لیے ہوتی ہے کہ ماں باپ کا سہارا بنے۔ کل تم اپنے باپ حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں پر قربان ہو جانا۔ نصرتِ امام میں کوتاہی نہ کرنا۔ علی اکبر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں اماں جان یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟ کسی کی کیا ہمت کہ میرے ہوتے ہوئے فرزندِ رسول کو کوئی ترچھی نظر سے دیکھ سکے۔ اماں جان کل دیکھنا دشمنوں کو کس طرح میدان سے بھگاتا اور ہزاروں دشمنوں کو تہ تیغ کرتا ہوں۔ اماں جان میں شیر ابن شیر ہوں۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ آپ انہیں بھی دعا دے کر آگے بڑھے۔

کیسا عظیم خاندان اور اس کا ہر بچہ نوجوان شہادت سے سرشار نظر آتا ہے۔

؎ علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جسے دیکھو وہی شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

☆ اس کے بعد آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے جا کر دیکھا کہ آپ مجاہدانہ اشعار پڑھ کر اپنی تلوار کو پتھر پر رگڑ رہے تھے۔ خیمے کے ایک طرف حضرت سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا بیٹھی رو رہی تھیں۔ عباس کی نظر جو بہن کے چہرے پر پڑی تو پوچھا اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کیا یاد آ گیا، جو آپ اس قدر آب دیدہ ہو رہی ہیں۔ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے فرمایا بھائی جان کل قربانی کا دن ہے تمام انصار اور دخترانِ رسول اپنے اپنے بیٹوں کو قربانی کیلئے پیش کریں گے۔ میں اس لئے روتی ہوں کہ کاش اگر آج میرے ہاں بیٹا ہوتا تو میں بھی اسے مسلح کر کے فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتی اور کہتی کہ بھائی جان یہ میری قربانی قبول ہو جائے۔ بقولِ شاعر۔

؎ پتراں والیاں ناز کریندیاں مینوں ناز نہ کائی
میرے کول جے پتر ہندا دیندی راہ خدائی

☆ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے دخترِ رسول، جگر پارۂ بتول جب صبح تمام انصار و اہلِ بیت اپنی اپنی قربانیاں پیش کریں گے تو آپ

بھی اپنے غلام عباس کو اپنی طرف سے مسلح کر کے خدمتِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ میں پیش کر دینا۔ آپ نہ روئیں میں آپ کی طرف سے قربان ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ خیمہ میں تشریف لے گئے اور رو، رو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو سینے سے لگایا اور انہیں دعائے خیر عطا فرما کر اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے۔

امام: بیٹا علی اکبر! شاید تمہاری اماں جان رو رہی ہیں۔ انہیں صبر کی تلقین کرو۔ انہیں کہو کہ اللہ اللہ کریں۔ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں۔

علی اکبر: بابا جان! وہ تو کافی دیر سے رو رہی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ امی جان مجھے بھی تو بتا دو کہ تم کیوں روتی ہو؟ مگر نہیں بتاتیں۔

امام: اے شہر بانو! صبر سے کام لو۔ ہم ہر طرح خدا کی رضا و قضا پر راضی ہیں۔ ہاں کیا کوئی بھولا ہوا حادثہ یا کوئی مصیبت یاد آ گئی۔ یا میرے مصائب پر خون کے آنسو بہائے جا رہے ہیں۔ آخر بتاؤ تو سہی؟

شہر بانو: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! ابھی چند لمحے کیلئے میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے خواب میں ایک رشکِ آفتاب خاتون کو دیکھا کہ وہ میدانِ کربلا کو صاف فرما رہی ہیں اور بے حد پریشان حال ہیں۔ جسے بیان کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا

میں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا کہ اے مقدس خاتون رضی اللہ عنہا! خدارا مجھے بتا تو کون ہے؟ تیرا کیا نام ہے؟ تو کہاں سے آئی ہے؟ تو اس دشتِ کربلا میں کیوں جھاڑو کشی فرماتی ہے؟ اس دشتِ کربلا میں جھاڑو دینے اور صاف فرمانے سے تیرا کیا مطلب ہے؟ میرے استفسار پر اس مقدس خاتون نے جھاڑو کشی چھوڑ کر نہایت ہی محبت اور شفقت سے خطاب فرمایا اے بیٹی شہر بانو رضی اللہ عنہا! تو نے شاید مجھے پہچانا نہیں میں مدینہ منورہ سے چل کر آئی ہوں۔ میں دخترِ رحمۃ للعلمین ہوں بنت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ میرا نام سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا ہے۔ میں یہاں اس لئے جھاڑو دے رہی ہوں اور اسے صاف کر رہی ہوں کہ یہاں کل بروزِ عاشور میرا نورِ نظر لختِ جگر حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوگا۔ (تنقیح الشہادتین صفحہ ۱۱۰)

نام میرا فاطمہ ہے سن اے میری نورِ عین!
اس جگہ پر ذبح ہوگا کل میرا پیارا حسین

اسلئے میں کربلا کی صاف کرتی ہوں زمیں
اس کے زخمی جسم میں کنکر نہ چبھ جائے کہیں

امام: اے بہن! اُمِ کلثوم خیر تو ہے تم بہت گھبرائی ہوئی اور پریشان ہو۔ کیا کوئی تمہیں بھی ہولناک خواب نظر آیا ہے؟ جسے دیکھ کر تم زورہی

ہو؟ تمہاری آہ وزاری مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ ماں جائی صبر کرو صبر۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ :153)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اُمِ کلثوم: بھیا! کیا عرض کروں؟ عرض کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ طاقتِ گفتار نہیں۔ دل دھڑک رہا اور جسم لرز رہا ہے۔ آنکھوں نے اشکوں کی بارش شروع کر رکھی ہے، جو تھمنے میں نہیں آتی۔ دل کو سکون ہو تو عرض کروں۔ اچھا بھیا کلیجہ ہاتھوں سے تھام کر عرض کرتی ہوں۔

بھیا جن ماؤں کو معلوم ہو کہ کل صبح کربلا میں ہمارے جوان بیٹے قربان ہو جائیں گے۔ ان ماؤں کو نیند کہاں؟

جن بہنوں کو علم ہو کہ کل ہمارے جوان بھائی قربانی کے بکروں کی طرح ذبح ہونے والے ہیں۔ ان بہنوں کو نیند کہاں؟

جن بیویوں کو خبر ہو کہ ہمارے شوہر کل معرکۂ کربلا میں شہید ہوں گے۔ ان بیویوں کو چین کی نیند کہاں؟

جن بیٹیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کو علم ہو کہ کل میدانِ کربلا میں ہمارے باپ، ماموں اور چچے شہید ہوں گے۔ انہیں نیند کہاں نصیب ہوتی ہے؟

بھیا بزرگوں نے کہا ہے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ ابھی ابھی میری

آنکھ لگ گئی کہ کوئی منادی کرنے والا یوں اعلان کر رہا ہے کہ

اے حسینی مجاہدو! مصلے چھوڑ دو۔

اے حسینی غازیو! ذکر و وظائف کو ترک کر دو۔ جامِ شہادت تقسیم ہونے والے ہیں۔ اُٹھو اور میدانِ کربلا میں چل کر نوش فرماؤ۔

اے حسینی فدائیو: اُٹھو تاجِ شہادت تقسیم ہو رہے ہیں اُٹھ کر میدانِ کربلا میں منظم و مسلح ہو کر دشمنوں سے لڑو اور وہ تاج پہن کر جنت میں پہنچ جاؤ۔

کیوں بھیا حسین رضی اللہ عنہ! کیا منادی کا یہ اعلانِ خاص آپ نے بھی سنا؟ مجھے اُمید ہے کہ آپ نے ضرور سنا ہوگا۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ: اے بہن! اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا یہ رات حسین رضی اللہ عنہ کیلئے معراج کی رات ہے۔ یہ رات خدا سے معاملات طے کرنے اور رموز و اَسرار کی باتیں کرنے کی رات ہے۔ بہن تم نے جو کچھ کہا ہے۔ سچ کہا وہ منادی کا اعلان میں نے بھی سنا ہے۔

ابھی ابھی میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا کہ میرے مقابل ایک سفید داغ والا خطرناک کتا آیا۔ وہ مجھ سے کافی مقابلہ کرتا رہا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قاتل سفید داغ والا ہوگا۔ پھر حضور نانا جان تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ساتھ تشریف لائے اور یوں فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم: بیٹا حسین رضی اللہ عنہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو لے کر تمہارے پاس کیوں تشریف لایا ہوں؟ اور اس فرشتے کو

جانتے ہو یہ کون ہے؟ اور یہ کس لئے آیا ہے؟ دیکھ بیٹا اس کے پاس بوتل بھی ہے۔ بھلا تمہیں معلوم ہے یہ کس مقصد کیلئے لائی گئی ہے؟

امام: اے نانا جان! مجھے تو معلوم نہیں؟ آپ بتائیں گے تو علم ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم: بیٹا حسین رضی اللہ عنہ! میں اور تمام انبیاء و مرسلین تمہیں لینے آئے ہیں۔ فردوسِ اعلیٰ میں تمہارے بابا جان اور امی جان تمہارا بے چینی سے انتظار فرما رہے ہیں۔

ہم تمہیں بتانے آئے ہیں کہ بیٹا کل یومِ عاشور ہے۔ کل تم نے تاجِ شہادت پہننا ہے اور عروسِ شہادت سے ہمکنار اور لباسِ شہادت سے ملبوس ہو کر ہمارے پاس آنا ہے۔

بیٹا یہ فرشتہ تمہارے استقبال کیلئے حاضر ہوا ہے تاکہ تمہیں اور تمہارے شیدائی شہداء کو ملائکہ کے جلوس کے ہمراہ شان و شوکت کے ساتھ ہمارے ہمراہ فردوسِ اعلیٰ میں پہنچائے۔

اے بیٹا! اس کے پاس جو شیشہ یعنی یہ بوتل سبز گوں ہے۔ کل میدانِ کربلا میں جب تم شہید ہو جاؤ گے تو تمہارا مقدس خون اس میں جمع کیا جائے گا۔ تمہارے ساتھ یہ شیشہ بھی دربارِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا۔ مولا یہ حسینی خون ہے اسے قبول فرما۔

اے مولا: جو دل مانگو تو دل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ اُلفت ہیں تیرے بازار میں آئے (جامِ عرفان)

کیا نذر کروں مولا کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جاں بھی تمہاری ہے

یہ تقریر سن کر سیّدہ اُمِ کلثوم خون کے آنسو رونے لگیں اور خونی اشکوں سے اپنا منہ دھونے لگیں۔ جب سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور دیگر دختران رسول کو حسینی خواب سنایا تو تمام خیموں میں حشر برپا ہو گیا۔ تمام سیدزادیاں بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں۔

؎ چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھرّاتی تھی
نعرۂ واہ حُسَینَا کی صدا آتی تھی

تیرے بغیر

کربل میں کس نے گھر کو لٹایا ترے بغیر
کربل میں کس نے سر کو کٹایا ترے بغیر

قرآن کو منبروں پہ سُنایا گیا مگر
نیزے پہ کس نے چڑھ کے سُنایا ترے بغیر

سوکھا ہی جا رہا تھا یہ اسلام کا چمن
خوں دے کر اپنا کس نے بچایا ترے بغیر

ظلم و ستم کی ہو گئی ہائے یہ انتہا
نیزے پہ کس کے سر کو پھرایا ترے بغیر

کربل میں خوں سے کر کے وضوحق کے سامنے
کس نے سرِ نیاز جھکایا ترے بغیر

بیڑا ہمارا بحرِ مظالم میں غرق تھا
واللہ آ کے کس نے ترایا ترے بغیر

باطل کے سامنے نہ جھکا کر سرِ فراز
گرتے ہوؤں کو کس نے اُٹھایا ترے بغیر

خنجر رواں گلے پہ تبسم ہو زیرِ لب
ہمدم سبق یہ کس نے پڑھایا؟ ترے بغیر
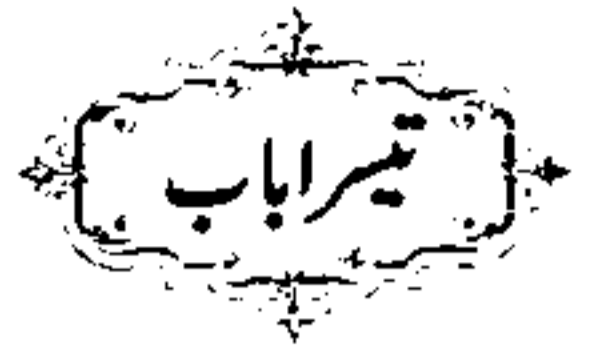
حضرت سکندر علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیراعظم اور خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ آپ نے شہر سکندریہ بنایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا۔

آپ نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ اولادِ اسام سے ایک شخص ایسا ہوگا جو چشمۂ آبِ حیات پیئے گا اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام اپنا لشکر لے کر ظلمات میں پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام نے چشمۂ آبِ حیات پالیا مگر حضرت سکندر علیہ السلام اس آبِ حیات سے محروم رہے۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

ترجمہ: ''خالی ہاتھ والوں کو رہبرِ کامل سے کیا فائدہ حاصل ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے آبِ حیات سے سکندر علیہ السلام کو پیاسا رکھا۔''

آپ نے تمام دنیا کا دورہ فرمایا۔ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں

خوب اسلام پھیلایا۔ غرباء و مساکین پر آپ بہت اِحسانات اور اِنعامات و اِکرامات فرماتے اور سرکشوں اور ظالموں کو سخت سزائیں دیتے۔ ہر جگہ اسلام ہی کا عَلَم (جھنڈا) لہرانے لگا۔

ایک دفعہ آپ چلتے چلتے بہت بڑے دو پہاڑوں کے قریب پہنچے تو کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ حضور دوسرے پہاڑ سے ایک فسادی گروہ نکلتا ہے جن کے بڑے بڑے قد ہیں وہ آ کر ہماری سرسبز کھیتیاں کھا جاتے ہیں اور خشک سامان اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آدمی اور وحشی جانوروں تک کھا جاتے ہیں۔ آپ ان ظالموں سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ یہ لوگ یاجوج ماجوج کہلاتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام نے ایک بہت بڑی اور مضبوط آہنی دیوار بنائی۔ جس میں ہر طرح کی دھاتیں پگھلا کر مضبوط کر دی گئی۔ وہی سدِ سکندری علیہ السلام ہے۔ جس کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے۔

یہ وہی قوم یاجوج ماجوج ہے جو قربِ قیامت نکل کر دنیا میں فساد برپا کرے گی اور تمام سرسبز کھیتیاں کھا جائے گی۔ دریاؤں اور نہروں کا پانی تک پی جائے گی۔ جن کی تفصیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ (روضۃ الانبیاء)

میدانِ کربلا میں امامِ کربلا

جب شبِ عاشور ختم اور صبح صادق طلوع ہوئی تو حضور امام، مظلومِ کربلا (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کا وقت ہو گیا۔ اذان پڑھو۔ یہ سن

کر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھنا شروع کی۔ اذان کے بعد دعا کی گئی۔

حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ دعا مانگی۔

الٰہی میرے علی اکبر رضی اللہ عنہ کو نظرِ بد سے بچانا۔

الٰہی تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیرے محبوب رحمۃ للعلمین کی اس شبیہہِ اقدس کو کن لاڈوں اور محنتوں سے پالا ہے۔

الٰہی میں اپنے اس نوجوان علی اکبر کی پھر اسی طرح اذان سنوں۔

الٰہی اس شبیہہِ رسول کی حفاظت فرمانے والا تو ہی ہے۔ اذان کے ہوتے ہی تمام اعوان وانصار نے اپنے اپنے مصلّے لاکر میدانِ کربلا میں بچھا دیے۔ تمام نے تیمّم فرمائے۔ پانی وہاں کہاں تھا کہ وہ حضرات وُضو فرماتے۔ پانی پر تو سات محرم سے ہی دشمنوں نے پہرہ لگا رکھا تھا اور اعلان کر رکھا تھا۔

؎ کافر پئیں فاسق پئیں منع نہ کیجئیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجئیو

پانی نہ ملنے کی وجہ سے تمام اعوان واہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے بے ہوش پڑے تھے۔

علی اصغر رضی اللہ عنہ پر پیاس کی وجہ سے پے درپے غشی طاری ہو جاتی۔ زبانِ حال اور آنکھوں کے اشارے سے اَلعَطَش اَلعَطَش کے دِلدُوز نعرے لگاتے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو بڑی شدت کا بخار تھا۔ جس کی وجہ

سے اُن پر پے در پے بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ جب ہوش آتا تو والدہ اور پھوپھی اماں سے پانی طلب کرتے مگر پھر شدتِ پیاس اور شدتِ بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے۔

سیّدہ زینب، سیّدہ اُمِ کلثوم اور حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہن کی زبانیں لکڑی کی طرح خشک ہو چکی تھیں۔ حضرت سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا بغیر پانی کے بے آب مچھلی کی طرح تڑپتیں۔ جب ہوش آتا تو اَلعَطَش اَلعَطَش فریاد کرتیں۔ جسے سن کر دخترانِ رسول لرز جاتیں تھیں کیونکہ اس فریاد سے کلیجوں پر چھریاں چلتی تھیں اور بچوں کی پیاس کو دیکھ کر تمام بیبیاں بے چین تھیں۔ غرضیکہ میدانِ کربلا، میدانِ محشر بنا ہوا تھا۔ یہ تین دن کے بھوکے پیاسے غازی تیمّم کر کے اپنے اپنے مصلوں پر آ کھڑے ہوئے اور سنتیں ادا فرمانے لگے۔ جب تمام غازیوں نے سنتیں ادا فرما لیں تو شہزادۂ کونین امام الثقلین تشریف لائے۔ تکبیر ہونے لگی آپ امام بنے۔ تمام اہلِ بیت نے نماز باجماعت ادا کی۔

؎ آگے سبھی کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں بچھا کے نمازی کھڑے ہوئے

اِدھر شہزادۂ کونین، امام الثقلین نماز پڑھا رہے تھے اور اُدھر تمام یزیدی لشکر گانے بجانے اور شور شرابے میں مصروف تھا۔ شراب پی کر اور کباب کھا کر طرح طرح کی بکواس کر رہا تھا۔ یزید کے قصیدے پڑھے جا رہے تھے۔ غرضیکہ

تمام دشتِ کربلا میں ایک شور برپا تھا۔ وہ امامِ مظلوم کی شانِ والا میں نازیبا کلمات بک رہے تھے۔

غل تھا کہ آج خون کے دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

مٹی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیّد کی لاش کو

ابھی آپ نے نماز بھی پوری نہ فرمائی تھی کہ دشمنوں نے خیموں میں تیر برسانے شروع کر دیئے۔ صبح کا وقت تھا۔ بچوں کو ماؤں نے ابھی ریت پر ہی لٹا رکھا تھا تا کہ بچوں کو ریت کی برودت (ٹھنڈک) سے کچھ سکون اور تشنگی میں کچھ کمی واقع ہو۔ جب خیموں میں تیروں کی بارش شروع ہوئی تو یہ خطرناک کافرانہ منظر دیکھ کر دخترانِ رسول گھبرا گئیں۔ وہ تمام فرزندانِ رسول اور دخترانِ بتول کو اُٹھا اُٹھا کر سینوں سے لگانے اور چادروں میں چھپانے لگیں تا کہ بچوں کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔

گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اُٹھا لیا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

امام پاک مظلومِ کربلا رضی اللہ عنہ نے جب ان کی یہ ظالمانہ حرکات دیکھیں تو فوراً اپنی مختصر فوج کو حکم دیا کہ یہ ظالم بغیر جہاد کئے باز آنے والے نہیں۔ تم مصلے چھوڑ کر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

لشکرِ حسین رضی اللہ عنہ کی ترتیب

عمرو بن سعد نے یزیدی لشکر کو پہلے سے ہی مرتب کر رکھا تھا۔ عمر بن حجاج یمینی (دائیں) فوج کا افسر تھا جبکہ شمر ذی الجوشن یساری (بائیں) فوج کا افسر تھا اور عذرہ بن قیس سواروں کا افسر تھا۔ امر بن شیث پیدل فوج کا افسر تھا۔ پھر علیحدہ علیحدہ بھی ہر اک قبیلہ سے افسر مقرر کر رکھے تھے۔ جہاں تک نظر جاتی تھی فوجی دستے اور پلاٹون ہی نظر آتی تھیں۔ ہر ایک دستہ اور پلاٹون قسماقسم کے جنگی سامان سے مسلح اور منظم نظر آتا تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی ان کی مدد کیلئے پے در پے کمک آ رہی تھی اور جنگی سامان پہنچ رہا تھا۔ ان تمام کا سپہ سالارِ اعظم عمرو بن سعد تھا۔ جسے گورنرِ کوفہ عبید اللہ بن زیاد نے مقرر کیا تھا۔

شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مختصر لشکر کو مرتب فرمایا۔ حضرت زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ کو آپ نے یمینی فوج کا افسر مقرر فرمایا۔ (یہ وہی حضرت ہیں جو حج کر کے تشریف لا رہے تھے اور حضور امام رضی اللہ عنہ کی دعوت پر سب کچھ چھوڑ کر شاملِ لشکر ہو گئے)۔ پھر آپ نے یساری فوج کا افسر حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔ ان دونوں افسروں کو دائیں بائیں جانب مقرر فرما کر علمبردار حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا گیا اور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ خود قلب پر سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے تھے۔ خدا کی شان کہ بھانجا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فوج کا علمبردار ہے اور ماموں یعنی شمر ملعون یزیدی فوج کا افسر ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ

جب دشمنوں پر تلوار چلایا کرتے تو وہ آپ کے آگے ایسے معلوم ہوتے جیسے شیر کے آگے بھیڑ بکری۔ حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ بھی زبردست مجاہد تھے اور یہی حال زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ کا تھا۔

سوارانِ شہیدِ کربلا بتیس غازی تھے
پیادوں میں فقط چالیس کوفی وحجازی تھے

ادھر یہ مختصر مظلوم جانبازوں کا لشکر تھا
اُدھر حدِ نظر تک فوجِ دشمن کا سمندر تھا

حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر بھوکے اور پیاسے لشکر کی ایسی شاندار کمان فرمائی کہ تمام دنیا کے فوجی جرنیل حیرت زدہ ہیں۔ آپ اپنی بھوکی، پیاسی فوج کو دشمن سے لڑا بھی رہے ہیں اور ہر ایک سپاہی اور افسر کی بروقت اعانت بھی فرما رہے ہیں۔ آپ بہادروں کے حوصلے بھی بڑھا رہے ہیں۔ آپ اپنے لشکر کے اندر بھی موجود ہیں۔ میمنہ (دائیں) اور میسرہ (بائیں) پر بھی۔ ہر ایک مجاہد کو سوار فرما رہے ہیں اور جو شہید ہو جاتے ہیں ان کی لاشوں کو بھی میدان سے خود اُٹھا رہے ہیں۔ دخترانِ رسول کو صبر و شکر کی تلقین فرما رہے ہیں اور بچوں کا دل بھی میٹھی میٹھی باتوں سے بہلا رہے ہیں۔ دشمنوں کو تلوار دکھا رہے ہیں اور انہیں قرآن بھی سنا رہے ہیں اور انہیں دوزخ سے بچنے کی تلقین بھی فرما رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کی شجاعت کو دیکھ کر ملائکہ بھی حیرت زدہ ہیں اور تمام جنات بھی

حیران ہیں۔ جب اپنے شہید ہوتے ہیں تو بھی آپ روتے ہیں۔ جب دشمن قتل ہوتے ہیں تب بھی آپ ہی روتے ہیں کہ کاش تم حسین (رضی اللہ عنہ) کے مقابل آکر نانا جان کی شفاعت سے محروم نہ ہوتے۔ میری مخالفت نے تمہیں دوزخی بنا دیا۔ دنیا اور قیامت میں ذلیل وخوار اور رسوا کر دیا۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہو تم حسین
سارے جہاں کا درد تمہارے جگر میں ہے

جب فوج مرتب ہوگئی تو دخترانِ رسول کو معلوم ہوا کہ حضور شہزادۂ کونین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو علمبردارِ فوج بنا دیا۔ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خیمہ میں بلا کر فرمایا۔ بھیا عباس مبارک ہو سنا ہے میرے ماں جائے نے تمہیں عہدۂ سپہ سالاری عطا فرمایا ہے۔ اچھا بھیا میرے ماں جائے کا بہت زیادہ خیال رکھنا۔ تمام لشکرِ یزید کی انہیں پر نظر ہے۔ بقول شاعر!

تم سے بڑی اُمید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمہیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ دردانگیز تقریر سن کر تمام شہزادیاں رونے لگیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آب دیدہ ہوگئے۔ اسی اثنا میں حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا چچا کے دامن کو پکڑ کر عرض کرنے لگیں۔ چچا جان آپ کو میری طرف سے بھی مبارک ہو۔ اچھا چچا جان آپ اتنا تو بتائیں کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ یہ کئی ہزار ظالم

یزیدی اور فوجی سپاہی میرے بابا جان کے سامنے تلواریں اور نیزے لے کر کیوں آ گئے؟ چچا جان کیا یہ ظالم سپاہی بابا جان، بھیا علی اکبر اور بھیا قاسم رضی اللہ عنہم سے لڑنا چاہتے ہیں؟ اچھا چچا جان اب تم بتاؤ کہ

میداں کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقریر

اے کوفیو! تمہیں علم ہے کہ میں کون ہوں؟ بخدا میں نواسۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرزندِ علیِ مرتضیٰ، دلبندِ فاطمۃ الزہرا ہوں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کا بھائی ہوں۔ میرا نام حسین (رضی اللہ عنہ) ہے۔

کیا میں راکبِ دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں؟
کیا میں جوانانِ جنت کا سردار نہیں؟
کیا میرے نانا جان ساقیِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں؟
کیا میرے نانا جان شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نہیں؟
کیا میرے سوا روئے زمین پر کوئی اور نواسۂ رسول ہے؟
اگر ہے تو بتاؤ وہ کون ہے؟
کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی مارا ہے؟ جو آج تم انتقام یا قصاص لینا چاہتے ہو۔

کیا میں نے تمہارا کوئی مال لوٹا ہے؟ جس کے بدلہ میں تم میرے اہلِ بیت کو لوٹنا چاہتے ہو۔

آخر تم میرے کیوں دشمن بن گئے ہو؟ کیا نواسۂ رسول کی بے حرمتی اور قتل تمہیں جائز ہو سکتا ہے؟

شمر: اے حسین (رضی اللہ عنہ)! بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

حبیب رضی اللہ عنہ: او خبیث شمر! بے شک تو بہرا، گونگا اور اندھا ہو چکا ہے۔ تجھے کچھ پتہ نہیں کہ فرزندِ رسول کیا ارشاد فرما رہے ہیں؟

تمہارے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔

خدا کے نزدیک بدترین وہ لوگ ہیں جو خدا کے دربار میں اس حال میں پہنچیں کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اس کے شہر (کوفہ) کے عابدوں اور زاہدوں کو قتل کریں۔

عُروہ: (یزیدی سپاہی) شاباش! اپنی بزرگی اور پاکی دل کھول کر بیان کرو۔

زہیر رضی اللہ عنہ: اے عروہ! خدا نے خود ان نفوسِ قدسیہ کو پاک اور ہدایت پر گامزن فرمایا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (الاحزاب:33)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی (غیب کی خبریں دینے والے) کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

او خبیث اللہ عزوجل سے ڈر اور ان پاک نفوسِ قدسیہ کے قتل میں
گمراہی کا معاون و مددگار نہ بن۔

عمرو: اے زہیر رضی اللہ عنہ! اس سے پہلے تم امام حسین رضی اللہ عنہ کے حامی نہ تھے۔

زہیر: اے عمرو! یہ صحیح ہے کہ میں نے حضور امام رضی اللہ عنہ کو کوئی خط لکھا نہ کوئی قاصد ہی بھیجا۔ البتہ سفر نے مجھے حضور امام رضی اللہ عنہ کا بےلوث خادم بنا دیا۔ مجھے انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ گئے اور وہ محبت یاد آ گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام سے فرمایا کرتے تھے۔ میں نے خدا سے وعدہ کیا ہے کہ میں حضور امام رضی اللہ عنہ کی نصرت و حفاظت کروں گا۔ جسے تم نے ضائع کر دیا۔

امام رضی اللہ عنہ: اے کوفیو! کیا تم نے ہماری بیعت نہیں کی تھی؟ کیا تم نے ہمیں خطوط لکھ کر اور صدہا قاصد بھیج کر نہیں بلایا؟

کوفی: اے حسین رضی اللہ عنہ! ہم نے تمہیں کوئی خط لکھا نہ کوئی قاصد بھیجا اور نہ ہی تمہاری بیعت کی۔

امام: اے کوفیو! میں تمہیں خوب جانتا ہوں اور ان لوگوں کو خوب پہچانتا ہوں جنہوں نے قاصد بھیجے اور خطوط لکھے۔ وہ اب بھی میرے سامنے فلاں فلاں صاحبان کھڑے ہیں۔ اب اگر تم اس کا انکار کرو تو علیحدہ بات ہے۔ خیر اس انکار کی سزا تمہیں خدا آخرت میں دے گا۔

میں تم سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ مجھے مکہ معظمہ جانے دو۔ اگر یہ منظور نہیں تو میں کسی جنگل میں جا کر آباد ہو جاتا ہوں۔ یہ سن کر تمام خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

زہیر رضی اللہ عنہ: اے لوگو! ابن زیاد بدنہاد کو چھوڑو۔ حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرو۔ نواسۂ رسول سے منہ نہ موڑو۔ یہ نواسۂ رسول کا معاملہ ہے۔ اس میں خوب غور کر لو کیونکہ ایک طرف جنت ہے اور ایک طرف جہنم۔

کوفی: اے زہیر رضی اللہ عنہ! جب تک ہم تمہیں اور تمہارے سردار امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کر ڈالیں یا مطیع کر کے گورنر کی خدمت میں نہ لے جائیں ہم ہرگز نہ ٹلیں گے۔

زہیر رضی اللہ عنہ: اے کوفیو! خدا کی قسم! نواسۂ رسول، عبیداللہ بن زیاد سے بہت زیادہ حقدار ہیں کہ ہم ان کی اطاعت کریں جبکہ یزید اور اس کے چیلے عبید سے کنارہ کریں۔

شمر: اے زہیر رضی اللہ عنہ! خاموش ہو جا۔ تو کب تک ہمارا دماغ چاٹتا رہے گا؟ یہ کہہ کر لشکرِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف تیر چلایا۔

زہیر: اے شمر مردود! میں تجھ سے خطاب نہیں کرتا۔ میں تجھے خوب جانتا ہوں کہ تو جانوروں سے بدتر ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۔ (الاعراف 179)

ترجمہ: وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔ (کنزالایمان)

قرآن پاک میں بھی فرمانِ خداوندی ہے کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں تجھے واصلِ جہنم کرتا ہوں۔ ذرا صبر تو کر۔

شمر: اے زہیر! تھوڑی دیر ہے کہ ابھی تم اور تمہارے امام موت کے گھاٹ اُترنے والے ہو۔

زہیر رضی اللہ عنہ: اے شمر مردود! کیا تو ہمیں موت سے ڈراتا ہے؟ خدا کی قسم نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ کے قدموں پر قربان ہونا موت نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی ہے۔ مقابلہ ہوگا تو پتہ چلے گا۔ بقولِ شاعر!

؎ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ: اے زہیر رضی اللہ عنہ! یہ لوگ اپنی شقاوت (بدبختی) پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بغیر جنگ کے باز آنے والے نہیں۔

عمرو: اے کوفی بہادرو! زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں۔ بات ختم کرو اور جنگ کرنے کیلئے آگے بڑھو۔

بڑھایا عمرو بن سعد نے میدان میں گھوڑا
کماں سے تیر کو سوئے شہیدِ کربلا چھوڑا

کہا لوگو تمہیں اس بات کا شاہد بناتا ہوں
کہ میں ہی تیر پہلے ابنِ حیدر پہ چلاتا ہوں

حضرت حُر بن ریاحی رضی اللہ عنہ

حُر: اے عُمرو! کیا تو ہمیں ان سے لڑنے کا حکم دیتا ہے؟ جو فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ باتیں جو حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ تم سے منوار ہے ہیں۔ کیا تمہیں منظور نہیں؟ کیا تم واقعی امام کے قتل پر آمادہ ہو چکے ہو؟

عمرو: اے حُر بن ریاحی (رضی اللہ عنہ) امام رضی اللہ عنہ کی باتیں منظور کرنا میرے بس میں نہیں۔ میں مجبور ہوں اس لیے اب جنگ ہو کر رہے گی۔ جس میں سر تن سے جدا ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت حُر بن ریاحی رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے اپنے آپ کو یزید کا طرفدار سمجھ کر کانپنے اور افسوس کرنے لگے اوہو!! میں ہی نواسۂ رسول کو کربلا میں گھیر کر لایا ہوں۔ اس گناہِ عظیم کا میں ہی سب سے زیادہ مرتکب ہوا ہوں۔

سپاہی: اے حُر! تم تو بڑے جانباز، بہادر اور غازی ہو۔ تم تو ہزاروں کے

لشکر کو دیکھ کر کبھی نہیں گھبرائے۔ کیا آج بھوکے پیاسے چند حسینی سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرا گئے؟ کیا تم نے پہلے کوئی معرکہ نہیں دیکھا؟ یہ آج تیرے لیے کوئی نیا معرکہ ہے۔

حُر: بھئی! میں اس وقت اپنی موت اور حیات نہیں بلکہ ایمان اور کفر جنت اور جہنم کے درمیان گھرا ہوا ہوں۔ میں اپنی قسمت کا فیصلہ کر رہا ہوں۔

اے یزیدی سپاہی! اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی میں دامنِ حسین چھوڑنے کو تیار نہیں۔

؎ آج لے اِن کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت کو اگر مان گیا (حدائقِ بخشش)

یہ فرما کر آپ گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آتے ہی حضور امام کے قدموں کو چومنے اور رو، رو کر عرض کرنے لگے۔

؎ جو دِل مانگو تو دِل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ الفت میں تیرے بازار میں آئے
کوئی عزت کا خواہاں ہے کوئی دولت کا خواہاں ہے
ہمیں تھی جس کی خواہش کوچۂ دلدار میں آئے (جامِ عرفان)

یَـا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه! میں دوزخ میں گر رہا ہوں۔ مجھے خدارا بچاؤ۔
میرے اس گناہِ عظیم کو معاف فرماؤ کہ میں ہی نواسۂ رسول کو کربلا میں
گھیر کر لایا ہوں۔ اے حسین رضی اللہ عنہ! آپ اس رسول کے نواسہ ہیں۔ جنہوں نے
بڑے بڑے دشمنوں کو معاف فرمادیا اور اعلان کر دیا تھا کہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف:92)

یعنی: آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔

آج اس رحمتِ عالم کے طفیل آپ حُر کو معاف فرمادیں۔

آپ اسی علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر ہیں جو قیدی دشمنوں کو رہا فرمادیا
کرتے تھے۔ آج آپ میرے اس گناہ کو بخش دیں۔

بخدا، یَـا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه ! جب تک آپ مجھے مژدۂ بخشش سنا کر
نجات کا تاج نہ پہنائیں گے۔ میں آپ کے قدموں سے سر نہ اُٹھاؤں گا۔

زمین میرے قدموں سے تھرّا رہی ہے اور آسمان لرزہ براندام ہے۔

کربلا کا ذرّہ ذرّہ میرے خاندان پر اور یزیدیوں اور کوفیوں پر لعنت برسا
رہا ہے۔ میرے ہاتھ کیوں نہ جلے، میری زبان کیوں نہ کٹی، میرا دماغ کیوں نہ
پھٹا، کیا ماں نے مجھے اسی لیے جنا تھا؟ اور باپ نے اسی لیے پالا تھا؟ کہ میں
جوان ہو کر خدا عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کروں۔ فرزندانِ رسول، جگر
پارہ ہائے بتول رضی اللہ عنہم میری وجہ سے میدانِ کربلا میں گھریں اور میں انہیں تین

دن کا بھوکا اور پیاسا شہید ہوتے ہوئے دیکھوں۔ میں اپنے کانوں سے اَلعَطَش اَلعَطَش کے نعرے فرزندانِ رسول سے سنوں۔ لِلّٰہ آپ مجھے بخش دیں اور اجازت دیں تاکہ میں تمام شجاعانِ حسین رضی اللہ عنہم سے پہلے جامِ شہادت نوش کروں۔ حضور میری گزارش کو قبول فرمایا جائے۔

تیرے قدموں میں آنا میرا کام تھا میری بگڑی بنانا تیرا کام ہے
میری آنکھوں کو ہے دید کی آرزو رخ سے پردہ اٹھانا تیرا کام ہے

یہ سن کر حضور امامِ برحق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور حضرت حُر رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر سینے سے لگا کر مژدہٗ بخشش سنایا۔ اجازت لے کر آپ دشمنوں کے سامنے آئے اور انہیں یوں خطاب فرمایا۔

اے کوفیو! کیا تم نے ان پر جانیں قربان کرنے کا وعدہ کر کے نہ بلایا تھا؟ کیا تم نے ان کی حفاظت کا یقین نہ دلایا تھا؟ کیا تم نے ان کی بیعت نہ کی تھی؟ تم اب بے دین ہو گئے ہو اور انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ ان پر اور ان کے اہلِ بیت پر تین دن سے پانی بند کر رکھا ہے۔ اُو بے دینو! اگر تم ان کی تعظیم و تکریم نہیں کر سکتے ہو تو اتنا ضرور کرو کہ انہیں اجازت دو کہ یہ کسی گاؤں میں جا کر آباد ہو جائیں۔ حضرت حُر کی تقریر سن کر بجائے اثر پذیر ہونے کے انہوں نے آپ پر چاروں طرف سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ واپس خدمتِ امام میں آئے۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ ایک بار پھر دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے

اور انہیں فرمایا۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں میری یہ آخری گفتگو (خطبہ) اتمامِ حجت کیلئے ہے۔ سنو! اور غور سے سنو!۔

حسین رضی اللہ عنہ خطبہ سنا رہا ہے

سنو سنو! اے حریص لوگو! حسین خطبہ سُنا رہا ہے
جو حق و باطل کے درمیاں ہے وہ آج پردہ اُٹھا رہا ہے
امامِ برحق کا جرم کیا ہے؟ کہ جاں کے دشمن بنے ہوئے ہو
تمہاری کشتی کا ناخدا ہے اسے کنارے لگا رہا ہے
تم اُس کی آواز سن رہے ہو مگر نگاہیں چرا رہے ہو
حساب دینا پڑے گا تم کو! کہ دن قیامت کا آ رہا ہے
یہ وقت جا کر نہ آ سکے گا نہ کوئی پھر اُس کو پا سکے گا
حسین اپنے لہو سے دیکھو چراغ دیں کے جلا رہا ہے
یقین کرو اس کے بعد کوئی نہ اور مظلوم آ سکے گا
کہ گھر لٹا کر بھی دیں کی خاطر تمہیں یہ رستہ دکھا رہا ہے
نبی کا قامت، علی کا تیور، حسن کی تصویر دیکھ لو تم
کہ آج دسویں کا دن ہے لوگو! امام سجدے میں جا رہا ہے
جو ظلم کی انتہا ہوئی ہے تو صبر کی انتہا بھی دیکھو!
حسین سجدے میں جا چکا ہے اور اپنے سر کو کٹا رہا ہے

کل بروزِ حشر جب مجھ بے گناہ کے قتل کے عوض تمہیں عذابِ الٰہی ہو تو میرے نانا جان یہ نہ فرمائیں کہ اے حسین رضی اللہ عنہ! تیرے بدلہ میں آج میری اُمت کو عذاب ہو رہا ہے۔ یہ سن کر مجھے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نادم و شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ آج غور کر لو! اور خوب حق و باطل کو پرکھ لو! پہچان لو۔ مگر ان کے سینوں میں ایمان تھا ہی کہاں؟ کہ آپ کی ہدایات قبول کرتے۔ آخر آپ نے ارشاد فرمایا!

؎ گوارا فاسق و فاجر کی طاعت کی نہیں جاتی
اہانت ملتِ اسلام کی دیکھی نہیں جاتی

حضرت وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ماں: اے بیٹا وہب رضی اللہ عنہ! تو جانتا ہے کہ تیرا باپ بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ میں نے تجھے چرخے کات کات کر اور چکیاں پیس پیس کر سترہ سال پالا۔ پھر بڑی خوشی اور مسرت سے تیری شادی بھی کی اور چاند جیسی دلہن بیاہ کر لائی۔ مجھے بڑی خوشی ہوتی۔ جب میں دلہن اور دولہا کو گھر میں دیکھتی۔ میرا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ بیٹا! میں نے سنا ہے کہ فرزندِ مصطفٰی، دلبندِ مرتضٰی، نورِ چشمِ زہرا کو کوفیوں نے دشتِ کربلا میں گھیر رکھا ہے۔ بیٹا! میری زندگی کی تمام راحتیں اور فرحتیں حرام ہیں۔ جب تک میں تجھے اپنے امام

کے قدموں پر قربان ہوتے ہوئے نہ دیکھ لوں۔ بیٹا! اس بڑھاپے میں بڑھیا کا تو ہی آخری سہارا تھا مگر

؎ غربت میں کلیجہ سے جدا کرتی ہوں تجھ کو
میں لعل پہ زہرا کے فدا کرتی ہوں تجھ کو

بیٹا: امی جان! تُف ہے میری جوانی پر لعنت ہے میری اس عیش و عشرت پر کہ میرا امام نرغہ اعداء میں ہو اور میں گھر میں بیٹھ کر گل چھڑے اُڑاؤں۔ اور فرحت مسرت سے زندگی بسر کروں۔

بیوی: اے وہب رضی اللہ عنہ! سناؤ کیسے تشریف لائے ہو؟ آج تو بڑے جلال میں آئے ہو۔ خیر تو ہے!

وہب رضی اللہ عنہ: اے بیگم! ابھی ابھی پتہ چلا کہ نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول، سلطانِ دارین، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اعداء نے کئی روز سے میدانِ کربلا میں گھیر رکھا ہے اور فرزندانِ مصطفیٰ، دخترانِ مرتضیٰ کا پانی بھی بند کیا ہوا ہے۔ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ آپ مجھے حق مہر معاف فرما دیں اور خوشی سے نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ پر قربان ہونے کی اجازت دیں تا کہ آپ بھی شریکِ ثواب ہوں اور اس عظیم کام میں میری معاون ثابت ہوں۔

بیوی: اے وہب! نواسۂ رسول کی نصرت کیلئے میری اجازت کی کیا

ضرورت؟ میں ہمراہ چلتی ہوں۔ دخترانِ رسول کی کفش برداری اور بلا معاوضہ غلامی اور ان کے بچوں کے کپڑے دھو دیا کروں گی۔ برتن صاف کیا کروں گی۔

ضعیفہ: یَـا ابْـنَ رَسُوْلِ اللّٰه ! میں اپنی طرف سے اپنے سترہ سالہ بیٹے (جس کی شادی کو ابھی سترہ دن ہوئے) اور اپنی لاڈلی بہو کو لائی ہوں۔ میری یہ حقیری نذر قبول فرمائیں تا کہ کل بروزِ حشر میں اپنے اکلوتے بیٹے کو حضور امام رضی اللہ عنہ کی معیت میں جنت کو جاتے ہوئے دیکھوں اور اپنی بہو کو دین و دنیا میں حضور کی کنیزوں میں شامل دیکھوں۔

؎ گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

ترجمہ: اگر (بارگاہِ حسینی میں میرا یہ حقیر سا نذرانہ) قبول ہو تو میرے لیے اعزاز اور شرافت کا باعث ہوگا۔

شہزادۂ کونین نے حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو شاملِ لشکر فرما لیا اور اُمِ وہب اور وہب کی بیوی کو حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سپرد فرما دیا۔ جب سیّدہ زینب کو معلوم ہوا کہ مائی قمر نے اپنے بیٹے وہب کو بھیا امام حسین رضی اللہ عنہ پر قربان ہونے کو حاضر کر دیا ہے تو آپ بہت خوش ہوئیں اور انہیں دعائیں دیں کہ مولا کریم! اس ضعیفہ کے فدیہ کو قبول فرما!۔

جب حضرت حُر لشکرِ یزید کو چھوڑ کر خدمتِ امام میں آ گئے تو عمرو بن سعد کو اسی وقت شک ہو گیا کہ کہیں اور سردار ہمیں چھوڑ کر امام کے طرف دار نہ بن جائیں۔ یہ دیکھ کر عمرو نے فوراً اعلانِ جنگ کر دیا۔ عرب کی جنگ کا یہ قدیمانہ قاعدہ تھا کہ پہلے بڑے بڑے بہادر تنہا تنہا آ کر جنگ آزمائی کریں۔ پھر طرفین سے یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ اسی قاعدہ پر جنگ شروع ہوئی۔ عمرو نے پہلے اپنے دو نامی گرامی یسار و سالم بہادروں کو میدان میں بھیجا۔ جبکہ فدایانِ حسین رضی اللہ عنہم نے اجازت طلب کی کہ ہمیں اجازت ہو مگر سب سے آگے حضرت وہب رضی اللہ عنہ امام کے قدموں پر گر کر اجازت خواہ ہوئے۔ حضور امام رضی اللہ عنہ نے حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو اجازت عطا فرما دی۔ یہ شیر کی طرح گرجتے اور دھاڑیں مارتے ہوئے لشکرِ اعداء کے سامنے آئے۔ کچھ دیر تلوار چلی۔ آپ دونوں کی تلوار روکتے رہے اور ہر ایک حملہ کا بہترین جواب دیا۔ پھر آپ نے سالم پر تلوار چلائی جو سر اور گردن کاٹتی ہوئی ناف تک اُتر گئی۔ یہ خبیث جب واصلِ جہنم ہوا تو اس کا دوسرا ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگا۔ مگر آپ نے اسے بھی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر حسینی لشکر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ یزیدی لشکر بہت شرمندہ ہوا۔ اب آپ انہیں مقابلہ کیلئے بلاتے مگر ان پر کچھ ایسا رعب پڑا کہ کوئی بھی حضرت وہب رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہ آیا۔ آخر آپ نے دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ یزیدی سپاہی انہیں دیکھ کر بھیڑوں کی طرح بھاگے۔ آخر عمرو نے انہیں شرمندہ کیا اور بزدل کو فیو! شرم کرو۔ کیوں بزدلی دکھاتے ہو۔ اس بھاگ دوڑ میں پھر بھی

دو یزیدی مارے گئے۔ یہ حال دیکھ کر عمرو بن حجاج اپنی یمینی پلاٹون کو لے کر آگے بڑھا۔ اُدھر سے حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ نے ان پر اس قدر تیر برسائے کہ کئی دشمن ہلاک ہو گئے۔ آخر وہ بھی پسپا ہو گیا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ حملہ کرتے کرتے دشمن کے قلب میں جا گھسے اور پوری طرح گھر گئے مگر پھر بھی آپ نے ایسی شجاعت کے جوہر دکھائے کہ جس طرف بھوکے شیر کی طرح حملہ کرتے کئی دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیتے۔ آخر عقب سے ایک کوفی ظالم نے ایسی تلوار ماری کہ آپ بھی جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ یا اِلٰہی! یہ میدان کربلا کا پہلا شہید ہے جسے تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں۔ حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فدیہ قبول فرما آمین۔ حضرت قمر رضی اللہ عنہ نے جو دیکھا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا تو فوراً میدان میں گئیں اور بیٹے کا سر اُٹھا کر سینے سے لگایا اور لا کر دلہن کی گود میں ڈال دیا۔ فرمایا اے دلہن! تیرا دولہا میرے امام رضی اللہ عنہ پر قربان ہو کر دودھ کا حق ادا کر گیا۔ دلہن نے سر دیکھ کر ایک چیخ ماری اور امام عالی مقام کے قدموں پر قربان ہو کر واصل باللہ ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

پھر اُمِ وہب رضی اللہ عنہ نے وہ سرِ اقدس اُٹھا کر سینے سے لگایا اور لا کر امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ کے قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا۔

؎ جو دل مانگو تو دل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ اُلفت ہیں تیرے بازار میں آئے (جامِ عرفان)

حضور! میرے جائے وہب رضی اللہ عنہ کا سر آپ کے قدموں میں ہے۔ کیا میری قربانی منظور ہے؟ یہ سن کر امام رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی۔ حضور امام رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کی شہادت کا بے حد ملال ہوا۔ وہب بن عبداللہ قلبی کے بعد حضرت عمرو بن خالد ازدی، حضرت سعد بن حنظلہ تمیمی عمرو بن عبداللہ، حضرت حماد بن انس، حضرت وقاص بن مالک اور پھر حضرت شریح بن عبداللہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے صبار فتار گھوڑوں پر تشریف لائے اور اپنی خون بار تلواروں سے بے شمار یزیدی واصلِ جہنم فرمائے۔ یہ حضرات جدھر بھی رخ کرتے۔ صفوں کی صفیں ختم کرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے ہوئے نکل جاتے۔ سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرما کر تاجِ شہادت پہن کر جنت کے وارث بن گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○

حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ بھی عرب میں مشہور بہادر تھے۔ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ آپ نے کئی بار قرآن شریف ختم کیا۔ اس لیے حضور امام عالی مقام انہیں اپنا بھائی کہا کرتے تھے۔ آپ نے جنگِ آذربائیجان میں ایسے جوہرِ شجاعت دکھائے کہ مشرکوں کا ناک میں دم آ گیا۔

جب حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی امام سے اجازت لے کر میدان میں آئے تو عمرو کو للکارا اور کہا "میں مسلم ہوں مسلم" میرے مقابلہ میں اپنے کسی خاص بہادر کو بھیجنا۔ عمرو نے یکے بعد دیگرے پچاس بہادر بھیجے۔ جنہیں آپ بڑی

بہادری اور طاقت سے واصلِ جہنم فرماتے رہے۔ پھر چھ نامی گرامی سرداروں کو حکم دیا۔ انہیں بھی آپ نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر حسینی لشکر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور دل باغ باغ ہو گیا خوشی میں ''مسلم زندہ باد مسلم زندہ باد'' کے نعرے لگنے لگے۔ آخر عمرو نے گھبرا کر جمہوری حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر آپ جس طرف بھی رخ فرماتے۔ یزیدی بھیڑ بکریوں کی طرح آگے آگے دوڑتے۔ آخر آپ یزیدی لشکر میں گھر گئے۔ آپ نے ایسی بے جگری سے تلوار چلائی کہ یزیدیوں کے سر اُترنے لگے۔ دشمنوں نے آپ پر تلواروں اور نیزوں کے پے در پے وار کیے۔ جس سے آپ شدید زخمی ہو کر فرشِ زمیں پر آ گئے اور صدا بلند کی۔ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! اَدْرِکْنِی یا امام میری خبر لو! حضور امام عرش مقام اور حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہما گئے اور دیکھا کہ آپ بے ہوش پڑے ہیں۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے ان کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور حالت زار دیکھ کر رونے لگے۔ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے مسلم رضی اللہ عنہ کا شانہ پکڑ کر ہلایا اور یوں ارشاد فرمایا۔

حبیب (رضی اللہ عنہ): اے مسلم رضی اللہ عنہ! ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو کہ تمہارا سر حضور امامِ برحق رضی اللہ عنہ کی گود میں ہے۔ یہ سن کر مسلم رضی اللہ عنہ امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ کا منہ تکنے اور رونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا اے مسلم رضی اللہ عنہ! اگر میں جانتا کہ تمہارے بعد مجھے دنیا میں رہنا ہے تو میں تم سے عرض کرتا کہ تم جاتے جاتے مجھے کچھ وصیت فرما جاؤ مگر میں

خود بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ خیر اگر کوئی وصیت فرمانی ہے تو فرماؤ!

مسلم رضی اللہ عنہ: ”یَا حَبِیْبُ اُوْصِیْكَ بِهٰذَا“ اے حبیب میری اور کوئی وصیت نہیں ہے۔ یہی وصیت کرتا ہوں کہ فرزندِ رسول سے غافل نہ ہونا اور ان کیلئے اپنا آخری قطرۂ خون تک بہا دینا۔ یہ فرما کر آپ جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؈

شہادت پائی آخر سر فروشِ دین وملت نے
نویدِ مغفرت مسلم کو دی حورانِ جنت نے

پھر حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے گھوڑا دوڑاتے ہوئے میدان میں آئے مگر حضور امام رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس بلا لیا۔

امام رضی اللہ عنہ: اے بیٹا ابنِ مسلم رضی اللہ عنہ! جاؤ اپنی بوڑھی ماں کے پاس خیمہ میں جا کر بیٹھو اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو ورنہ وہ تمہارے غم میں رو رو کر جاں بحق ہو جائیں گی۔ آپ پلٹ کر روتے ہوئے ماں کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر عرض کرنے لگے اور رونے لگے۔ اور اجازتِ حرب طلب کرنے لگے۔

ماں: اے بیٹا! میں تجھے اپنا دودھ ہرگز بخشنے کیلئے تیار نہیں۔ تمہارا باپ کتنا امام کا جاں نثار تھا کہ وہ ان کے قدموں پر قربان ہو گیا اور تو میدان سے پلٹ آیا۔ اگر تو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ پر قربان نہ ہوا تو

میں تا عمر تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔

بیٹا: امی جان! میں ابا جان کے شہید ہوتے ہی میدان کو چل دیا تھا مگر فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ نے مجھے واپس بلا لیا اور کہا کہ جاؤ ماں کی خدمت کرو۔ اب آپ نے اجازت مرحمت فرما دی ہے۔ لو میں اب چلتا ہوں۔ اللہ حافظ! خدا حافظ

فوری طور پر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے والدہ محترمہ سے اجازت لے لی ہے اب آپ بھی اجازت مرحمت فرما دیں تا کہ ابا جان کے قدم بقدم چل کر محبتِ امام رضی اللہ عنہ کا حق ادا کروں۔

حضور میری اماں جان بہت ناراض ہو رہی ہیں۔ وہ دیکھو سامنے مجھے رَن (میدانِ کربلا) کا اشارہ فرما رہی ہیں۔

یہ سن کر حضور امام رضی اللہ عنہ نے اجازت عطا فرما دی۔ جب حضرت مسلم کا بیٹا میدان میں جانے لگا تو ماں نے کہا بیٹا! میری وصیت سنتا جا۔ بیٹے نے عرض کیا۔ ہاں اماں جان تمہارا کیا حکم ہے؟ ماں نے فرمایا۔ اپنی جان اور پیاس کی پرواہ نہ کرنا۔ اپنی جان فرزندِ رسول رضی اللہ عنہ پر قربان کرنا۔ میدان میں جا کر ایسا شیرانہ حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں بیس کوفیوں کو ڈھیر کر دیا۔ خوب دل کھول کر لڑا اور باپ کی طرح دشمنوں کو واصلِ جہنم کر کے خود جاں بحق ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

ماں فوراً آئی بیٹے کا سر سینۂ مبارک سے لگا لیا اور رو، رو کر فرمایا۔ اے بیٹا! اب میں تجھ سے خوش ہوں۔ تو نے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ پر فدا ہو کر میرا کلیجہ ٹھنڈا کر

دیا۔ دعائیں دیتی ہوئی خیمہ میں تشریف لے گئیں۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: اس اچھی رسم (طریقہ، عمل) کی بنیاد خاک اور خون میں لت پت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ روحوں پر رحمت فرمائے۔ (آمین)

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت ہلال بن نافع رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہو کر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے عرض کرنے لگے۔

ہلال رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ! آپ سے اجازت لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ میرے دوسرے احباب جامِ شہادت نوش فرما رہے ہیں اور میں ان کا رشکِ شہادت سے منہ تک رہا ہوں۔ حضور اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ میں اعداءِ اسلام کو واصلِ جہنم کر کے فردوسِ اعلیٰ میں جا بسوں۔

بیوی: یا امام المسلمین رضی اللہ عنہ! میں ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی ہوں یہ تیار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور بار بار جنگ کی اجازت چاہتا ہے۔ میں ایک لاوارث عورت ہوں۔ ابھی چند دن ہوئے میری ہلال رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ میں اسے روکتی ہوں کہ میرا تیرے بعد کون

وارث ہو گا؟ مگر یہ آپ کے قدموں پر قرباں ہونے کو ہی ترجیح دیتا ہے رُکتا نہیں۔

امام رضی اللہ عنہ: اے ہلال رضی اللہ عنہ! ابھی تو تُو جوان ہے اور چند دن ہوئے تیری شادی ہوئی۔ ابھی تو نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے؟ تیری بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ جاؤ تم میاں بیوی آرام سے اپنے خیمے میں بیٹھو۔ تیرے سوا اس بیچاری لاوارث کا غمگسار کون ہے؟ یہ جو کچھ کہتی ہے ٹھیک کہتی ہے۔

ہلال رضی اللہ عنہ: یا امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ! یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں بیوی کیلئے اپنے حق کو فراموش کر دوں۔ اگر میں نے حق زوجہ کیلئے حقِ فرزندِ رسول کو خیر باد کہہ دیا تو بروزِ حشر رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔

حضور بیوی کا اللہ عزوجل وارث ہے۔ آپ مجھے اجازتِ جنگ دیں۔ وہ دیکھو یزیدی کتے حضور کو کس طرح بھونک رہے ہیں۔ میں ابھی انہیں دوزخ کا راستہ دکھاتا ہوں۔ میں ان خبیثوں کا دوزخ تک پیچھا نہ چھوڑوں گا۔

امام: بھئی! میں نے تیرے شوہر کو ہر طرح سے سمجھایا اور تیری طرف داری بھی کی مگر یہ نہیں مانتا۔ اچھا تو ہی بتا۔ اب کیا ہونا چاہیے؟

بیوی: یا امام! بیشک میرا اللہ تعالیٰ عزوجل وارث ہے۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی

کہ یہ حضور پر قربان نہ ہو۔ بے شک حضور پر قربان ہو مگر میرا بھی تو بروزِ حشر خیال رکھے۔ جب یہ بروزِ حشر حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنت میں جائے تو آپ اس سے وعدہ لیں کہ اس دن مجھے بھی قافلۂ اہلِ بیت کرام کی معیت میں رکھے۔

امام رضی اللہ عنہ: اے ہلال رضی اللہ عنہ! سنتا ہے تمہاری زوجہ تم سے کیا عرض کرتی ہے۔ کیا تمہیں اس کی یہ درخواست منظور ہے؟

ہلال رضی اللہ عنہ: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! ہاں یہ شرط مجھے بالکل منظور ہے۔ جب حضور مجھے جنت میں اپنے ہمراہ لے جائیں گے تو میں اس کو ضرور ہمراہ رکھوں گا۔ جب تک میں اسے ہمراہ نہ لوں جنت میں نہ جاؤں گا۔ اچھا حضور اجازت ہے۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ گھوڑے کو بجلی کی طرح دوڑاتے اور تلوار کو چمکاتے ہوئے میدانِ کارزار میں آئے اور یزیدیوں کو یوں للکارا۔

او بے دینو! جس نے واصلِ جہنم ہونا ہے جلدی مقابلہ کیلئے آئے۔ یہ سن کر فوجِ یزید پر سکتہ طاری ہو گیا۔ آپ کے ترکش میں اسّی تیر تھے۔ ایک ایک کر کے چلایا، جو دشمنوں کے سینوں کو چیرتا اور چھیدتا ہوا پار ہو گیا۔ جن سے اسّی دشمن مارے گئے۔

جب ترکش خالی ہو گیا تو آپ تلوار لے کر یزیدی لشکر میں شیر کی طرح گھس گئے۔ آپ کی تلوار ناگن کی طرح دشمنوں کو ڈستی اور واصلِ جہنم فرماتی

رہی۔ آخر دشمنوں نے گھیرے میں لے کر چاروں طرف سے تلواروں اور تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ جس سے آپ زخمی ہو کر شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ؀

پھر حضرت عبداللہ یزنی رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور اٹھائیس دشمنوں کو مار کر شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ؀

پھر یحیٰی بن سلیم اور عبدالرحمٰن بن عروہ، مالک بن انس، عمرو بن مطاع اور قیس بن عتبہ رضی اللہ عنہم باری باری میدان میں تشریف لائے اور بے شمار اشقیاء (دشمنانِ امام) کو واصلِ جہنم فرماتے ہوئے اور خود جامِ شہادت پی کر اعلیٰ علّیین کو سدھارے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ؀

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی شہادت

ایک برق رفتار خوبصورت سوار، ایک ہاتھ میں نیزہ جبکہ دوسرے میں شمشیرِ بے نیام برق بار لیے، کاندھے پر تیر کمان لٹکی ہوئی گھوڑے کو دوڑاتا اور بجلی کی طرح چمکاتا ہوا یزیدی فوج سے مخاطب ہوا کہ اے فوجِ اشقیاء! یزیدیوں کو فیو تمہیں معلوم ہے۔ میں کون ہوں؟ میں تمہارے جرنلِ اعلیٰ کا چچازاد بھائی ہوں۔ میرا نام ہاشم بن عتبہ ہے۔ میں تمہیں ایک ایک کو بے دینی کا مزہ چکھاتا ہوں اور ابھی دوزخ کا راستہ دکھاتا ہوں۔ انہیں یہ کہہ کر حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ہاشم: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! میرا نام ہاشم بن عتبہ ہے۔ میں ابھی

حضور کے قدوم میمنت لزوم پر نثار ہونے آیا ہوں۔ حضور آپ
مجھے اجازت دیں تاکہ میں ان بے دینوں کو دوزخ میں پہنچاؤں
اور خود تاجِ شہادت پہن کر دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جاؤں۔
حضور میں وہی ہاشم ہوں جس نے جنگِ صفین میں بھی طرح طرح
کے کارہائے نمایاں دکھائے تھے۔

امام رضی اللہ عنہ: بھئی! ابھی تو تم آئے ہی ہو۔ آرام کر لو۔ کچھ دیر تک تازہ دم ہو لو
آخر جامِ شہادت تو ہم سب نے بھی پینا ہی ہے اور تم نے بھی!!
اتنی بھی جلدی کیا ہے ذرا ٹھہر جائے! تمہیں بھی اجازت مل جائے
گی۔ آخر اصرار کر کے حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے اجازت لے
ہی لی اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے میدانِ کربلا میں آ گئے۔

ہاشم رضی اللہ عنہ: اے یزیدیو! کوفیو! میرے سامنے عمرو کو بھیجو جو تمہارا بڑا جنرلِ اعظم
ہے۔ مجھے اُسی سے فیصلہ کرنا ہے۔ یہ سن کر عمرو نے سمعان حاکم
حلب کو بلایا جو ہزار سوار لے کر یزید کے حکم سے ابن زیاد کی مدد کو
حلب سے آیا تھا۔ کہا اے سمعان! ہاشم میرا چچازاد بھائی ہے میں
اس سے مخاطب ہونا نہیں چاہتا۔ ان سے تم بات کرو۔ آخر آگے
ہو کر یہ ہاشم سے کہنے لگا۔

سمعان: اے ہاشم! تیرے بھائی عمرو کو ملک رے اور طبرستان اسی خدمت
کی بدولت ملا ہے۔ تو جس حسین رضی اللہ عنہ کا دم بھرتا ہے اور ہمارے

مقابلہ کیلئے آیا ہے۔ان کی طرف سے تجھے کیا مل سکتا ہے؟

ہاشم رضی اللہ عنہ: اے سگِ دنیا! تو ان کی شان سے واقف نہیں۔دین پر کمینی دنیا کو ترجیح دے کر بے ایمان نہ ہو۔یہ شہزادۂ کونین سُلطانِ دارین ہیں۔ان کے پاس سب کچھ ہے۔بقولِ شاعر!

ے مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں (حدائقِ بخشش)

آخر کافی دیر تک دونوں کا مکالمہ جاری رہا۔پھر دونوں طرف سے نیزہ بازی اور شمشیر زنی ہوتی رہی۔آخر سمعان ملعون حضرت ہاشم کی زد میں آ گیا۔ آپ نے اس کے سر پر ایسی صمصام خون آشام زور سے ماری کہ سر کو چیرتی ہوئی سینہ اور شکم کی خبر لیتی ہوئی گھوڑے کی زین تک اُتر گئی۔زمین پر بیل کی طرح ڈگمگاتا ہوا گر گیا اور واصلِ جہنم ہو گیا۔پھر کیا تھا کہ تمام لشکرِ اشرار تھرّا گیا اور سبھی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔لشکرِ حسینی میں نعرۂ تکبیر و رسالت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

پھر عمرو نے نعمان بن مقاتل برادرِ سمعان کو ایک ہزار سپاہی دے کر بھیجا مگر حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اور ان کو کھیرے ککڑی اور گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے ان کے علمبردار کو بھی واصلِ جہنم فرما دیا۔

پھر اور کمک آ گئی۔آخر آپ گھر گئے مگر پھر بھی دشمنوں سے بے حد

مقابلہ کیا۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے حضرت فضل بن علی رضی اللہ عنہ کو نو سوار دے کر آپ کی امداد کیلئے بھیجا۔ عمرو نے جب دیکھا کہ شیرِ خدا کا جایا فضل بن علی رضی اللہ عنہ نو مجاہدوں کو لے کر ہاشم رضی اللہ عنہ کی امداد کو آ رہا ہے تو عمرو نے دو ہزار سپاہی نعمان کی امداد کیلئے بھیجے۔ ان دو ہزار نے حضرت فضل بن علی رضی اللہ عنہ کو راستے میں ہی گھیر لیا مگر حضرت فضل بن علی رضی اللہ عنہ نے وہ شیرانہ حملہ فرمایا کہ دشمن کے سینکڑوں سپاہی ٹھکانے لگا دیئے۔ اس معرکہ میں حضرت فضل بن علی رضی اللہ عنہ کے نو سپاہی شہادت پا گئے مگر پھر بھی حضرت فضل بن علی رضی اللہ عنہ دشمنوں کو قتل فرماتے ہوئے حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے۔ پہلے تو ایک شیر تھا اب دو ہو گئے۔ ایسی تلوار چلی کہ جس طرح آندھی میں بیری سے بیر گرتے ہیں۔ اس طرح سر تنوں سے گرتے نظر آنے لگے۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا گھوڑا زخمی ہو گیا۔ پھر آپ نے پیدل جہاد کیا۔

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس گھر کا ہر اِک بچہ
جسے دیکھو وہی شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

زخموں سے تمام جسم چور ہو گیا۔ ایک دشمن نے تلوار ماری۔ جس سے آپ جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝

حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کا جسم بھی زخموں سے چور ہو گیا۔ زخمی ہو کر بھی آپ نے ایسی تلوار چلائی کہ سینکڑوں کو دوزخ میں پہنچا دیا۔ آخر آپ اس محاصرے میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝

؎ کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جان دے دی اللہ والوں نے
جِناں کی راہ لے لی معرکہ سر کرنے والوں نے

حضرت یزید بن مہاجر جعفی، انیس بن معقل، حضرت حجاج بن مسروق جعفی، حضرت سیف بن حارث، مالک بن عبد، حضرت حنظلہ بن سعد بجلی، حضرت سعد بن جعفی، حضرت جناوہ بن حارث، حضرت مرہ بن غفاری، حضرت محمد بن مقداد، عبداللہ بن ابودجانہ، حضرت قیس بن ربیع، حضرت شعیب بن سعد، حضرت عمرو بن قرطہ رضی اللہ عنہم باری باری میدانِ کارِزار میں تشریف لائے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ ہزاروں کوفیوں کو واصلِ جہنم فرما کر جامِ شہادت نوش فرما کر ساقیِ کوثر کے دربار گوہر بار میں حاضر ہو کر شرفِ قبولیت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حیاتِ جاودانی سے ممتاز اور فردوسِ اعلیٰ کے مختار بن گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

اہلِ اسلام کو یہ سبق دے گئے۔

؎ اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (علامہ اقبالؒ)

حضرت عُزیر علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو برس قبل بخت نصر بابلی نے بیت المقدس پر حملہ کیا۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے۔ ہر ایک جھنڈے کے ساتھ بے شمار فوج تھی۔ بیت المقدس کو ویران کروایا تورات شریف کے تمام نسخے جلا ڈالے۔ بنی اسرائیل کے تین حصے کیے۔ ایک گروہ کو قتل کر ڈالا اور دوسرے کو نہایت ذلت سے شام میں رکھا جبکہ تیسرے کو قید کروایا۔ اس قیدی گروہ کی تعداد دس لاکھ تھی۔

ان تمام قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر دیا۔ اسی گروہ میں حضرت عزیر اور دانیال علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت بچے تھے۔ عرصہ دراز کے بعد جب انہیں قید سے چھوڑا تو حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس میں تشریف لائے۔

اس وقت یہ شہر اُجڑا ہوا تھا۔ آپ کو کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ تمام باغات پھلوں سے بھرے ہوئے تھے مگر کھانے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے کچھ انگور اور انجیر توڑ کر کھائے اور کچھ توشہ دان میں رکھ لیے۔ آپ نے حسرت بھری نگاہوں سے شہر کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کس طرح آباد فرمائے گا؟ اب یہاں رونق کیسے ہوگی؟ آپ نے اپنا توشہ دان رکھ دیا۔ دراز گوش (گدھا) باندھ دیا اور خود

لیٹ گئے۔ نیند آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیند کی حالت میں جان قبض فرمائی۔ گدھا بھی مر گیا۔ یہ واقعہ صبح کے وقت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو نمرود کی طرح مچھروں سے ہلاک فرمادیا۔ باقی بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی۔

ستر سال کے بعد شاہانِ فارس سے اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو یہاں مسلط فرمایا۔ اس نے پہلے سے زیادہ اس شہر کو آباد کیا۔ بکھرے ہوئے بنی اسرائیل پھر وہاں آ کر آباد ہو گئے۔

ربُّ العزت عزوجل نے حضرت عزیر علیہ السلام کا جسم لوگوں سے ایسا غائب فرمایا کہ آپ کو کسی انسان اور چرند و پرند نے بھی نہ دیکھا۔ جب وصال کو سو سال گزر گئے تو آپ کو زندہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا کہ آپ یہاں کتنی مدت ٹھہرے؟ عرض کیا ایک دن یا آدھ دن۔ فرمایا نہیں۔ آپ تو یہاں پورے سو سال ٹھہرے ہیں۔ پھر گدھے کو زندہ فرمایا۔ کھانا بدستور صحیح سلامت تھا۔ خراب نہ ہوا۔ پھر آپ مرکب پر سوار ہو کر شہر تشریف لے گئے۔ شہر میں کئی گنا زیادہ آبادی تھی۔ آپ کی عمر وہی چالیس برس تھی جو سونے سے قبل تھی۔

آپ اپنے مکان پر پہنچے وہاں ایک بڑھیا بیٹھی تھی جو آنکھوں سے اندھی اور پیروں سے لنگڑی تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا یہ مکان حضرت عزیر (علیہ السلام) کا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ آپ کون ہیں؟ جو سو سال بعد حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیتے ہیں۔ فرمایا میں ہی تو عزیر (علیہ السلام) ہوں۔ بڑھیا کی عمر

ایک سوبیس سال تھی۔ عرض کیا کہ اچھا آپ اگر عزیر علیہ السلام ہیں تو میرے حق میں دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی تو وہ بڑھیا آنکھوں سے بینا (آنکھوں والی) ہوگئی اور اس کے دونوں قدم بھی درست ہو گئے۔

پھر وہ بڑھیا آپ کو ایک مجلس میں لے گئی۔ عرض کیا یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ وہ لوگ انکار کرنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے عرض کیا جس کی عمر ایک سو اٹھارہ برس تھی کہ میرے والد کے شانوں کے درمیان ایک بالوں کا ہلال تھا اور انہیں تورات حفظ تھی۔

جب حضرت کے شانے دیکھے تو واقعی ہلال تھا۔ پھر آپ نے تمام تورات سنائی اور لکھوائی۔ ایک آدمی نے کہا میرے دادا نے فلاں جگہ تورات کا نسخہ دفن کیا تھا۔ وہ نکالا گیا۔ اسے آپ کی لکھوائی ہوئی تورات سے ملایا گیا۔ جب اسے حرف بحرف درست پایا تو لوگوں کو یقین ہوا کہ بے شک یہی حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ پھر آپ پچاس برس زندہ رہے اور ہدایت فرماتے رہے۔

حضرت حُر بن ریاحی رضی اللہ عنہ کی شہادت

بہادرانِ اسلام کی جرأت وہمت کا یہ حال تھا کہ ایک حسینی بہادر کئی سو کوفیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر جامِ شہادت نوش کرتا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت حُر سے نہ رہا گیا۔

حُر: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ ! آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں بھی

حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے قدموں پر قربان ہو کر دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر آبِ کوثر نوش کر سکوں۔ یہ کہہ کر حضور کے قدموں پر گر گئے۔ حضور امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ نے اسے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے حُر! تم ہمارے مقدس مہمان ہو۔ آرام سے خیمہ میں بیٹھو۔ کبھی میزبان بھی کسی مہمان کو مرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ہاں جب میں شہید ہو جاؤں گا تو اس کے بعد تمہاری مرضی۔ تم کوفیوں سے جہاد کر لینا اور جامِ شہادت نوش کر لینا۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ: (رو، رو کر) آپ میرے سامنے شہید ہوں اور میں کھڑا ہو کر سارا محشر خیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ تُف ہے میری زندگی پر! میں حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا مہمان نہیں بلکہ بے دام غلام ہوں۔ آپ مجھے جلدی رَن کی اجازت دیں تاکہ میں غدّار کوفیوں لایوفیوں کو ان کی بے وفائیوں اور بدعہدیوں کا مزہ چکھاؤں۔

حضور مجھے ان غدّاروں پر بہت غصہ آتا ہے کہ ان لوگوں نے حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر اور قاصد بھیج کر بلایا پھر بیعت بھی کی۔ اب یہ تمام کوفی عبید اللہ مردود کے پیچھے لگ گئے۔ حضور امام رضی اللہ عنہ کو کربلا میں آگھیرا اور اب آپ حضور امام رضی اللہ عنہ کے قتل

کے درپے ہیں۔ (مَعَاذَاللّٰہ)

امام (رضی اللہ عنہ): اے حُر رضی اللہ عنہ! آپ ان پر اتنا غصے نہ ہوں۔ میں خود ان پر غصے نہیں ہوتا بلکہ انہیں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سمجھ کر ہدایت کرتا اور عہد و پیماں یاد کرواتا ہوں کہ یہ ہدایت پر آجائیں۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ: حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ! آپ تو نواسۂ رسول ہیں مجسمۂ پیکرِ صبر و شکر ہیں۔ حضور میں آپ جیسا استقلال کہاں سے لاؤں۔ آپ میرے حال پر رحم فرمائیں اور مجھے تاجِ شہادت پہنا کر عروسِ شہادت سے ہمکنار فرمائیں۔ بہت سے میرے غازی بھائی مجھ سے بازی لے گئے۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے حُر رضی اللہ عنہ! بہتر تو یہی تھا کہ ہم پہلے جامِ شہادت نوش کرتے۔ خیر تمہاری مرضی۔ یہ سن کر حُر رضی اللہ عنہ کی فرحت و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آخری سلام عرض کیا اور گھوڑے کو دوڑاتا ہوا میدان میں دشمنوں کے سامنے آ۔ رزم خواہ (مقابل) ہوا۔

؎ دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے
میں آیا ہوں لڑنے شہِ والا کی طرف سے

اے عمرو! جنرلِ اعلیٰ لشکرِ اعداء اور مکّار کوفیو! تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں حُر بن ریاحی ہوں۔ میں تمہارا سابق فوجی سپہ سالار ہوں۔

میں تمہیں تمہاری غدّاری اور عیاری کی سزا دینے آیا ہوں۔ اے عمرو! میرے مقابل جنگ آزمائی کر۔ پھر دیکھ میں تجھے چشمِ زدن میں کیسے واصلِ جہنم کرتا ہوں۔ اگر تو میرے مقابل نہیں آ سکتا تو اور کسی یزیدی بہادر کو بھیج۔ ''میں حُر ہوں حُر''!

عمرو: اے صفوان بن حنظلہ! تجھے معلوم ہے کہ یہ حُر رضی اللہ عنہ ہیں جو ایک ہزار پر غالب ہیں مگر تو بھی حُر رضی اللہ عنہ کی طرح عرب کا بہترین شہسوار ہے۔ تو جا کر حُر (رضی اللہ عنہ) کو وعظ و نصیحت کر کے واپس بلا۔ اگر وہ نہ مانے تو اس کا سر تن سے جدا کر دے۔

صفوان: اے حُر (رضی اللہ عنہ)! تیری خیر اسی میں ہے کہ تو یزید کی خلافت اور گورنرِ کوفہ کی اطاعت قبول کر لے ورنہ حاکمِ کوفہ تیرے گھر بار کو لوٹنے کا حکم دے دے گا اور تیری تمام اَملاک کو ضبط کر لے گا۔ تیرے تمام مرد و زن اور فرزندوں کو پھانسی لگا دے گا۔

؎ کنبے کا تیرے نام و نشاں بھی نہ رہے گا
دنیا میں کوئی فاتحہ خواں بھی نہ رہے گا

اے حُر (رضی اللہ عنہ)! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو نے شہنشاہِ یزید کی خلافت کو چھوڑ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کس بنا پر کر لی؟ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کون سی دولت اور جاگیر ہے؟ جو وہ تجھے

انعام میں عطا فرما دیں گے۔ وہ تو خود تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ ان کے بچے اَلعَطَش اَلعَطَش ہائے پیاس ہائے پیاس پکار رہے ہیں۔

؎ دولت یہاں ملتی، تجھے منصب یہیں ملتا
وہ دیں گے بھلا کیا جنہیں پانی نہیں ملتا

حُر (رضی اللہ عنہ): اے صفوان! تیری عقل پر پتھر پڑ گئے، جو تو یزید جیسے ظالم و جابر بے انصاف، سگِ دنیا کی میرے سامنے تعریف اور حضور امام عرشِ مقام، جگر پارۂ مصطفیٰ، نورِ چشمِ مرتضٰی، دلبندِ زہرا، سلطانِ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ کی مذمت کرنے لگا۔ او بے وقوف اطاعتِ حسین رضی اللہ عنہ نے تو آج میرا نام فرش سے عرش تک روشن فرما دیا۔ اور عقل سے پیدل۔ انسان بن۔ شیطان نہ بن۔ کیا میں یزید کو مان کر اپنے کعبۂ ایمان کو گرا دوں اور حق کو چھوڑ کر باطل پرستی کرنے لگوں؟ یزید پلید کو راضی کر کے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کروں۔ تُف ہے تیری عقل پر۔

؎ کیا حاکمِ دنیا کا تو احساس کروں میں؟
اور زہرا کے رونے کا نہ کچھ پاس کروں میں؟

اے طالبِ دنیا! تو ان کو بھوکا اور پیاسا بتاتا ہے جو شہنشاہِ کونین کا

نواسہ اور سُلطانِ دارین کا فرزند ہے۔ جن کے مقدس قدموں میں دارین کی تمام نعمتیں ہیں۔ ارے تو اس پانی پر اتراتا ہے جسے کتے، خنزیر، یہودی اور نصرانی پیتے ہیں۔ یہ خود ساقیِ کوثر ہیں جو اپنے ہاتھوں سے روزِ محشر چھلکتے ہوئے جام پلائیں گے اور بڑے بڑے بدکاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ تُو یزید ملعون کو چھوڑ اور امام رضی اللہ عنہ کا غلام بن۔

؎ تو بادشاہِ خلق کو بتلاتا ہے محتاج
لٹتی ہے ادھر نعمتِ فردوسِ بریں آج

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر صفوان غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ آگے بڑھ کر ایک زور کا نیزہ مارا۔ حضرت حُر رضی اللہ عنہ نے اس نیزہ کو پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالا۔ پھر زور سے صفوان کو ایک ایسا نیزہ مارا کہ سینے سے پار ہو گیا۔ فوراً گھوڑے سے گرا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ پھر مقابلہ میں صفوان کے بھائی آئے۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی فی النار ہو گئے۔ پھر حضرت حُر رضی اللہ عنہ خدمتِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ میں آئے اور قدموں میں گر کر عرض کرنے لگے کیا حضور رضی اللہ عنہ آپ مجھ پر راضی ہیں؟

یہ سن کر حضور امام نے فرمایا ہاں میں بھی راضی ہوں اور تجھ پر خدا اور رسول

بھی راضی ہیں۔ واقعی تیری ماں نے تیرا نام حُر (رضی اللہ عنہ) ٹھیک رکھا ہے۔ تو جہنم سے آزاد ہے۔ پھر اجازت لے کر آپ میدانِ جنگ میں آئے۔ سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرمایا۔ آپ کا گھوڑا زخمی ہو گیا مگر پھر بھی آپ پیدل جنگ کرتے رہے۔

یہ حال دیکھ کر حضور امام رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے گھوڑا بھیج دیا۔ پھر کیا تھا دشمنوں کی لاشوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ پھر خدمتِ امام رضی اللہ عنہ میں جانا چاہا مگر غیب سے آواز آئی اے حُر رضی اللہ عنہ! جلدی کرو تمہارا جنت میں حوریں انتظار کر رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت حُر رضی اللہ عنہ نے بآوازِ بلند عرض کیا یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جا رہا ہوں۔ اگر نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ عرض کرنا ہے تو فرما دیں۔ یہ سن کر امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم چلو۔ ہم خود تمہارے پیچھے پیچھے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حُر رضی اللہ عنہ دشمنوں کے حملہ سے نڈھال ہو کر فرشِ زمیں پر گر پڑے اور آواز دی۔ "یَا مَوْلَاہُ اَدْرِکْنِی"۔ حضور خود تشریف لائے اور اپنی گود میں لٹایا اور چہرے کو گرد و غبار سے صاف فرمانے لگے۔ آپ نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ سر امام رضی اللہ عنہ کی گود میں ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے مسکراتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد فرما دی۔

حُر کیلئے بے تاب امامِ دو جہاں تھے
آنسو شہِ کونین کی آنکھوں سے رواں تھے

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر ان کا بھائی، بیٹا اور غلام میدان میں باری باری تشریف لائے اور سینکڑوں اعداء کو واصلِ جہنم فرما کر جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○

(شہیدِ اعظم صفحہ 170)

حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حذقیل علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیلی حکومت متفرق ہوگئی۔ بت پرستی جگہ جگہ پھر شروع ہوگئی۔ شہر بَعلبَکّ کا بادشاہ بت پرست تھا۔ بادشاہ نے بنام ''بَعل'' ایک بہت بڑا بت بنا رکھا تھا۔ اس بت کے چار سو خادم تھے جو ''بَعل'' بت کی پرستاری کی لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ شیطان بعل بت میں گھس کر اپنے مخصوص انداز میں مسائل امر و نہی پر خوب وعظ کیا کرتا تھا۔ جس سے انہیں اور بھی یقین ہوگیا کہ یہی ہمارا معبود اور خالق و رازق ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے شہر بَعلبَکّ میں لوگوں کی ہدایت کیلئے حضرت الیاس علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ آپ حضرت یوشع بن نون کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت الیاس نے انہیں فرمایا۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ (الصّٰفّٰت: 125)

ترجمہ: ''کیا بعل (بت) اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ کو۔ (کنز الایمان)

بس اتنا فرمانا تھا کہ تمام قوم بنی اسرائیل آپ کی دشمن ہوگئی اور جگہ جگہ آپ کے قتل کی تجویزیں ہونے لگیں۔ آپ حکمِ الٰہی سے ایک پہاڑ میں روپوش ہوگئے۔

آٹھ برس تک پہاڑ میں روپوش رہے اور کسی کو علم نہ ہو سکا۔ سات سال بعد بادشاہ بَعلبَک کا لڑکا سخت بیمار ہو گیا۔ بعل بت سے بہت دعائیں کیں مگر شفا نہ ہوئی۔ بعل کے خادموں کو بادشاہ نے کہا کہ بعل تجھ سے ناراض ہے۔ تمام ملک شام کے بتوں سے عرض کرو کہ وہ سب مل کر بڑے معبود بعل کو منائیں۔

بادشاہ نے چار سو پرستارانِ اَصنام کو منتخب کر کے بھیجا۔ خدا کی شان وہ وہاں ہی ٹھہرے جہاں حضرت الیاس علیہ السلام روپوش تھے۔ آپ خدا کے حکم سے ظاہر ہو گئے۔ ان کو خوب اللہ عزوجل کی توحید کا وعظ سنایا اور بتوں کی مذمت فرمائی پھر فرمایا جب تک تم اور تمہارا بادشاہ اللہ عزوجل پر ایمان نہ لاؤ گے اور میری رسالت کی تصدیق نہ کرو گے۔ لڑکا صحت یاب نہ ہو گا۔ یہ سن کر خادموں نے بادشاہ کو بتا دیا۔ بادشاہ نے پچاس سپاہی حضرت الیاس علیہ السلام کی گرفتاری کیلئے بھیجے۔ وہ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو انہیں بجلی نے ختم کر دیا۔

اسی طرح کئی جماعتیں بھیجیں مگر وہ ختم ہوتی رہیں پھر بادشاہ نے ایک عظیم جماعت بھیجی اور کہا کہ جس طرح بھی چاہو مکر و فریب سے پکڑ لاؤ۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو حکمِ خدا ہوا کہ ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ آپ شہر بعلبک میں آ گئے اور بادشاہ پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ آپ پھر پہاڑ میں روپوش ہو گئے۔ دعا کی مولا کریم ان پر تین سال کا شدید قحط نازل فرما۔ تین سال تک مشرکین قحط میں مبتلا رہے۔

مشرکین کو حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیوں قحط سے مرتے ہو؟ اپنے معبودوں سے کہو کہ وہ بارش برسائیں ورنہ تم میرے ایک خداعزّ وجل کو سچا مان لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں بارش ہو جائے گی۔

یہ سن کر مشرکین نے بتوں سے دعائیں کی مگر ایک قطرہ بھی آسمان سے نہ برسا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر عرض کیا کہ آپ اپنے معبودِ حقیقی سے دعا کریں اگر بارش ہو گئی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ یہ سن کر آپ نے دعا فرمائی اس سے اس قدر بارش ہوئی کہ تمام قحط دور ہو گیا مگر وہ لوگ ایمان پھر بھی نہ لائے۔

حضرت الیسع کی والدہ بیمار تھیں۔ آپ نے ان کیلئے دعا کی انہیں آرام ہو گیا۔ والدہ نے اپنے بیٹے الیسع کو حضرت الیاس علیہ السلام کے سپرد فرما دیا۔ آپ نے انہیں اپنا خلیفہ مقرر فرما دیا۔ پھر دعا کی الٰہی! مجھے ان لوگوں کی نظروں سے روپوش فرما۔ خدا کی طرف سے ایک سبز گھوڑا ظاہر ہوا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور منہ پر چادر ڈال لی۔ خدا کی شان آپ اسی وقت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

کتبِ معتبرہ سے ثابت ہے کہ چار پیغمبر ظاہری طور پر حیات ہیں۔ جن میں حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں میں جبکہ حضرت خضر، حضرت الیاس علیہ السلام زمین پر۔ (روضۃ الاصفیاء، تاریخ الانبیاء)

حضرت بریر ہمدانی رضی اللہ عنہ کی شہادت

بُریر (رضی اللہ عنہ): یا امام رضی اللہ عنہ! خدارا مجھے بھی اذنِ جہاد دیں۔ میرے کئی ساتھی تاجِ شہادت پہن کر، عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو چکے ہیں اور میں ان کا منہ تکتا ہی رہ گیا۔ آخر اصرار کر کے حضور امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ سے اذنِ جہاد لے ہی لیا۔ جب آپ میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ حضرت بریر ہمدانی رضی اللہ عنہ کوفیوں سے لڑنے گئے ہیں۔

سکینہ (رضی اللہ عنہا): اے بچو! تمہیں معلوم ہے کہ بریر رضی اللہ عنہ جہاد پر گئے ہیں۔ دیکھو وہ ہمیں ضرور پانی لا کر دیں گے۔ دیکھو کل بھی تو وہ ظالم کوفیوں سے لڑ جھگڑ کر ایک مشک پانی لے ہی آئے تھے۔ کیا آج ہمیں بھول جائیں گے؟ انتظار کرو۔ وہ ہمارے لئے ضرور پانی لائیں گے۔

یزید بن معقل: اے بُریر ہمدانی (رضی اللہ عنہ)! اچھا اب آپ (امام عالی مقام) امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے مرنے آئے ہو۔ خیر ابھی تمہیں جنت فردوس میں آباد کرتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ خدا نے تمہیں اور تمہارے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑ دیا؟

بُریر: اے خبیث! تو سراسر جھوٹا ہے۔ میرے سامنے نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول کی شانِ والا تبار میں مت بکواس کر۔ خدا نے ہمیں ہرگز

نہیں چھوڑا تو مُفتری (بہتان باندھنے والا) ہے۔

کرامت

یزید بن معقل: اے بُریر (رضی اللہ عنہ)! اچھا اگر تیرا امام رضی اللہ عنہ برحق ہے تو میں مارا جاؤں گا۔ اگر میرا بادشاہ یزید (پلید) سچا ہے تو تو مارا جائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت بُریر ہمدانی رضی اللہ عنہ پر تلوار چھوڑ دی مگر وہ خالی گئی۔ پھر حضرت بُریر ہمدانی رضی اللہ عنہ نے اپنی صمصام خون آشام اس کے سر پر ماری جو خَود (لوہے کی ٹوپی جو جنگ میں پہنتے ہیں) کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہوئی سر سے اُترتی ہوئی دو ٹکڑے کر گئی۔

وہ فوراً واصلِ جہنم ہو گیا۔ لشکرِ حسینی میں بُریر (رضی اللہ عنہ) زندہ باد کے نعرے لگنے لگے۔

یہ دیکھ کر رضی نامی کوئی دوڑا اور آ کر حضرت بُریر ہمدانی رضی اللہ عنہ سے لپٹ گیا۔ کشتی ہونے لگی۔ آپ رضی سے اُلجھے ہوئے تھے کہ کعب نے عقب سے آ کر تلوار ماری۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

جب حضور امام رضی اللہ عنہ: حضرت بُریر ہمدانی کی لاش اُٹھا کر لائے تو حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا اور تمام بچے بُریر ہمدانی رضی اللہ عنہ کی لاش سے لپٹ کر رونے اور اپنی پیاس یاد دلانے لگے۔ یہ منظر کعب بن جابر کی بیوی دیکھ رہی تھی صبر نہ کر سکی آخر بول اٹھی۔

بیوی: اے بدنصیب کعب! تو یہاں نواسۂ رسول سے لڑنے آیا ہے۔ لعنت ہو تجھ پر۔ اے بدبخت! تو نے میرے سامنے اتنے بڑے بزرگ سیّد القرّاء بُریر ہمدانی رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ بدبخت روسیاہ کیا تو بھی مسلمان ہے؟ تو آخر کعب نے بیوی کو دیکھ کر دھمکایا (تو نے تو میری سب کے سامنے بے عزتی کی ہے اور برملا لعنت و ملامت کرتی ہے۔) بولا۔

کعب: اے بیوی! کیا تو مجھے نہیں جانتی؟ "میں کعب ہوں کعب" ....

بیوی: آگے تو خیر میں نہیں جانتی تھی مگر اے کعب! اب معلوم ہو گیا کہ تو ایک ظالم اور کافر انسان ہے۔

اے بیوی! زبان کو روک۔ آخر میں تیرا شوہر ہوں۔

بیوی: اے کعب! میں تجھے مسلمان سمجھتی تھی۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ تو کافر و مرتد ہے، جو فرزندِ رسول رضی اللہ عنہ سے جنگ کر رہا ہے۔ آج سے میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ کہہ کر وہ تشریف لے گئیں۔

(معرکۂ کربلا)

آج لے اِن کی پناہ آج مدد مانگ اِن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت کو اگر مان گیا
(حدائقِ بخشش)

ایک دشمن کا حشر

ابنِ جوزہ: اے حسینی مجاہدو! کیا تم میں حسین رضی اللہ عنہ ہیں؟ اے حسینی غازیو! کیا تم میں حسین رضی اللہ عنہ ہیں؟ جواب دو۔ کسی نے جواب نہ دیا تین بار پوچھا؟

حسینی مجاہد: کیا بات ہے؟ تو نے نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ سے کیا کہنا ہے؟ جن کے بارے میں تو بار بار پوچھتا ہے۔ آخر تیرا مطلب کیا ہے؟ یہ دیکھ حضور فرزندِ رسول رضی اللہ عنہ سامنے موجود ہیں۔

ابنِ جوزہ: اے حسینی سپاہیو! تم میری طرف سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کہو کہ تمہیں آگ مبارک ہو۔ یہ سن کر حضور امام رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا کہ یہ ظالم آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ والا تبار میں اس قدر گستاخی کر رہا ہے۔ آپ نے اس کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔

"اَللّٰھُمَّ خُذْہُ اِلَی النَّارِ"۔

یعنی: "اے اللہ! اسے آگ کی طرف ڈال دے۔"

بس یہ دعا کرنا تھی۔ فوراً اس کا گھوڑا اُچھلا اور اسے نیچے گرا دیا جبکہ ایک پاؤں اس کا رکاب میں اٹکا رہا۔ گھوڑا اسے کھینچتا چلا گیا۔ جیسے کوئی عیسائی کسی مردہ کتے کو کھینچ کر لے جاتا ہے۔ آخر وہ آگ میں گر کر واصلِ جہنم ہو گیا۔

(شہیدِ اعظم صفحہ 70)

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابوثمامہ (رضی اللہ عنہ): یا امام رضی اللہ عنہ! اب دشمن کا لشکر حضور کے قریب ہی آ گیا ہے۔ آپ مجھے اذنِ جہاد دیں۔ بہتر ہے کہ میں نماز ادا کر کے تاجِ شہادت حاصل کروں۔ آپ آخری نماز پڑھا دیں۔

امام رضی اللہ عنہ: اے ابوثمامہ رضی اللہ عنہ! تمہارا خیال بہت ہی اچھا ہے مگر آپ دشمنوں کو فرما دیں کہ حضور امام رضی اللہ عنہ نماز ادا فرمانا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے جنگ روک دی جائے تا کہ اطمینان سے نماز ادا کر لی جائے۔

ابوثمامہ رضی اللہ عنہ: اے یزیدی سپاہیو! حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ کچھ دیر کیلئے جنگ کو بند کر دیا جائے تا کہ ہم نماز تو اطمینان سے ادا کر لیں۔

حصین بن نمیر: اے ابوثمامہ! اپنے امام رضی اللہ عنہ سے کہو کہ تمہاری نماز خدا کے ہاں قبول نہیں۔ اس لیے نماز پڑھنے کی آپ تکلیف نہ فرمائیں۔

حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ: اے حصین بن نمیر! کیا فرزندِ مصطفیٰ، نورِ چشمِ زہرا کی نماز عند اللہ قبول نہیں۔ تو مردود کیا تیری نماز قبول ہے؟ یہ سن کر وہ ملعون لال پیلا ہو گیا اور قتل کیلئے حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ جب حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ملعون نزدیک ہی آ گیا ہے تو عرض کیا۔

حبیب رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ ! اب آپ مجھے تو اجازت دیں تا کہ میں حضور رضی اللہ عنہ کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جا کر نماز ادا کروں اور آپ کا سلام، دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بابا جان اور بھائی جان کو عرض کروں۔ یہ عرض کر کے آگے بڑھے اور حصین ملعون پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کے گھوڑے کو مار ڈالا اور حصین بیل کی طرح ڈکارتا ہوا زمین پر گر گیا۔ آپ اسے واصلِ جہنم فرمانے ہی والے تھے کہ لشکر اعداء نے آ کر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا مگر آپ نے ایسی صمصام خون آشام چلائی کہ تھوڑی ہی دیر میں دشمن کے باسٹھ سپاہی واصل جہنم کر دیئے۔ آپ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے کہ ایک کوفی نے عقب سے آ کر نیزہ مارا۔ جس کی ضرب سے آپ فرشِ زمیں پر آ گرے۔ حصین بن نمیر جو آپ سے زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے تشریف لائے۔ لاش کو دیکھ کر رونے اور آپ کی تعریف فرمانے لگے۔ حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیاری فوج کے سپہ سالار تھے وہ بھی واصلِ باللہ ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر ادا کیا اور

عرض کیا مولا۔

؎ جو تیری رضا ہے وہی مقصد ہے ہمارا
دیں نانا کیلئے ہم کو سب کچھ ہے گوارا

حضرت زُہیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

دشمنوں نے حضور شہزادۂ کونین رضی اللہ عنہ کو نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہ دی مگر آپ نے دورانِ جنگ ہی مجاہدوں کو نماز ادا کرنے کا حکم فرما دیا۔

؎ آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز (علامہ اقبالؒ)

جو چند حسینی مجاہد باقی تھے۔ انہیں باری باری نماز پڑھائی اور اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سبق دیا کہ نماز وہ فریضہ ہے کہ جو میدانِ کربلا میں بھی معاف نہیں ہوا۔

؎ نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں
نمازِ حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں (علامہ اقبالؒ)

نماز کے بعد دشمنوں کا زور، اور بھی بڑھ گیا۔ تمام کوفیوں نے مختصر سے لشکرِ حسینی پر مل کر جمہوری حملہ کر دیا۔ حضرت زہیر رضی اللہ عنہ جو لشکرِ حسینی رضی اللہ عنہ کے یمینی سپہ سالار تھے۔ اجازت لے کر آگے بڑھے اور میدان کو ہاتھوں میں لے لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دشمن پر ایسی یلغار کی کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک سو بیس دشمن ٹھکانے

لگا دیئے۔ یزیدی فوج بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگی۔

میمنہ اور میسرہ کی حالت بہت ہی ابتر ہوگئی۔ آخر آپ پھر حضور امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام و آداب عرض کرنے کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ اجازت لے کر پھر دشمن کے لشکر میں جا گھسے اور بے شمار کوفیوں کو دوزخ کا راستہ بتایا۔ اسی حالت میں جاں جانِ آفرین کے سپرد کر کے فردوسِ اعلیٰ کو سدھارے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ○

لڑے اس سرفروشانہ تحمل اور جلالت سے
اُٹھا غل مرحبا کا آسمانِ فتح و نصرت سے

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی شہادت

سلیط (رضی اللہ عنہ): یا امام عرشِ مقام رضی اللہ عنہ! میرے ساتھی یکے بعد دیگرے میدانِ کارزار میں دشمنوں سے معرکہ آراء ہو کر حضور سے دادِ شجاعت لے کر، عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو رہے ہیں اور ساقیِ کوثر کے ہاتھوں سے جامِ شہادت پی کر شکم سیر ہو کر فردوسِ اعلیٰ کو سدھار رہے ہیں۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اب مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ خدارا آپ مجھے بھی جامِ شہادت پلائیں۔

امام رضی اللہ عنہ: اے سلیط رضی اللہ عنہ! تمہاری دادی جان اور پیاری بہن مکہ معظمہ میں

تمہارا بے چینی سے انتظار کرتی ہوں گی کہ ہم اپنے عزیز سلیط رضی اللہ عنہ کی نورانی صورت دیکھ کر آتشِ فراق کو ٹھنڈا اور اپنا تمام غم دور کریں گی۔

اے سلیط رضی اللہ عنہ! تم مکہ معظمہ جاؤ اور اپنی پر سکون زندگی گزارو۔ تم اپنی جوان بہن اور بوڑھی دادی اماں کے حال پر رحم کرو۔ ہاں یاد آ گیا مکہ مکرمہ پہنچ کر مدینہ منورہ بھی جانا۔ وہاں میں اپنی نورِ نظر، لختِ جگر سیدہ صغریٰ رضی اللہ عنہا کو بیمار چھوڑ آیا ہوں انہیں بھی یہ تمام حالات سنا دینا کہ تمہارے بابا جان کو میں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

سلیط رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ کہ میں حضور کو تنہا چھوڑ کر مکہ معظمہ چلا جاؤں۔ خدا کی قسم میں مکہ معظمہ بھی اگر چلا جاؤں تو آپ کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا بلکہ میں بے آب مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا یا حضور کے غم و اندوہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میرے آقا خدا وہ دن نہ لائے کہ میں آپ سے جدا رہوں۔ میری حیاتِ ابدی یہی ہے کہ مجھے آپ جامِ شہادت نوش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی (علامہ اقبالؒ)

امام رضی اللہ عنہ: اے سلیط رضی اللہ عنہ! آپ صبح سے میدانِ کربلا کا خونی منظر دیکھ رہے ہیں کہ جو بھی تمہارا انصاری بھائی معرکہ میں گیا وہ پھر واپس نہیں آیا۔ اگرچہ اُس نے سینکڑوں مردودوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

اے سلیط رضی اللہ عنہ! اگر میں تمہیں اجازت دے دوں تو تمہاری دادی اماں اور ہمشیرہ کا کیا حال ہوگا؟ اس لئے تمہیں اجازت ہے کہ جا کر اپنی بہن اور دادی اماں کا دل لگاؤ اور خوب ان کی خدمت کرو۔

سلیط رضی اللہ عنہ: اے میرے آقا رضی اللہ عنہ! اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ سلیط رضی اللہ عنہ ہمارے امام رضی اللہ عنہ سے جی چرا کر آیا ہے تو وہ ساری عمر میرا منہ دیکھنے کو تیار نہ ہوں گی۔ انہیں جس وقت معلوم ہوگا کہ سلیط رضی اللہ عنہ اپنے امام کے قدموں پر قربان ہو گیا تو خدا کی قسم! ان کی خوشی کی انتہا نہ رہے گی۔ وہ بھی اس میں راضی ہیں کہ سلیط رضی اللہ عنہ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر قربان ہو۔ حضور آپ دیر نہ کریں خدارا مجھے جلدی اجازت دیں۔

امام: (رضی اللہ عنہ) اے سلیط رضی اللہ عنہ! تم ابھی جوان ہو تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے؟ جو شہادت کی اس قدر تمنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ اپنی جوانی کی بہاریں دیکھو اور جوانی کے مزے لوٹو۔ (رو، رو کر فرمایا) کیا میں اتنا سنگ دل ہوں؟ کہ اپنے ایک ایک جاں نثار کو میدان میں بھیج کر دشمنوں سے کٹواتا رہوں اور ان کے لاشے خاک و خون

میں تڑپتے دیکھوں۔ اے سلیط رضی اللہ عنہ! جاؤ میرے حال پر رحم کرو۔
میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔

سلیط (رضی اللہ عنہ): پیارے آقا رضی اللہ عنہ! میں چاہتا ہوں کہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ مجھے
خود جنگی سامان سے آراستہ کریں اور میں دولہا کی طرح عروسِ
شہادت کی خوشی میں نکلوں۔ حضور رضی اللہ عنہ کی مقدس نگاہوں کے
سامنے رقص کرتا ہوا دشمنوں سے لڑوں اور انہیں ٹھکانے لگاؤں۔
جب میں جامِ شہادت نوش کروں تو میرا سر میرے امام رضی اللہ عنہ کے
قدموں میں ہو۔ حضور رضی اللہ عنہ فرمائیں کہ اے سلیط رضی اللہ عنہ! آنکھیں
کھول کر دیکھو تمہارا سر کس کے قدموں میں ہے؟ تو میں وقت
شہادت عرض کروں۔

؎ جو دل مانگو تو دل حاضر جو سر مانگو تو سر حاضر
خریدارانِ اُلفت ہیں تیرے بازار میں آئے (جامِ عرفان)

امام:

امام رضی اللہ عنہ: اے سلیط رضی اللہ عنہ! یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ تو میرے بغیر زندہ نہیں
رہ سکے گا اور بے آب مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر جاں بحق
ہو جائے گا۔ اچھا جاؤ اور راہِ حق میں اپنا سر کٹاؤ۔ خداوند کریم عزوجل
مجھے تمہاری دادی اور بہن کو صبر و ضبط کی توفیق عطا فرمائے۔
امین ثُمّ امین۔

سلیط رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ! میرا آخری سلام قبول ہو۔ (خوشی سے) اپنے مرکب کو مہمیز (گھوڑے کو ایڑ لگا کر چلانا) دی اور اسے بجلی کی طرح دوڑاتے اور چمکاتے ہوئے میدانِ کارزار میں آئے اور کوفیوں سے یوں خطاب فرمایا۔

حضرت سلیط کا خطاب

اے کوفیو! تم بڑے عیار اور مکار ہو۔ تم نے خود حضور امام عرش مقام نواسۂ مصطفیٰ دلبندِ مرتضیٰ، جگر پارۂ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بیعت کیلئے بلایا اور ان کی بیعت کی۔ تم نے جو بھی ان سے عہد و پیماں کئے وہ سب فراموش کر کے یزید مردود کے پیروکار ہو گئے۔ تم بروزِ حشر خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے اور شفاعت کیلئے کس دروازے پر جاؤ گے؟ مسلمان قیامت تک تم پر لعنت کریں گے۔ جس عزت و عظمت، سلطنت و وجاہت کیلئے آخر تم روگرداں ہوئے وہ بھی تمہیں نصیب نہیں ہوگی۔

خدا تمہارا قصور معاف نہیں کرے گا۔ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں جلنا ہوگا اور طرح طرح کے عذاب بھگتنا ہوں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ تم امام کی شان کو جانو! اور حق کو خوب پہچانو!

عُبید اللہ ظالم پر کرو لعنت بچو اس سے
فدائی بن کے فرزندِ پیغمبر کے لڑو اس سے

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی یہ دردانگیز اور محشر خیز تقریر تمام کان لگا کر سامنے کھڑے سن رہے تھے اور غور وخوض کر رہے تھے کہ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ بالکل حق ہے۔ آج ہمیں حق کے خلاف لڑایا جا رہا ہے اور نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ سے لڑا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخی بنایا جا رہا ہے۔ ہمیں دین سے ہٹا کر راہِ باطل پر لا کر کھڑا کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس دین رہا نہ دنیا ہی ہاتھ آئے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا۔

؎ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

شمر نے جب دیکھا کہ حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کی تقریر کا کوفیوں پر کافی اثر ہو رہا ہے۔ فوراً ایک فوجی افسر کو یہ حکم دیا۔

شمر: اے فوجی افسر! تم سلیط رضی اللہ عنہ کی زبان بند کیوں نہیں کرتے؟ وہ دیکھو تمہارے سامنے کھڑا ہو کر اپنے امام رضی اللہ عنہ کی کس طرح توصیف بیان کر رہا ہے اور ہمارے امیر المومنین یزید اور گورنر ابن زیاد کی کس طرح سے بے حرمتی و تذلیل کر رہا ہے۔ فوراً جاؤ اور اس کو جنت کا راستہ دکھاؤ۔ یہ سن کر وہ فوجی افسر حضرتِ سلیط رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور بولا۔

افسر: اے سلیط رضی اللہ عنہ! شاباش!! اپنی اور اپنے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خوب

پاکی بیان کرو۔ خوب دل کھول کر ان کے خطبات پڑھو۔ اے سلیط رضی اللہ عنہ! اب باتوں کا وقت نہیں کوئی ہنر دکھاؤ۔ یہ کہہ کر وہ فوجی افسر سامنے آیا۔

سلیط رضی اللہ عنہ: اے کوفیو! معلوم ہوتا ہے کہ تم ہدایت سے محروم ہو چکے ہو۔ تمہارے دل سے عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بالکل نکل چکی ہے اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہوگئی ہے۔ تم لوگ دنیا کے نشہ میں اندھے، گونگے اور بہرے ہو گئے ہو۔ تم وہی کرتے ہو جو تمہیں عمرو اور شمر حکم دیں۔ یہ فرما کر حضرت سلیط رضی اللہ عنہ آمادۂ جنگ ہوئے۔

جب دشمن نے بڑے زور کا تلوار سے حملہ کیا تو حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشیاری سے روکا۔ پھر آپ نے نعرۂ تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر جو تلوار ماری تو دشمن کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ یہ منظر دیکھ کر دشمن بھاگ نکلا مگر بڑی عجلت (جلدی) سے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے اسے واصلِ جہنم فرما دیا۔

یہ منظر دیکھ کر کوفیوں کی ایک پوری پلاٹون حضرت سلیط رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئی مگر اس شیر دل حسینی جوان نے ایسا جہاد کیا کہ اکثر کو ٹھکانے لگا دیا، جو بچ گئے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

سلیط رضی اللہ عنہ: اے عمرو! کچھ شرم کر۔ میرے سامنے کیوں اپنے افسروں اور سپاہیوں کو بھیج کر جہنمی بنا رہا ہے؟ اُو بے حیا! اگر تجھے اپنی شجاعت

پر زعم (گمان) ہے تو تُو خود مجھ سے زور آزمائی کر یا شمر مردود کو بھیج کر ہنر آزمائی کرے۔

یہ سن کر شمر جل بھن گیا۔ شمر نے فوراً پچاس کارآزمودہ بہادروں کو آپ کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس رسالہ نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیر باری شروع کر دی۔ مگر آپ بھی ان پر بھوکے شیر کی طرح حملہ آور ہوئے۔ آپ جس طرف حملہ کرتے کوفی بھیڑ بکریوں کی طرح آگے آگے بھاگتے نظر آتے۔ جبکہ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے بھی تھے۔ اسلحہ کی گراں باری اور سورج کی شعلہ باری زوروں پر تھی۔

دوپہر کا وقت تھا آخر دشمن کی تیر باری سے آپ کا جسم زخمی ہو گیا اور خون بہہ گیا۔ ایک دشمن نے عقب سے نیزہ کا کاری وار کیا مگر آپ نے مڑتے ہوئے اس کو بھی واصلِ جہنم فرما دیا۔ نقاہت اس قدر ہو گئی تھی کہ آپ اپنے مرکب سے فرشِ زمیں پر آ گئے اور اسی حال میں نواسۂ رسول سے یوں عرض کیا۔

سلیط (رضی اللہ عنہ): اے میرے آقا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ! کیا آپ اپنے سلیط رضی اللہ عنہ سے خوش ہیں؟ کہ غلام نے حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور جاں نثاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ افسوس شدت پیاس اور زخموں نے مجھے نڈھال کر دیا ورنہ انہیں مخالفتِ امام رضی اللہ عنہ کا اور بھی

خوب مزہ چکھاتا اور سینکڑوں کو دوزخ کا راستہ دکھاتا۔

جب زخموں سے نڈھال ہو کر فرشِ زمیں پر آنے لگے تو حضور امام رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے مرکب کو دوڑایا اور آغوشِ رحمت میں اُٹھالیا پھر اسی حالت میں اُٹھا کر لائے۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ سرِ نیاز حضور امام رضی اللہ عنہ کی آغوشِ رحمت میں ہے۔

امام: (رضی اللہ عنہ) اے سلیط (رضی اللہ عنہ)! کیا حال ہے؟ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تو سہی۔ تمہارا سر کس کی گود میں ہے؟ کیا تم اس لئے مجھ سے اجازتِ حرب مانگتے تھے؟ کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے امام رضی اللہ عنہ کو داغِ جدائی دو اور خون کے آنسو رلاؤ۔

سلیط (رضی اللہ عنہ): اے آقا رضی اللہ عنہ! میرا آخری سلام قبول ہو۔ یہ کہہ کر بے تابانہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آنکھوں کے اشارے سے نیاز مندانہ ہدیہ سلام عرض کر کے جاں بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

حضور امام رضی اللہ عنہ جب اپنے سلیط رضی اللہ عنہ کو رخصت کر رہے تھے تو اشکباری کے بے بہا گوہر عطا فرما رہے تھے اور یوں ارشاد فرما رہے تھے۔

اے سلیط (رضی اللہ عنہ)! خدا تمہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ تمہارے وارثوں کو اور مجھے صبر و ضبط کی توفیق عطا فرمائے۔ ہائے میرے لئے کئی خاندان کربلا میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ کاش تم لوگ میرے حکم کو مان

کر اپنے اپنے گھروں کو سدھارتے۔ میں اور میرا خاندان تنہا یہ مصائب و آلام جھیلتا اور تم پر یہ مصیبت نہ آتی۔ یہ سن کر نیاز مند رونے لگے۔ (معرکۂ کربلا)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ترجمہ: اس اچھی رسم کی بنیاد خاک اور خون میں لت پت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پاک شخصیات پر رحمت کرے۔ (امین)

حضرت حذقیل علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

(حضرت) حذقیل (علیہ السلام) آپ کا اسم شریف اور ذُوالکِفل لقب تھا۔ آپ حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔آپ نے اسرائیلی قوم کو کثرت سے رشد و ہدایت فرمائی اور حضرت الیسع علیہ السلام کے وعدہ کے مطابق تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں۔اس لئے آپ کا لقب ذُوالکفل ہو گیا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بادشاہ آپ کا بہت معتقد تھا اور احترام کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ نے بڑے بڑے اسرائیلی علماء و صلحاء کو زنجیر بستہ کروا کر جیل بھیج دیا اور ان کے قتل کا حکم بھی دے دیا۔ یہ جان کر حضرت حذقیل علیہ السلام نے بادشاہ کو حکم دیا کہ انہیں میرے حوالہ کر دیا جائے۔میں خود مناسب فیصلہ کروں گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے تمام قیدیوں کو آپ کے سپرد کر دیا۔آپ نے تمام علماء و صلحاء کو آزاد فرما دیا۔یہ دیکھ کر تمام اسرائیلی آپ کو احتراماً ذُوالکِفل کہنے لگے۔

حضرت حذقیل علیہ السلام: اے قوم! تم پر جہاد فرض ہے۔خدا کے واسطے تم میرے ہمراہ نکلو اور جہاد کرو تا کہ لوگوں کو ہدایت ہو اور کفر و شرک کا خاتمہ ہو جائے۔(یہ سن کر اکثر اسرائیلی بول اُٹھے۔)

یَا نبی اللہ! آپ تو ہمیں جنگ میں لے جا کر موت کے منہ میں دینا
چاہتے ہیں اگر ہم جہاد میں گئے تو مارے جائیں گے۔ آپ ہمیں
جہاد سے معاف فرمائیں اور خود تشریف لے جائیں۔

حضرت حذقیل علیہ السلام : یا الٰہی! یہ لوگ موت سے ڈر کر جہاد کا انکار کرتے ہیں تو
ان پر موت مسلّط فرما۔ ربُّ العزت عزوجل نے ان پر مرضِ طاعون
بھیج دیا۔ جس سے تمام اسرائیلی ہلاک ہونے لگے اور کچھ وباء سے
ڈر کر بھاگ نکلے مگر عذابِ الٰہی نے انہیں وہاں جا کر ہلاک کر ڈالا۔
مفسرین کرام مرنے والوں کی تعداد اسّی ہزار بتاتے ہیں۔
میدان میں تمام مردے گل سڑ چکے ہیں۔ جب حذقیل علیہ السلام
تشریف لائے تو دیکھا کہ تمام مردے گلے سڑے پڑے ہیں۔
صرف ہڈیاں نظر آتی ہیں۔ آپ نے جب انہیں دیکھا تو رحم آ گیا۔
عرض کیا الٰہی! انہیں زندہ فرما دے۔ حضرت حذقیل علیہ السلام کی دعا
سے تمام مردے زندہ ہو گئے اور تمام اپنی اپنی جگہ پر آباد ہو گئے۔
ان سے اور ان کی تمام اولاد سے مُردار کی بدبو آیا کرتی تھی تاکہ
انہیں عبرت حاصل ہو۔

جو لوگ حیاتِ انبیاء و اولیاء کے منکر ہیں وہ اس سے ہدایت حاصل
کریں۔ جب نبی مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں تو انتقال کے بعد
نبیوں کی اپنی زندگی کتنی اَرفع و اعلیٰ، برتر و بالا ہو گی۔

بقولِ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ)

؎ تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے (حدائقِ بخشش)

معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء کی دعا سے مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ زندہ ہونے کے بعد بھی پوری طرح ہدایت نہ پا سکے۔ بلکہ رفتہ رفتہ بت پرست بن گئے۔ آخر حضرت حذقیل علیہ السلام انہیں چھوڑ کر شہر بابل میں آباد ہو گئے اور وہاں ہی وصال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (تاریخ الانبیاء)

حضرت جون رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت جون رضی اللہ عنہ: یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ! میرے تمام ساتھی جامِ شہادت پی کر جنت الفردوس کو سدھار چکے ہیں۔ میں حضور کا صبح ہی سے انتظار کرتا رہا کہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ مجھے بھی تاجِ شہادت سے نوازیں گے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا؟ کہ حضور نواسہ رسول رضی اللہ عنہ مجھے بھی اپنے مقدس قدموں پر قربان ہونے کا شرف عطا فرمائیں تاکہ میرا بھی شہداءِ کربلا کی فہرست میں نام درج ہو جائے۔

؎ در پہ کھڑا غلام بڑی دیر ہو گئی
آیا نہ میرا نام بڑی دیر ہو گئی

امام (رضی اللہ عنہ): اے جون رضی اللہ عنہ! یہ تو میں بھی خوب جانتا ہوں کہ تم معرکۂ کربلا میں لڑے بغیر نہیں رہ سکتے مگر تمہاری جدائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے ویسے بھی جب سے تم میرے گھر آئے ہو تمہیں کوئی خاص سکون نہیں مل سکا۔ اگرچہ تم ہمارے غلام ہو مگر میں تمہیں عزیزوں سے بھی بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر تم شہید ہو گئے تو تمہاری جدائی مجھے خون کے آنسو رُلائے گی۔ اس لئے تمہیں ابھی اجازت نہیں۔

جون رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ! میرا رنگ سیاہ ہے۔ میں حبشی غلام ہوں اور میرا خاندان بھی غیر معروف ہے۔ مگر ان تمام کمزوریوں کے باوجود میں اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کرتا ہوں کیونکہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے میری دست بستہ عرض ہے کہ مجھے اذنِ شہادت عطا فرما کر شہداءِ کربلا میں شامل فرمائیں۔ کیا حضور اس لئے گریز فرما رہے ہیں کہ اس ''کالے غلام'' کا خون کہیں ہاشمیوں کے خون میں شامل نہ ہو جائے؟

بد سہی چور سہی مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا
مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

یہ سن کر حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اسے سینے سے لگا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے جون رضی اللہ عنہ! اگر تم یہ خیال کرتے ہو تو جاؤ اپنا سر راہِ خدا میں کٹاؤ اور مجھے تم بھی خون کے آنسو رلاؤ۔ بس اتنا کرو کہ تم اپنے آقا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو آؤ۔ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں نے تو تمہیں اجازت دے دی۔ اب ان سے بھی اجازت لے آؤ۔

حضرت جون رضی اللہ عنہ: یَــا اِبْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ! میں حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا بہت ممنون اور احسان مند ہوں کہ حضور نے مجھے اذنِ جہاد عطا فرما کر تاجِ شہادت حاصل کرنے کا موقع نصیب فرمایا اور اپنے مقدس مجاہدوں میں شامل فرما لیا۔ میں ابھی اپنے آقا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوآتا ہوں۔ اب مجھے اُمید ہو گئی ہے کہ وہ بھی اجازت عطا فرما دیں گے۔

اچھا حضور! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ جب حضرت جون رضی اللہ عنہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ شدتِ بخار کی وجہ سے بے ہوش پڑے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت جون رضی اللہ عنہ نے جا کر امام رضی اللہ عنہ کے قدم دبانے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر بعد آپ نے آنکھیں کھولیں تو

دیکھا کہ حضرت جون رضی اللہ عنہ قدموں میں مسلح ہو کر بیٹھے ہیں اور وہ زار و قطار رو، رہے ہیں اور قدم دباتے ہوئے زبانِ حال سے گویا یوں عرض کر رہے ہیں۔

؎ تیرے قدموں میں آنا میرا کام تھا میری بگڑی بنانا تیرا کام ہے
میری آنکھوں کو ہے دید کی آرزو رُخ سے پردہ اُٹھانا تیرا کام ہے (نوائے ظہوری)

امام (رضی اللہ عنہ) اے جون! خیر تو ہے؟ روتے کیوں ہو؟ بابا جان تو خیریت سے ہیں؟ مجھے صاف صاف بتاؤ کیسے آئے ہو؟ اور اس رونے کا سبب کیا ہے؟ عرض کی۔

؎ کیا نذر کروں آقا کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جاں بھی تمہاری ہے

جون رضی اللہ عنہ: یا امام رضی اللہ عنہ! میں حضور امام عرشِ مقام نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ سے اجازت لے آیا ہوں۔ انہوں نے مجھے رَن (میدانِ کربلا) کی اجازت دے دی ہے۔ اب آپ سے اجازت حاصل کرنے آیا ہوں۔ اُمید ہے کہ حضور بھی میری گزارش کو قبول فرمائیں گے۔ حضور! کیا اجازت ہے؟

ع بر کریماں کارہا دُشوار نیست

امام (رضی اللہ عنہ) اے جون رضی اللہ عنہ! کس منہ سے کہوں کہ تم مرنے کو جاؤ اور مردود

کوفیوں سے اپنا سر کٹاؤ۔ تمہاری جاں نثاریاں اور وفاداریاں ہمیشہ یاد کرتا رہوں گا۔ تمہاری محبت مجھے ہمیشہ یاد آتی رہے گی اور دل کو تڑپاتی اور روح کو لرزاتی رہے گی۔ آہ تمہاری جدائی سے میرا دل گھبراتا ہے۔

آہ! بابا جان پر کیسا وقت آ گیا کہ غلام بھی امام کے قدموں پر فدا ہونے کو تیار ہیں اور میں بسترِ علالت پر لیٹا حسرت بھری نظروں سے تک رہا ہوں۔ اچھا جون رضی اللہ عنہ جاؤ اور راہِ خدا میں اپنا سر کٹا کر جنت الفردوس کو سدھارو، جون رضی اللہ عنہ امام سے اجازت حاصل کرتے ہی گھوڑے کو بجلی کی طرح دوڑاتے ہوئے میدان میں آ گئے۔

محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھا
جادۂ و مجاہد دمِ شمشیر کو سمجھا

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کنیز کو حکم دیا کہ مجھے دروازے کے پاس پہنچا دو تاکہ میں اپنے غلام کا معرکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ آپ پردہ اُٹھا کر معرکہ دیکھنے لگے، جون رضی اللہ عنہ کی جنگ کا یہ حال تھا کہ آپ جس صف پر بھی بھوکے شیر کی طرح حملہ کرتے تو سامنے سے کوفی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ جاتے۔ آپ نے تھوڑی ہی دیر میں بہت سے کوفیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

جس سمت یہ لڑتے گئے خالی وہ پڑا تھا
اور دور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

حضرت مظلومِ کربلا ''امام زین العابدین رضی اللہ عنہ'' اور تمام مجاہدین، حضرت جون رضی اللہ عنہ کا معرکہ دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور پے در پے فوجِ حسینی کے نعرے لگانے لگے۔

آخر دشمنوں نے چاروں طرف سے انہیں محاصرہ میں لے کر تیر باری شروع کردی۔ جس سے آپ رضی اللہ عنہ بہت زخمی ہوگئے۔ دمِ آخر پکارا یَامَولَایَ اَدْرِکْنِیْ۔ یعنی اے میرے آقا میری آ کر خبر لو۔ دیکھو تمہارا جون رضی اللہ عنہ خون میں نہا کر جنت کو سدھار رہا ہے۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور آ کر حضرت جون رضی اللہ عنہ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا۔

جب حضور امام رضی اللہ عنہ نے جون رضی اللہ عنہ کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر فرشِ زمیں پر رکھ لیا تین بار اسی طرح ہوا۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ: اے جون (رضی اللہ عنہ)! میں فرطِ محبت سے تمہارا سر زانو پر رکھتا ہوں مگر تم زمین پر رکھتے ہو۔ کیا تمہیں زانو پر سر رکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ بتاؤ تو سہی تمہیں کیا تکلیف ہے؟

جون (رضی اللہ عنہ): یا امام رضی اللہ عنہ! میرا سر اس قابل نہیں کہ حضور کے زانو پر رکھا جائے۔ مجھے فخر ہے کہ میرا سر وقتِ اجل زانوئے امام پر نہیں بلکہ امام کے قدموں میں ہو۔

؎ نجم کی اے خدا آرزو ہے یہی عاشق زار کی آبرو ہے یہی
آخری وقت سران کے قدموں پہ ہو دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

یہ سن کر امام رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے پھر فرطِ محبت سے جون (رضی اللہ عنہ) کو سینے سے لگا لیا اور رو، رو کر فرمایا۔

ہے کون رفیقوں میں بجز پاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

امام (رضی اللہ عنہ) : اے جون رضی اللہ عنہ! اگر کوئی تمنا ہو تو جاتے جاتے اپنے امام کو بتا دو! تاکہ میں اسے پورا کر سکوں۔

جون (رضی اللہ عنہ): یا امام رضی اللہ عنہ! میری اس کے سوا اور کیا تمنا ہو سکتی ہے کہ کل بروزِ حشر میرے سر پر حضور کا سایہ ہو۔ حضور! کل بروزِ حشر غلام کو فراموش نہ فرمانا۔ یہ کہہ کر آغوشِ امام میں وصال فرما گئے۔ (روضۃ الاحباب)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت لقمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے وزیر اور مشیر تھے۔ علاوہ ازیں آپ بہت بڑے حکیم بھی تھے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائیں۔ قرآن کریم میں وہ مذکور ہیں۔ اس سورۃ کا نام ہی سورۃ لقمان ہے۔ مختصر حال ملاحظہ فرمائیں۔

بیٹا: ابا جان! میں تجارت کیلئے باہر کسی ملک جانا چاہتا ہوں۔
کیا آپ مجھے اجازت مرحمت فرماتے ہیں؟ (یہ سن کر حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو یوں فرمایا۔

اے بیٹا! بڑی خوشی سے تجارت کیلئے جاؤ مگر سفر میں میری چند ہدایات یاد رکھنا۔ ربُّ العزت تمہیں مہلکات سے محفوظ رکھے گا۔ ان شاء اللہ

1۔ اے بیٹا! فلاں میدان میں ایک چشمہ اور ایک درخت نظر آئے گا تم وہاں مت ٹھہرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

2۔ اے بیٹا! ایک ضعیف العمر بزرگ اس درخت کے نیچے ملیں گے وہ جو کچھ فرمائیں ان کی پوری طرح فرمانبرداری کرنا۔

3۔ اے بیٹا! آگے ایک گاؤں آئے گا وہاں میرے بہت سے دوست رہتے ہیں وہ تمہاری بہت تعظیم و تکریم کریں گے اور ایک حسینہ عورت سے تمہاری شادی کرنا چاہیں گے مگر اس سے شادی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ان ہدایات کو بھول نہ جانا۔

4۔ اے بیٹا! آگے ایک گاؤں اور آئے گا۔ وہاں فلاں شخص سے مجھے اتنا قرض واپس لینا ہے۔ وہ لے لینا مگر وہاں پر رات کو مت ٹھہرنا۔

یہ ہدایات سن کر حضرت لقمان علیہ السلام کے فرزند دلبند نے سفر کا آغاز کیا۔

بزرگ: اے بیٹا! دوپہر کا وقت ہے دیکھو کتنی سخت گرمی پڑ رہی ہے اور لو چل رہی ہے۔ ذرا ٹھہرو۔ چشمہ کا ٹھنڈا پانی پیو اور درخت کے نیچے آرام کرو۔ دیکھو کتنی شاندار گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں ہے؟

لڑکا: بابا جی! میں لقمان زادہ (حضرت لقمان علیہ السلام کا بیٹا) ہوں۔ میرے والدِ ماجد خدا کے نبی اور بہت بڑے حکیم ہیں۔ انہوں نے مجھے یہاں ٹھہرنے سے روکا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک بزرگ تجھے ملیں گے ان کا حکم ماننا۔ میں یہاں درخت کے نیچے قیام تو نہ کرتا مگر جناب کے حکم کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ اس لیے ٹھہر جاتا ہوں۔ "اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ"۔

بزرگ: اے بیٹا! میں وہی بوڑھا ہوں جس کے بارے میں حکم فرمایا تھا۔ اچھا کوئی فکر نہ کرو۔ خوب ٹھنڈا پانی سیر ہو کر پیو اور سو جاؤ۔ لڑکے

نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور سو گیا۔ جب سو کر اُٹھا تو ایک سانپ مرا ہوا دیکھا۔

لڑکا: بڑے میاں! اوہو یہ تو بہت بڑا سانپ مرا پڑا ہے۔ یہ کہاں سے آ گیا اور اسے کس نے مارا؟ یہ قصہ کیا ہے؟

بزرگ: اے بیٹا! یہ ظالم اژدہا تمہیں کاٹنا چاہتا تھا۔ میں نے تمہیں جگانے کی کوشش نہ کی کیونکہ تم بہت دور سے سفر کر کے آئے ہو۔ میں نے خود اسے مار ڈالا۔ اگر میں یہاں پر موجود نہ ہوتا تو یہ تمہیں ضرور ڈستا اور مار ڈالتا۔

لڑکا: اچھا بابا جی! مجھے حسبِ وصیت فلاں بستی میں جانا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ یہ سن کر بڑے میاں بھی ہمراہ ہو گئے۔ وہاں لوگوں نے بہت تعظیم و تکریم کی اور ایک مالدار حسینہ کا رشتہ بھی پیش کیا۔ لڑکے نے اپنے والدِ ماجد کی ہدایت کے مطابق نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بڑے میاں نے کہا کوئی فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں نکاح کر لو۔ نکاح ہو گیا۔

دوست: اے دوست! سنا ہے کہ تم نے فلاں عورت، مالدار حسینہ سے نکاح کر لیا ہے۔ یہ عورت تو بہت ظالمہ ہے۔ آپ سے قبل اس نے نو خاوندوں کو مار ڈالا۔ تعجب یہ ہے کہ پہلی ہی رات خاوند کو مار ڈالتی ہے۔ یہ سن کر لڑکے نے فوراً جا کر بڑے میاں سے شکایت کی۔ بڑے

میاں نے جواب دیا کہ جب تم رات زوجہ سے ملو تو مجھے مطلع کرنا۔

زوجہ: اے شوہر! میں تمہاری خدمت میں حاضر ہوں تا کہ تمہاری کوئی خدمت انجام دے سکوں۔ کیا میری خدمات قبول ہیں؟

شوہر: اے بیگم! ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ فرما کر بڑے میاں کے پاس آیا کہ آج میری زوجہ مصاحبت کے ارادہ سے میرے پاس آئی ہے۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ سنا ہے کہ وہ پہلی رات ہی شوہر کو مار ڈالتی ہے اور خلوت خانہ سے شوہر کی لاش نکلتی ہے۔

بزرگ: اے بیٹا جاؤ اور ایک انگیٹھی میں تیز آگ بھر کر لاؤ۔ یہ سن کر وہ ایک انگیٹھی میں آگ بھر لایا۔ بڑے میاں نے اس اژدہا کا کٹا ہوا ٹکڑا ڈال دیا جو درخت کے نیچے مارا تھا۔ فرمایا جاؤ اپنی زوجہ سے کہو کہ پہلے اس آگ سے اپنی قُبُل کو سینکے (دھونی دے)۔ پھر مصاحبت کروں گا۔ لڑکے نے حکم کی تعمیل کی۔ جب زوجہ اپنی قُبُل کو سینک کر فارغ ہوئی تو لڑکا وہ انگیٹھی لے کر بڑے میاں کے پاس آیا اور عرض کیا جناب کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ اس بزرگ نے لڑکے کو دکھایا کہ اس انگیٹھی میں دو سانپ مرے پڑے ہیں۔

فرمایا یہی وہ سانپ ہیں جو اس کے شوہروں کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کے والد نے فرمایا تھا کہ فلاں حسینہ مالدار عورت سے نکاح مت کرنا ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اچھا اب جاؤ اور زوجہ کے حقوق پورے کرو۔ یہ سن کر لڑکا

گیا اور زوجہ کا حق ادا کیا مگر کوئی نقصان نہ ہوا۔ صبح بستی والوں نے حضرت لقمان علیہ السلام کے بیٹے کو سلامت دیکھا تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ پھر اس کے بعد اگلے گاؤں میں تشریف لے گئے۔ ساتھ یہ بزرگ بھی تھے۔

لڑکا: اے قرضدار! میں حضرت لقمان علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ ہمارا قرض ادا کر دیں۔

قرضدار: بھئی! اتنی جلدی کیا ہے؟ آج تم دونوں میرے مکان پر "مقدس مہمان" بن کر رہو۔ صبح حساب کر دیا جائے گا۔ لڑکے نے کہا کہ میں والدِ ماجد کی ہدایت کے مطابق یہاں رات نہیں گزار سکتا مگر بزرگ نے فرمایا بیٹا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی فکر نہ کرو۔ ہم رات یہاں ہی گزاریں گے۔

اس قرضدار نے نہر کے کنارے ایک خطرناک مکان تعمیر کروا رکھا تھا۔ وہ کسی بہانہ سے اس مکان میں لے جا کر قرض خواہ کو سُلا دیتا جب وہ سو جاتا تو نہر کا پانی اس میں چھوڑ کر اسے مار ڈالتا اور نعش کو دریا برد کر دیتا۔ قرضدار نے خوب مہمانوں کی خاطر تواضع کی۔ رات کو جا کر ان دونوں کو اسی مکان میں سلا دیا۔ بالا خانہ میں اس کے لڑکے سو رہے تھے۔

بڑے میاں نے رات کو اُٹھ کر قرضدار کے لڑکوں کو نیچے بھیج دیا۔ آپ لڑکے کو لے کر خود بالا خانے میں جا سوئے۔ آدھی رات کو حسبِ معمول قرضدار نے آ کر مکان میں پانی بھر دیا۔ اس کے لڑکے ڈوب کر مر گئے۔ وہ

''چاہ کنندہ راچاہ'' درپیش والا مقولہ اس پر صادق آیا۔

جب صبح قرضدار نے دیکھا تو اس کے تمام لڑکے مرے پڑے تھے۔ وہ رونے دھونے لگا اور آئندہ گناہ کرنے سے توبہ کر لی۔ صبح سارا حساب کر کے روپیہ ادا کر دیا۔ لڑکا اپنی بیوی اور تمام مال و دولت لے کر خیر و عافیت سے واپس گھر چلا گیا۔

بزرگ: اے لڑکے! سچ بتاؤ کیا میں نے تمہارے ساتھ احسانات ہی کیے یا کوئی زیادتی بھی کی؟

لڑکا: باباجی! میں تو آپ کے احسانات کا بدلہ تاعمر ادا نہیں کر سکتا۔

☆- آپ نے چشمہ پر مجھے اژدہا سے بچایا۔

☆- پھر آپ نے مجھے منکوحہ کے سانپوں سے محفوظ رکھا۔

☆- پھر آپ نے مجھے قرضدار سے بچایا اور اس سے قرض دلایا۔ یہ تمام مال و سامان آپ کی برکت ہی سے تو خداوند کریم نے عطا فرمایا۔ میں آپ کا بہت شاکر و ممنون اور احسان مند ہوں۔

بزرگ: اچھا! پھر آپ اپنے مال سے مجھے کچھ حصہ عطا فرمائیں۔ آخر میرا بھی تو کچھ حصہ بنتا ہے۔

لڑکا: یاحضرت! آپ خود اس تمام مال کے مالک ہیں جو چاہیں آپ رکھیں اور جو چاہیں مجھے عطا فرمائیں۔

بزرگ: اے بیٹا! میں آدمی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے تمہارا امین اور موکل

بن کر آیا ہوں۔ خدا نے آپ کے پاس مجھے اس لئے بھیجا کہ میں
حضرت لقمان علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق تمہاری حفاظت
کروں۔ اچھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ لڑکا اس فرشتہ سے
رخصت ہو کر گھر گیا اور اپنے تمام حالاتِ سفر حضرت لقمان علیہ السلام
کو سنائے۔
(خلاصۃ الانبیاء)

مل جائے اِذنِ عام بڑی دیر ہو گئی

تمام اعوان و انصار باری باری حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں یکے بعد دیگرے اجازت طلبی کیلئے آتے رہے اور اعداءِ دین کو واصلِ جہنم فرما کر جنت الفردوس کو سدھارتے رہے۔ جب تمام یار و مددگار اپنی اپنی صمصام خون آشام کے جوہر دکھا کر ہزاروں کوفیوں کو واصلِ جہنم فرما کر جامِ شہادت سے ممتاز ہو گئے تو حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اولادِ مسلم، اولادِ عقیل، اولادِ جعفر، اولادِ علی، اولادِ حسن اور اپنی اولاد کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا تو یہ تمام جوانانِ اہلِ بیت اذنِ امام رضی اللہ عنہ کے منتظر نظر آئے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسلم خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور یوں رو، رو کر عرض کیا۔

ے در پہ کھڑا غلام بڑی دیر ہو گئی
آیا نہ میرا نام بڑی دیر ہو گئی

حضرت عبداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت

عبداللہ رضی اللہ عنہ: امی جان! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ حضرت امیر المومنین
شیرِ خدا علی مرتضیٰ کی نورِ نظر لختِ جگر اور حضرت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ
کی ہمشیرہ ہیں۔ میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں۔ امی جان
میری درخواست کو قبول فرمانا۔

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا سہاگ لٹ گیا۔ میرے بابا جان حضرت
مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید کیے گئے اور میرے ننھے ننھے بھائیوں کو کوفہ
والوں نے نہایت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا۔ انہیں پانی تک نہ پلایا گیا۔
میرے جسم میں خون کھول رہا ہے۔ صبح سے ماموں جان کا منہ تک رہا ہوں۔
جب میری آنکھوں کے سامنے انصاری بہادر میدانِ کربلا میں لڑنے
جاتے ہیں تو میرے دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ دل سینے میں شوقِ شہادت کے نشہ
سے مخمور ہو کر اُچھلنے لگتا ہے اور قدم خود بخود میدانِ کارزار کی طرف شیرانہ صورت
سے اُٹھنے لگتے ہیں۔

نامعلوم ماموں جان مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ میری طرف تو وہ توجہ
تک نہیں فرماتے۔ ماموں جان خواہ کتنے بھی ناراض ہوں اب مجھے بھی ضد ہو گئی
کہ میں اب ان سے اذنِ جہاد لے کر ہی رہوں گا۔ میں تمہارے پاس پہلے اس
لئے آیا ہوں کہ آپ سے پہلے رخصت ہو لوں تاکہ ماموں جان بھی اجازت

مرحمت فرمادیں۔

ماں: اے عبداللہ! بیشک میرا سہاگ لٹ گیا۔ میں بیوہ ہوگئی۔ میرے ننھے ننھے بچوں کو کوفہ والوں نے بھوکے پیاسے شہید کر ڈالا اور ان کی لاشوں کو دریا بُرد کر دیا۔ جب ان کی یاد آتی ہے تو دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ ان کی ننھی ننھی نورانی صورتیں خون کے آنسو رلاتی ہیں۔ تم ہی اس بیوہ کا آخری سہارا ہو۔ تمہیں دیکھ کر مسلم اور بچوں کا غم مٹالیا کرتی تھی۔ اب تم بھی اجازت لینے آ گئے ہو۔

بیٹا! کیا کوئی ماں اپنے جوان بیٹے کو بھی مرنے کی اجازت دیا کرتی ہے؟ اے بیٹا! میں علی کی جائی اور عباس علمبردار رضی اللہ عنہ کی بہن ہوں۔ آگے بڑھو میں تمہاری پیشانی چوم لوں۔ میں تمہیں ایک بار سینے سے لگالوں۔ میں تمہاری زلفوں کو ایک بار پھر آراستہ کرلوں۔

بیٹا! حسین رضی اللہ عنہ تمہارے ماموں نہیں بلکہ آقا و مولیٰ ہیں۔ یہ فرزندِ مصطفیٰ، دلبندِ مرتضیٰ، جگر گوشۂ زہرا ہیں۔ جاؤ جا کر ان کے قدموں میں گرو بار بار چوموں اور بوسہ دو۔ شاید وہ مان جائیں اور تمہیں قبول فرمالیں۔ اگر میری یہ حقیری نذر قبول فرمالیں تو کل بروزِ حشر میں سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں گی۔

عبداللہ: ماموں جان! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! یہ دیکھو میرے دونوں ہاتھ بندھے ہیں اور میں حضور کے قدموں میں پڑا ہوں۔ آپ خدارا

مجھے بھی اجازتِ معرکہ عطا فرمائیں۔ ماموں جان آپ شاید مجھ سے ناراض ہیں، جو مجھے رَن کی اجازت عطا نہیں فرماتے۔ ماموں جان اب مجھے بھی ضد ہو گئی کہ میں اپنا سر اس وقت تک قدموں سے نہیں اُٹھاؤں گا جب تک آپ مجھے کوفیوں سے جہاد کرنے کی اجازت نہیں فرمائیں گے۔ (رو، رو کر) ماموں جان خدارا! اجازت دے دیں۔

امام: آہ۔ اے پیارے عبداللہ رضی اللہ عنہ! میرے دل سے تو ابھی تمہارے ابا جان مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا غم دور نہیں ہوا۔ جب ان کی یاد آتی ہے تو دل پر چھریاں چلتی ہیں اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ زبان سے ''آہ مُسلما'' کی صدا بلند ہونے لگتی ہے۔

جب مسلم رضی اللہ عنہ کے بچوں کی ہولناک شہادت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ تم اپنی پیاری ماں جو کہ بیوہ بھی ہے ان کا آخری سہارا ہو۔ جاؤ اپنی ماں اور بھائی کو لے کر کسی بستی میں سکون کی زندگی بسر کرو۔ اے بیٹا! تم میرے حال پر رحم فرماؤ۔ اب میرا دل تمہارا زخمِ شہادت اور جدائی برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ آخر میرے سینے میں بھی دل ہے۔ پتھر تو نہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ: ماموں جان! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا میں اتنا بزدل ہوں؟ کہ کوفیوں سے ڈر کر بھاگ جاؤں کیا میں اتنا کمزور دل ہوں کہ

حضور امامِ پاک رضی اللہ عنہ کو اعداءِ دین میں چھوڑ کر خود اپنی جان بچاؤں۔ ماموں جان یہ تو ایک جان ہے اگر بالفرض میری لاکھ جانیں ہوتیں تو خدا کی قسم آپ پر وہ بھی ایک ایک کر کے مسرّت سے ہنس ہنس کر قربان کر ڈالتا۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

میں اُس باپ کا بیٹا ہوں۔ جس نے تنِ تنہا کوفیوں، یزیدیوں سے لڑ کر کوفہ میں شہادت کا جام نوش کیا۔ میں ان بھائیوں کا غمگسار بھائی ہوں جنہوں نے حالتِ نماز میں اپنی محبوب قربانیاں دربارِ الٰہی میں پیش کیں۔ میں اس علی کی جائی کا بیٹا ہوں جس نے شہادتِ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ ماموں جان دیکھو میں دست بستہ عرض کر رہا ہوں۔ اب تو میں اجازت لے کر ہی رہوں گا۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ اور بار بار اجازتِ حرب لینے لگے۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے عبداللہ رضی اللہ عنہ ! اچھا اس قدر ضد نہ کرو۔ جہاں تمہارے بابا جان اور بھائیوں کا داغِ جدائی برداشت کرتا ہوں وہاں تمہارا غم بھی برداشت کر لوں گا۔ جاؤ اپنا سرِ فراز راہِ حق میں کٹاؤ اور فردوسِ اعلیٰ کو سدھارو۔ اجازت پاتے ہی آپ اپنے رہوار برق بار کو دوڑاتے ہوئے اور شمشیر خونخوار کو چمکاتے ہوئے اعداءِ دین کے

سامنے آ کر للکارا۔

اے کوفیو! اُو یزیدیو! میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا جایا عبداللہ (رضی اللہ عنہ) ہوں۔

اے شمر! اے عمرو! اگر تمہیں اپنی شجاعت پر ناز ہے تو میرے سامنے آؤ

اور کوئی فنِ حرب دکھاؤ۔ کس کی جرأت تھی کہ کوئی اس ہاشمی شیر کے سامنے آتا۔

لکھا ہے کہ آپ نے ایسا شاندار معرکہ فرمایا کہ کوفی فوج کے نامی گرامی افسر

تھوڑی ہی دیر میں ٹھکانے لگا دیئے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

جس سے ان تمام یزیدیوں اور کوفیوں کے دل دہل گئے اور ہراساں ہو

گئے۔ آن کی آن میں سینکڑوں کو ڈھیر کر دیا۔

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس گھر کا ہر اک بچہ
جسے دیکھو وہی شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

آپ اپنی تلوار برق بار سے کوفیوں کو بھیڑ بکری کی طرح چیر پھاڑ کر ڈھیر

کر رہے تھے کہ چاروں طرف سے دشمنوں نے محاصرہ کر کے تیر باری شروع کر

دی۔ ایک دشمن نے ایسا زور سے تیر مارا جو آپ کی پیشانی اقدس میں جا لگا۔ اس

تیر نے آپ کو بے چین کر دیا۔ زخموں سے جسم پہلے ہی نڈھال ہو چکا تھا۔ آخری وقت یوں پکارا۔ "یَا مَوْلَایَ اَدْرِکْنِیْ" اے مولا دیکھو تو سہی میں دشمنوں کے محاصرہ میں کیسے گھر گیا ہوں؟ آکر جلدی خبر لو! ابھی امام کوفیوں کو ہٹاتے اور بھگاتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے ہی تھے کہ آپ جاں بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○

جوان بیٹے کی لاش آغوشِ رحمت میں اُٹھا کر لاتے ہوئے رو، رو فرما رہے تھے شاباش بیٹا شاباش بیٹا! خوب معرکہ کیا۔ خوب دشمنوں کے چھکے چھڑائے۔ اچھا بیٹا خدا تمہیں جنتِ اعلیٰ عطا فرمائے۔ آمین

جب بہن نے اپنے عزیز بھائی کی لاش دیکھی تو بے ہوش ہو کر فرشِ زمیں پر گر پڑی۔ سیّدہ زینب، اُمِ کلثوم اور شہر بانو رضی اللہ عنہن لاش کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگیں۔ ماں بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئیں۔ جب ماں کو ہوش آیا تو شہید بیٹے کی پیشانی کو چومنے اور یوں دردو غم میں فرمانے لگیں۔

- ☆ آہ بیٹا! عبداللہ رضی اللہ عنہ! ماں تم پر قربان۔ تم نے باپ اور بھائیوں کو ملنے کی اس قدر جلدی کی کہ دکھیا ماں کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔
- ☆ آہ بیٹا! تم بیوہ ماں کا آخری سہارا تھے جو جدا ہو گئے۔
- ☆ اچھا بیٹا! تمہیں نانا جان اور بابا جان کے دربار میں جانا مبارک ہو۔ میرا آخری سلام عرض کرنا۔

☆ اے بیٹا! فاطمہ کا لال رضی اللہ عنہ دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ان پر قربان ہو کر نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بابا جان اور سیّدہ کو خوش کرنا۔ اس وقت یہی عین عبادت ہے۔ بہت اچھا ہوا جو تم اپنے امام کے قدموں پر نثار ہو گئے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ راضی ہوں۔

☆ آہ بیٹا! اگر تم قربان نہ ہوتے تو کل بروزِ حشر میں نانا جان، بابا جان اور سیّدہ کو کیا منہ دکھاتی؟ جب وہ پوچھتے کہ ہمارا نورِ نظر حسین رضی اللہ عنہ دشمنوں میں بھوکا پیاسا تین دن سے گھرا ہوا تھا اور تو اپنے عبداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کو چھاتی سے لگا کر بیٹھی رہی۔ بیٹا! تو نے ماں کے دودھ کا حق ادا کر دیا اور تو نے مجھے دین و دنیا میں سرخرو کر دیا۔

☆ آہ بیٹا! تیری اس قربانی نے مجھے ہر طرح سرخرو کر دیا اور تم خود بھی سرخرو ہو گئے۔ جوان بیٹے اسی مقصد کیلئے ہوا کرتے ہیں۔

☆ تیری ماں قربان ہو۔ تیری اس شہادت پر جو تو نے اپنے ماموں جان سے لڑ جھگڑ کر حاصل کی۔ (شہیدِ اعظم)

ابھی ماں اپنے شہید بیٹے کی پیشانی چوم کر شہادت پر انہیں مبارکباد دے کر اظہارِ مسرّت کے ترانے گا ہی رہی تھی کہ محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ آخری رخصت لینے کیلئے ماں کی خدمت میں آ حاضر ہوا اور رو، رو کر یوں عرض کرنے لگا۔

محمد بن مسلم (رضی اللہ عنہ)! امی جان! آپ اب تو صبر فرمالیں۔ مجھے اپنے مقدس ہاتھوں سے پیار دے کر اجازتِ معرکہ دیں۔ امی جان! آپ بھائی جان

کو اور مجھے اکٹھا ہی جی بھر کر رو لینا۔ آہ! امی جان ! اب بھائی جان کے بعد زندگی بے لطف ہو گئی۔ خدارا اب آپ مجھے بھی اجازت دیں پھر دیکھیں کہ میں بابا جان، اپنے ننھے ننھے بھائیوں اور بھائی جان عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دشمنوں سے کیسے بدلہ لیتا ہوں۔ انہیں ان کی بے وفائی اور بے حیائی کا کیسے مزہ چکھاتا اور چھٹی کا دودھ یاد کرواتا ہوں۔ امی جان اجازت دے دیں۔

ماں: اے بیٹا محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ! تمہیں معلوم ہی ہے کہ ابھی تم ننھے منے ہی تھے جب تمہاری والدہ فوت ہو گئی۔ میں نے تمہیں بڑے خلوص اور محبت سے پالا اور تمہیں تمہاری سگی والدہ کی یاد نہیں آنے دی۔ شاید تمہیں علم بھی نہ ہو کہ میری والدہ رقیہ بن حیدر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور تھی۔ بیٹا ابھی تو عبداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کے غم میں میری آنکھوں سے آنسو خشک نہیں ہونے پائے کہ تم تلوار لے کر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ مجھے صبر کی تلقین کرنے لگے اور خود نشۂ شہادت سے مخمور ہو کر اجازتِ معرکہ لینے آ گئے ہو۔

اچھا بیٹا جاؤ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تمہیں تصدق کرتی ہوں۔ یہ سن کر مسرت سے امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قدم بوس ہو کر طالبِ اجازت ہوئے۔

حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے جوان بھتیجے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا۔ تمہارا خدا حافظ وہ گھوڑے کو بجلی کی طرح دوڑاتے، چمکاتے ہوئے معرکہ میں آئے اور اپنی شجاعت کے

جوہر دکھائے۔ سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرما کر واصل باللہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ جوان بھتیجے کی لاش میدانِ کارزار سے اُٹھا کر لائے اور عبداللہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کے پاس ہی لٹا دیا۔ فرمایا بیٹا! جب حضور ﷺ اور بابا جان سے ملو تو ہمارا ابھی سلام عرض کرنا۔

ہوا برباد سارا مسلمِ مرحوم کا گلشن
ہوئے مرغانِ صحرا صرف آہ نالہ وَ شیون

☆ ابھی حضرت محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ کی لاش میدانِ کارزار سے آئی ہی تھی کہ امام برحق رضی اللہ عنہ اور تمام اہلِ بیت جوان بیٹے کے غم میں خون کے آنسو رو رہے تھے اور اشکوں سے اپنا منہ مبارک دھو رہے تھے کہ حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہ امام الہدیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ قدم بوس ہوئے اور عرض کیا۔ حضور اب تو میرے صبر کی انتہا ہو گئی۔ آخر میرا کیا قصور ہے؟ جو مجھے تاجِ شہادت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ خدارا آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں فردوسِ اعلیٰ میں پہنچ کر نانا جان اور بابا جان کی زیارت کروں۔ آپ تلوار چمکاتے ہوئے میدان میں آ گئے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے۔ حضور امام جوان بھائی کی میت میدان سے اُٹھا کر لائے اور شہداء کی لاشوں میں رکھ دی۔ ابھی جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہ کا جسمِ اطہر سامنے پڑا دلوں کو تڑپا اور روحوں کو لرزا رہا تھا کہ

حضرت عبدالرحمٰن بن جعفر رضی اللہ عنہ امام الاتقیاء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تلوار برق بار لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا امام المسلمین رضی اللہ عنہ! مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ جو مجھے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہونے سے منع کیا جا رہا ہے۔ امام سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اشارہ سے اجازت دے دی پھر فرمایا اچھا خدا حافظ! حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کوفیوں سے ایسا معرکہ فرمایا کہ ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرما کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝ حضور امام رضی اللہ عنہ جوان بھائی کی لاش اُٹھا کر لائے اور شہداء کی لاشوں میں رکھ دی۔

ابھی آپ لاش مبارک رکھ کر دعائے مغفرت سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عقیل اور حضرت موسیٰ بن عقیل رضی اللہ عنہم امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا امام المتقین! آپ کو کیا ہم سے کم محبت ہے؟ کیا آپ نہیں چاہتے؟ کہ ہم بھی بابا جان کے دربار میں پہنچ کر تین دن کی پیاس آبِ کوثر سے بجھائیں اور دشمنانِ دین کو دوزخ کا ایندھن بنائیں۔

حضور امام رضی اللہ عنہ نے دونوں بھائیوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا اے بھائیو! دو بھائیوں کا تو میں ابھی ابھی بارِ غم اُٹھا چکا ہوں اور ان کی چاند سی صورتوں کو خاک وخون میں بھرا ہوا دیکھ کر خون کے آنسو رو رہا ہوں۔ بھلا اب میں تمہیں اجازت دے کر کیسے نسلِ عقیل کا خاتمہ کروا دوں؟ میں خود دشمنوں کے

سامنے جا کر اپنا خشک گلا کٹاتا ہوں۔ تم مجھے خود ہی اجازتِ معرکہ دے دو۔

بھائی: یا امام عالی مقام! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ جب تک ہمارے جسموں میں آخری قطرۂ خون باقی ہے ہم آپ کو ہرگز ہرگز اجازت نہ دیں گے اگر انہوں نے ہمارے سامنے ہمارے امام کو ترچھی نگاہ سے دیکھا تو ہم دشمنوں کی خود آنکھیں نکال دیں گے۔ گلشنِ عقیل یہاں نہیں تو جنت میں ضرور پھلے پھولے گا۔ آخر حضور امام رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر میدان میں آئے۔ ایسا معرکہ کیا کہ دشمنوں کے کشتے کے پشتے لگا کر کوفیوں میں ابتری ڈال دی۔ جدھر بھی یہ دونوں بھائی رخ کرتے پرے کے پرے خالی کر ڈالتے اور کوفی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ جاتے ان دونوں نے ایسی بے مثال جنگ کی کہ فوجِ حسینی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور نعروں سے صدا بلند ہونے لگی۔ آخر یہ دونوں شہزادے سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرما کر شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

جب لاشے آئے تو خیموں میں ایک حشر برپا ہو گیا۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر سید زادیوں کو صبر کی تلقین اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ بقولِ شاعر

؎ تسلی دی خدا حافظ کہا اُن خستہ حالوں کو
سپرد اللہ کے فرما دیا اللہ والوں کو

حضرت جرجیس علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت جرجیس علیہ السلام ملک شام اور فلسطین میں مبعوث ہوئے۔ بادشاہ کا نام وادیانہ تھا اور وہ شدید قسم کا بت پرست تھا، جو شخص بت کو سجدہ نہ کرتا اسے نظر آتش کر ڈالتا۔ حضرت جرجیس علیہ السلام نے وادیانہ اور اس کی تمام قوم کو خدا کی وحدانیت کی تبلیغ اور بت پرستی سے منع فرمایا نتیجتاً بادشاہ اور اس کی تمام رعیت آپ کے خلاف ہوگئی اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔

حضرت جرجیس علیہ السلام: اے بادشاہ خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اسی کو سجدہ کرنا چاہیے۔ بت پرستی سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ ان کی پوجا (عبادت) کفر ہے۔

بادشاہ: جرجیس علیہ السلام! اگر تو خدا کا سچا نبی ہے تو خدا نے تجھے دولتِ دنیا سے کیوں محروم رکھا؟ دیکھو مجھے ہمارے خداؤں نے حکومت بھی دی اور ہر طرح کی دولت و نعمت سے مالا مال کر رکھا ہے۔

حضرت جرجیس علیہ السلام: اے بادشاہ! یہ تیری حکومت بھی فانی ہے۔ نعمت اور دولت بھی جبکہ ہماری دولت اور حکومت ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ

جنت ہے جو خدا مومنوں کو مرنے کے بعد عطا فرماتا ہے۔ یہ سن کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔

بادشاہ: اے جلّاد! دیکھو! یہ جرجیس علیہ السلام ہمارے خداؤں کی کس بے باکانہ طریقہ سے توہین کر رہا ہے اسے جلدی زنجیر بستہ کر کے میدان میں لے جا کر میخیں ٹھونک کر پھانسی لگا دو اور تمام جسم کو پتھروں سے اُڑا دو۔

جلّاد: اے جہاں پناہ! ہم نے آج ایک میدان میں ان کے جسم میں میخیں ٹھونک کر سولی دیا تھا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ تو اسی طرح کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے رہے اور اب بھی وہ شہر میں بدستور لوگوں میں وعظ فرماتے پھرتے ہیں۔

بادشاہ: اے جلّاد! اب ایسا کرو کہ ایک آتشکدہ تیار کرواور انہیں اس میں ڈال دو تا کہ وہ بالکل جل کر راکھ ہو جائیں۔

جلّاد: اے شہنشاہ! ہم نے ایک بہت بڑا آتشکدہ تیار کیا اور حضرت جرجیس علیہ السلام کو زنجیر بستہ کر کے اس میں ڈال دیا مگر ان پر وہ نار گلزار ہو گئی۔ وہاں بھی کلمۂ طیبہ پڑھتے رہے۔ پھر بادشاہ نے جلّاد کو حکم دیا کہ ایک بہت بڑی دیگ میں تیل اور گندھک ڈال کر اسے آگ پر رکھ دو جب گرم ہو جائے تو اس دیگ میں جرجیس علیہ السلام کو ڈال دو مگر بادشاہ کی یہ سکیم بھی بے کار ثابت ہوئی۔

بادشاہ: اے جلاد! سناؤ! کیا جرجیس جل بھن گیا؟ یا اب بھی وہ زندہ ہے۔
اب زندہ کہاں رہا ہوگا؟ جل بھن گیا ہوگا۔

جلاد: اے جہاں پناہ! ہم خود بھی تعجب میں ہیں کہ جرجیس علیہ السلام تو کوئی
جادوگر یا فرشتہ ہے۔ اگر یہ انسان ہوتا تو ضرور جل جاتا۔

ان پر سولی اور میخوں کا اثر ہوا نہ آگ کا اور نہ کوئی تیل اور گندھک کا۔ وہ
دیگ میں بھی کلمۂ طیبہ (ذکرِ خدا) پڑھتے رہے۔ جب دیگ کو چولہے پر رکھا تو وہ
چولہا ان کیلئے چشمۂ آبِ حیات بن گیا۔ ہم سب حیران رہ گئے۔

بادشاہ: بھئی! حیرانی کی کیا بات ہے؟ تمہیں معلوم ہی ہے کہ جادوگروں پر
بھی کوئی اثر ہوا کرتا ہے۔ اب تم اسے زنجیر بستہ کر کے اس کے
تمام جسم میں میخیں گاڑ، دو اور جیل میں کسی کوٹھری کے اندر زمین پر
ڈال دو۔ پھر سینہ پر بہت وزنی پتھر رکھ دو۔ خود بخود ہلاک ہو جائے
گا۔ یہ کام رازداری سے کرنا۔ کچھ لوگ ان کے معجزات کو دیکھ کر
ایمان لانے لگے ہیں۔

جلاد: اے شہنشاہ! ہم تو آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور کرتے
رہیں گے۔ آپ جا کر ملاحظہ فرمائیں کہ ہم نے بڑی سختی سے ان
کے تمام جسم میں میخیں گاڑ دی ہیں اور ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔
ایک بہت وزنی پتھر بھی جسم پر رکھ دیا ہے۔ خدا جانے وہ انسان
ہے یا فرشتہ جو ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ وہ کلمۂ طیبہ کا ذکر اس وقت

سے کرتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اچھا دیکھو ابھی تو پوری رات سر پر ہے۔ صبح معلوم ہوگا کہ کیا ہوتا ہے؟

ملائکہ: یَا نَبِیَّ اللّٰہ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ وَبَرَکَاتُہٗ اللہ تعالیٰ عزوجل آپ کو بہت بہت سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ تمام امتحانات آپ کے جو ہو رہے ہیں۔ ہماری طرف سے ہی ہیں آپ ان پر صابر و شاکر رہیں۔ صبح جا کر بادشاہ کو پھر توحید کا وعظ سنائیں اور اسے بت پرستی سے منع فرمائیں۔ حضرت جرجیس علیہ السلام صبح ہی اُٹھے اور بادشاہ اور اس کے وزراء اور امراء کو وعظ سنایا اور انہیں عذابِ آخرت سے ڈرایا۔ بادشاہ نے پھر جلادوں کو حکم دیا کہ جرجیس علیہ السلام کو آرے سے چیر ڈالو اور اس کے بعد لاش پر شیروں کو چھوڑ دو تا کہ وہ اسے کھا جائیں۔

جلاد باہر گئے اور جرجیس علیہ السلام کو آرے سے چیر ڈالا اور ان کے جسم اقدس پر شیروں کو چھوڑ دیا۔ شیر تمام رات خادمانہ طور پر پہرا دیتے رہے۔ ملائکہ تشریف لائے۔ خدا کا سلام ارشاد فرمایا۔ کھانا اور پانی حاضر کیا۔ آپ نے کھانا تناول اور پانی نوش فرمایا۔

فرشتوں نے عرض کیا خدا کا حکم ہے کہ کل بت پرست ایک بہت بڑا میلہ کر رہے ہیں۔ آپ صبح ہی وہاں پہنچ کر انہیں وعظ و کلام

سنائیں۔ آپ صبح اُٹھے اور میلہ میں جا کر مشرکوں کو وعظ فرمانے لگے اور انہیں خوب ہی ہدایت فرمائی۔ لوگوں نے آ کر قصہ بادشاہ کو سنایا کہ تم تو خیال کرتے ہوں گے کہ جرجیس پیغمبر علیہ السلام شہید ہو گئے ہوں گے۔ وہ تو صبح سے میلہ میں جگہ جگہ لوگوں کو وعظ سنا رہے ہیں اور بتوں کی خوب مذمت کر رہے ہیں۔

بادشاہ: اے وزیرو! اب تو کوئی طریقہ (حضرت) جرجیس علیہ السلام کو ختم کرنے کا باقی نہیں رہا۔ میرا خیال ہے اب تمام ملک کے جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ شاید وہ اسے جادو سے ختم کر ڈالیں۔ الغرض تمام ملک کے جادوگروں کو بلا کر ان کے کرتب (شعبدہ بازی) دیکھے گئے۔ جب یقین ہو گیا کہ یہ حضرت جرجیس علیہ السلام پر غالب آ جائیں گے تو استاد الساحرین (جادوگروں کے استاد) کے سامنے حضرت جرجیس علیہ السلام کو بلایا گیا۔ بادشاہ بولا۔

اے جرجیس علیہ السلام! میں اب پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک بہت بڑے نامی گرامی جادوگر ہو۔ ذرا ہمارے جادوگروں سے مقابلہ کر کے دیکھو۔ تمہارے سامنے استاد الساحرین کھڑے ہیں اور یہ تمام جادوگر اسی کے چیلے (شاگرد) ہیں جو بڑے لائق فائق ہیں۔

حضرت جرجیس علیہ السلام: اے بادشاہ! میں خدا کا برحق نبی ہوں تو جادوگری کا مجھ پر غلط الزام لگاتا ہے۔ توبہ کر اور خدا سے ڈر۔ اچھا بتاؤ سردار جی!

تم مجھ پر کیا جادو کرنا چاہتے ہو؟ جو کرنا ہے تم بھی اپنی زور آزمائی کر کے دیکھ لو۔

سردار: اے جرجیس علیہ السلام! لو یہ ایک پیالہ پانی کا پی لو۔ میں نے اس پر اپنا خطرناک منتر پڑھ دیا ہے۔ حضرت جرجیس علیہ السلام نے وہ پانی کا پیالہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر پی لیا اور فرمایا۔ سردار جی۔ یہ بڑا ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہو گیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ میں جرجیس علیہ السلام پر غالب نہیں آ سکتا۔ میرا جادو جرجیس علیہ السلام پر نہیں چل سکتا۔ وہ تمام چیلوں کو لے کر بادشاہ سے رخصت ہو گیا۔

؎ بہت نکلے میرے ارماں لیکن وہ بھی کم نکلے
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

بڑھیا: یا نبی اللہ! میں ایک نادار عورت ہوں۔ میرے پاس ایک گائے تھی۔ خدا کی شان وہ مر گئی۔ میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ خدا کے نبی ہیں خدا سے دعا کریں تاکہ میری گائے زندہ ہو جائے ورنہ میں فاقوں سے مر جاؤں گی۔

حضرت جرجیس علیہ السلام: آپا جی! یہ کون سی بڑی بات ہے؟ جو میرا خالق و مالک کُن کہہ کر تمام کائنات کو پیدا فرمانے والا ہے کیا وہ تیری گائے کو زندہ

نہیں فرما سکتا؟ لو یہ میری لاٹھی لے جاؤ اور اپنی گائے کے جسم پر لگا کر کہو قُـمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی (زندہ) ہو جا) وہ فوراً زندہ ہو جائے گی۔ بڑھیا نے ایسا ہی کیا۔ وہ گائے زندہ ہو کر دودھ دینے لگی۔ آپ کا یہ معجزہ بڑا مشہور ہو گیا۔ آہستہ آہستہ کئی ہزار اسرائیلی مسلمان ہو گئے اور روز بروز اسلام پھیلنے لگا۔

لوگ: اے جرجیس علیہ السلام! اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو آپ اپنی کرسی کے حق میں دعا کریں کہ اس سے چار پھل دار درخت پیدا ہوں۔ ان کو پھول اور پھل لگیں۔ ہم انہیں کھا کر ایمان لائیں گے۔ آپ نے دعا کی۔ اسی وقت کرسی سے چار درخت پیدا ہو گئے۔ پھول اور پھل لگے۔ یہ معجزہ دیکھ کر کافر کہنے لگے کہ اے جرجیس علیہ السلام تم تو بہت بڑے جادوگر ہو۔

کفار: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! ہمارے بہت سے بزرگ فوت ہو گئے۔ آپ قبرستان میں چل کر ہمارے حق میں دعا کریں تا کہ ہمارے آباؤ اجداد زندہ ہو جائیں۔ یہ سن کر حضرت جرجیس علیہ السلام ان کے قبرستان گئے۔ آپ کی دعا سے اسی دن بارہ ہزار مردے زندہ ہو گئے۔ آپ نے ایک شخص سے پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرا نام نوفل ہے۔ میں بت پرست تھا۔ مجھے قبر میں سخت قسم کا عذاب ہوتا رہا۔ میں چار ہزار سال کے بعد زندہ ہوا ہوں۔ آپ کے اس معجزہ

کا بھی اثر ہوا اور ہزاروں کافر مسلمان ہو گئے۔ پھر ایک بڑھیا نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! میرا لڑکا اندھا، بہرا، گونگا اور لنگڑا ہے۔ آپ دعا فرمائیں تاکہ وہ آپ کی دعا سے صحت یاب ہو جائے۔ آپ نے دعا کی وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

بڑھیا کے گھر میں ایک خشک تنا تھا وہ سرسبز درخت ہو گیا اور پھل دینے لگا۔ یہ معجزہ دیکھ کر دائرہ اسلام میں اور بھی وسعت ہونے لگی۔ خود بادشاہ کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی۔ جسے بادشاہ نے سولی دے دیا اور وہ شہید ہو کر جنت کو سدھاری۔ آخر حضرت جرجیس علیہ السلام نے کفار کے حق میں دعائے ہلاکت فرمائی۔ آسمان سے ایک غضب ناک آگ بجلی بن کر ان پر کڑکی۔ جس سے تمام مشرکین جل کر واصلِ جہنم ہو گئے تیس ہزار مسلمان زندہ رہے۔ (خلاصۃ الانبیاء)

ے پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرات عون و محمد رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب حضور بادشاہِ کونین، سُلطانِ دارین، امام الثقلین، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دشتِ کربلا میں تشریف لائے تو آپ نے آتے ہی فرما دیا تھا کہ یہی ہماری شہادت گاہ ہے۔ کیونکہ نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم اور بابا جان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) میدانِ کربلا میں شہید ہوں گے اور حضرت جرائیل علیہ السلام نے خاکِ کربلا بھی لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، جو حضرت اُمِ سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود

تھی کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے تو اس خاک کا رنگ سرخ ہو جائے گا۔ اور خون بن جائے گی۔ اس بنا پر تمام فرزندانِ رسول اور دخترانِ بتول کو معلوم تھا کہ حضور امام حسین رضی اللہ عنہ تمام اعوان و انصار اور ہاشمی فدا کاروں کی یہی آخری آرام گاہ ہے۔ دخترِ رسول، بنتِ بتول حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی۔ اس کی مثال ملنا تاریخ میں ناممکنات سے ہے اور حضور امام رضی اللہ عنہ کو اپنی پیاری بہن سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو اُلفت و محبت تھی۔ اس کی تمثیل بھی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو میدانِ کربلا میں آتے ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ وہی سرزمینِ کربلا ہے جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ سیّد الشہداء کے لقب سے ملقب ہوں گے۔ نیز امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے تمام شہداء کا خاکۂ شہادت بیان فرما دیا تھا کہ فلاں یہاں شہید ہو گا اور فلاں یہاں ذبح ہو گا۔ فلاں کی یہاں لاش تڑپے گی اور فلاں یہاں برچھی کھا کر گرے گا۔ فلاں یہاں بازو کٹائے گا۔ جیسا کہ حضور نبیِ غیب دان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ بدر میں نقشہ کھینچ کر نشانات لگائے تھے کہ فلاں کافر یہاں مرے گا فلاں کافر یہاں مرے گا وغیرہ وغیرہ۔

اوّل و آخر سب کچھ جانے دیکھے بعید و قریب
غیب کی خبریں دینے والا اللہ کا وہ حبیب
نبی جی اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

اسی بنا پر حضرتِ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا دم بدم اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کہ اب میرے ماں جائے کی خیر نہیں۔ جب میدانِ کربلا میں کوئی فوجی سردار اپنی فوج کو لے کر آتا تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فوراً حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا نام پوچھ لیتیں کہ بھیا عباس اب کون سردار آیا ہے؟ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرض کرتے کہ بہن اب شیث بن ربعی آیا ہے۔ اب سنان بن انس آیا ہے۔ اب عمرو بن سعد آیا ہے۔

جب سات محرم کو ایک سردار کی آمد ہوئی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ بھیا عباس رضی اللہ عنہ آج معلوم نہیں میرا دل بہت زیادہ گھبرا رہا ہے۔ پریشانی بڑھ رہی ہے اور مایوسی چھا رہی ہے۔ دل خود بخود بیٹھا جا رہا ہے۔ بھیا معلوم تو کرو یہ کون سردار آیا ہے؟ جس کی آمد پر میرا دل اس قدر گھبرا رہا ہے۔

یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس سردار کا نام شمر بن ذی الجوشن ہے۔ یہ سن کر آپ زار و قطار رونے اور فرمانے لگیں کہ بس اب میرے ماں جائے کی خیر نہیں۔

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ شمر کی آمد پر اتنی مایوسی کیوں؟ فرمایا میں نے اپنے نانا جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بابا جان علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ہمارے حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل شمر ملعون ہوگا۔

جب روزِ عاشور دونوں اطراف سے لڑنے کی تیاریاں ہونے لگیں

حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے دونوں بچوں کو جن کا نام عون اور محمد رضی اللہ عنہما تھا جو نو دس سال کی عمر کے تھے۔ انہیں بلا کر سمجھا دیا۔

اے پیارے بیٹو! تم اپنی ننھی ننھی عمروں کی طرف نہ دیکھنا بلکہ یہ دیکھنا کہ کس کے پوتے اور کس کے نواسے ہو؟ تم تمام شہزادوں سے پہلے اپنے ماموں جان کے قدموں پر قربان ہونے کی کوشش کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں دشمن کے لشکرِ جرّار کو دیکھ کر گھبرا جاؤ تم شہادت سے جی چراؤ اور عبداللہ، قاسم اور علی اکبر تم سے پہلے شہید ہو جائیں اگر ایسا ہوا تو میں شہزادوں کے سامنے نادم ہوں گی۔ نانا جان، بابا جان اور امّاں جان اور بھائی جان حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔

بچوں نے رو، رو کر عرض کیا۔ امی جان آپ کوئی فکر نہ کریں۔ ہم پوری طرح آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ تمام شہزادوں سے پہلے ہم ماموں جان کے قدموں پر نثار ہوں گے۔ اگرچہ ہم چھوٹے چھوٹے سپاہی ہیں مگر ایک مرتبہ تو فوجِ یزید میں حشر برپا کر دیں گے۔ ہزاروں کو دوزخ کا راستہ دکھا کر واصلِ باللہ ہوں گے۔

جب معرکۂ کربلا سے اعوان وانصار کی لاشیں آنے لگیں تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کنیز سے پوچھ لیتیں۔ اب کس کی لاش آئی ہے؟ کنیز جواب دیتی کہ اب حُر کی لاش آ گئی۔ اب بریر کی لاش آ گئی۔ اب حبیب کی لاش آ گئی۔ اب زہیر کی لاش آ گئی۔

جب حضرت عبداللہ بن عقیل کی لاش آئی تو آپ کا اضطراب بہت زیادہ بڑھ گیا اور یہ شک ہوا کہ شاید میرے بیٹے شہید ہونے سے جی چراتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ جب عون ومحمد ماموں جان کے سامنے آتے کہ اجازتِ حرب مل جائے تو آپ منہ پھیر لیتے اور ننھے ننھے بچوں کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شک کی بنا پر اپنے بیٹوں سے ناراض ہو کر یہ کہلوا بھیجا کہ اے بچو! اگر تم شہادت سے جی چراتے ہو اور ماموں جان کے قدموں پر قربان ہونے سے کتراتے ہو تو میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ میرے پاس مت آنا۔ جدھر تمہاری مرضی ہے چلے جانا رو کر یہ پیغام دیا۔

اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
بس ان سے یہ کہہ دو کہ وہ اب گھر میں نہ آئیں

کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں
مادر کی ملاقات سے اب ہاتھ اُٹھائیں

بس جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

☆ جب بچوں کو ماں کا پیغام ملا تو پتہ چلا کہ امی جان اس لئے خفا ہیں کہ ہم شہادت سے جی چراتے ہیں اور عمداً (جان بوجھ کر) کارِزار میں نہیں جاتے اور لشکرِ اعداء کو دیکھ کر گھبراتے ہیں۔ بچے تو پہلے سے ہی پروانہ وار

شمعِ حسینی رضی اللہ عنہ پر قربان ہو رہے تھے اور اجازت طلب کر رہے تھے مگر اس پیغام کے ملتے ہی اور بھی زیادہ گھبرا گئے کہ امی جان ہم سے اس لئے خفا ہیں کہ ہم شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنے سے ڈرتے ہیں۔ آخر عرض کیا۔

بچے: ماموں جان! اب تو ہمارے صبر و ضبط کی انتہا ہو گئی۔ دیکھو ہم دونوں تمہارے قدموں میں آ گرے۔ اب ہم اسی وقت اُٹھیں گے جب حضور فرمائیں گے کہ راہِ خدا میں جاؤ اور اپنا سرِ نیاز کٹاؤ۔ ماموں جان آپ ہمیں بھی تو بتائیں کہ ہمارا قصور کیا ہے؟ دوسروں کو تاجِ شہادت پہنایا جائے اور ہمیں محروم رکھا جائے۔ ماموں جان خدا کی قسم! اب ہمیں بھی ضد ہو گئی ہے کہ بغیر اجازت لئے آپ کے مقدس قدموں کو نہ چھوڑیں گے۔ اچھا ماموں جان آپ ہی فرمائیں کیا ہم نانا جان، دادا جان اور نانی جان کو منہ دکھانے کے قابل ہیں؟ کیا وہ نہ فرماتے ہوں گے! کہ مسلم اور عقیل کے جائے، زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹوں سے سبقت لے گئے۔ ماموں جان اجازت دے دو۔ اجازت دے دو۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے بچو! اچھا تم میرے قدموں سے سر تو اُٹھاؤ اور اپنی نورانی صورتیں تو دکھاؤ۔ بیٹا! حسین رضی اللہ عنہ کو رو، رو کر کیوں غمزدہ کرتے ہو؟

؎ فرماتے ہیں شبّیر کہ خیمہ میں تو جاؤ
قدموں سے اُٹھو سر میری چھاتی سے لگاؤ

یہ داغ بھی سہہ لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ
منظور جدائی ہے تو مادر سے مل آؤ

وہ کہتے ہیں منہ ان کو دکھائیں گے نہیں ہم
امّاں ہیں خفا خیمے میں جائیں گے نہیں ہم

کنیز: اے شہزادی! تمہارے بچے تو صبح سے ہی اجازت کے طالب تھے مگر حضور امام رضی اللہ عنہ خود ہی انہیں اجازت نہ دیتے تھے وہ دیکھو سامنے اب بھی امام کے قدموں میں گرے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ رہے ہیں۔ رو، رو کر اجازت مانگ رہے ہیں۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یقین آ گیا کہ بچوں کا قصور نہ تھا بلکہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ خود اجازت نہ دیتے تھے۔ جب اجازت مل گئی تو سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ مجھے ملے بغیر رَن میں نہ جائیں۔

کنیز: اے شہزادو! تمہیں تمہاری امی جان خیمہ میں بلا رہی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ انہیں کہو مجھے مل کر میدانِ کربلا میں جائیں۔

شہزادے: اے کنیز! امی جان کو ہمارا سلام کہنا۔ سنا ہے کہ وہ ہم سے ناراض

ہیں کہ جلدی جا کر اپنے گلے راہِ خدا میں کیوں نہیں کٹاتے؟ ہمیں بہت دیر کے بعد ماموں جان نے اجازت دی۔ شاید وہ ہم سے ناراض ہوں۔ خیر ہم چلتے ہیں اپنی امی جان کے خیمہ میں آئے اور رو، رو کر یوں عرض کیا۔

ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں لاچار تھے اماں

ماں نے انہیں روتے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے دیکھ کر محبت سے سینے سے لگالیا اور دونوں کی پیشانیوں کو چوم کر فرمایا۔ اے شہزادو! رونے کانپنے اور ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم تو صبح سے ہی طالبِ شہادت تھے اور اجازت کیلئے ماموں جان کے گرد گھومتے رہے تھے کہ کب اجازت ہو مگر تمہارے ماموں جان تمہیں خود اجازت نہ دیتے تھے۔ اچھا آؤ میں خود تمہیں اجازت دلاتی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

فرمایا پیار کر کے نہ کانپو یہ ماں نثار
راضی ہوں اب خفا نہیں تم سے میں دلفگار
سچ ہے تمہارا کیا بھلا اس میں ہے اختیار
دیکھو ابھی دلاتی ہوں میں اذنِ کارزار

ہاں! واری میں تم بھی اذنِ وفا پر اڑے رہو
ماموں کے آگے ہاتھوں کو جوڑے کھڑے رہو

سیّدہ: بھائی جان! آپ پر یہ دکھیا بہن دل و جان سے سو بار نثار۔ آپ نے تمام وفاداروں اور جاں نثاروں کی نذریں قبول فرمائیں۔ آپ میری بھی یہ حقیری نذر قبول فرما کر بہن کو شاد فرمائیں۔ دیکھو!! تمہارے سامنے تمہارے بھانجے کس طرح چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ کر اور زار و زار رو، رو کر اجازت طلب کرتے ہیں۔ کیا آپ اس پر خوش نہیں؟ کہ آپ ان ننھے ننھے مجاہدوں کو بھی تاجِ شہادت سے سرفراز فرما کر دکھیا بہن کو خدا کا شکر ادا کرنے کا موقع مرحمت فرمائیں تاکہ دکھیا بہن بھی نانا جان، بابا جان اور امی جان کو منہ دکھانے کے قابل ہو۔ آخر زینب رضی اللہ عنہا کا کوئی قصور ہو تو فرمائیں۔ کیا میرے بچے اس قابل نہیں کہ مسلم اور عقیل رضی اللہ عنہما کے جایوں کے ساتھ فردوسِ اعلیٰ میں جا کر نانا جان اور بابا جان کی زیارت کریں۔ بھیّا آپ خدا کیلئے انہیں ضرور اجازت دے دیں۔ آپ میرے بندھے ہاتھوں کی لاج رکھیں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے ماں جائی! میں کیسے ان بچوں کو اجازتِ حرب دوں؟ جب کہ ان پر جہادِ فرض نہیں۔ میں کیسے ان بچوں کو اجازت دے دوں کہ اے ننھے ننھے بچو! جاؤ اور جا کر دشمن سے گلے کٹاؤ؟

بہن میرے حال پر رحم کرو۔ میں نے امی جان کا جنازہ اُٹھتا دیکھا پھر بابا جان کا جنازہ اُٹھتا دیکھا۔ پھر بھائی جان کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں رکھا۔ ابھی ان کی یاد میں خون کے آنسو رو رہا تھا کہ آج یومِ عاشور میں نے جو نہ دیکھا تھا وہ بھی دیکھ لیا۔ بہن صبح سے لاشے ڈھوتے ڈھوتے یہ وقت آ گیا۔

دشمنوں نے نمازِ ظہر بھی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ حالتِ نماز میں بھی وہ ہم پر تیر باری اور خشت باری کرتے رہے۔ بہن جب تک حسین (رضی اللہ عنہ) زندہ ہے جنگ کا خاتمہ نہ ہوگا۔ مجھے آپ اجازت دیں تا کہ حسین رضی اللہ عنہ راہِ حق میں گلا کٹائے۔

بہن سینے میں دل ہے پتھر تو نہیں۔ بہن تجھے حسین (رضی اللہ عنہ) پر رحم نہیں آتا؟ کیا ماموں اس لئے دنیا میں آیا تھا کہ گلشنِ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایک ایک پھول، پتے اور کونپل کو آتشِ حرب میں جھونکے۔ بہن ابھی ان ننھی ننھی کونپلوں نے دیکھا ہی کیا ہے؟ آپ انہیں اجازت دیں تا کہ یہ اپنے گھر جائیں ان کے ابھی پھلنے پھولنے کے دن ہیں۔ ماموں کے پاس اس وقت موت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ یہ فرما کر زار و زار رونے لگے۔

سیّدہ: بھیّا مظلومِ کربلا رضی اللہ عنہ! میرے دل پر نمک پاشی نہ کرو۔ میرے دل اور کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو۔ کس کے بچے اور کیسے بچے؟ عون و محمد آپ کے بھانجے نہیں بلکہ آپ کے بے دام غلام ہیں۔

ان کا خون شہید ہو کر جب آپ کے دامن پر گرے گا تو میں منہ پر ملوں

گی۔ دل اور آنکھوں پر لگاؤں گی۔ جب ان کو آپ کے قدموں پر شہادت نصیب ہوگی تو میں اسے موت نہیں بلکہ حیاتِ ابدی سمجھوں گی۔

اگر بھیا یہ مرنے کیلئے خود تیار نہ ہوتے تو میں ان کی عمر بھر صورت نہ دیکھتی۔ بابا جان نے جو آخری وقت وصیت فرمائی تھی میں آج اس حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔ بھیا حسین آپ اجازت دیں تاکہ انہیں دولہا کی طرح آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کروں۔

یہ سن کر امام عالی مقام زار و زار، روتے ہوئے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے بچوں کو روتے ہوئے دیکھ کر فرمایا بیٹا آؤ میں تمہیں دولہا بناتی ہوں اور تمہارے جسموں پر خود ہتھیار سجاتی ہوں۔ یہ فرما کر دونوں بیٹوں کے سروں پر چھوٹے چھوٹے عمامے باندھے۔ پھر بیٹیوں سے ان کی کمریں کسیں اور چھوٹی چھوٹی زرہیں پہنائیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی تلواریں کمر پر لٹکائیں اور پیار سے دونوں کا منہ چوم کر اور دعائیں دے کر فرمایا۔

اے موت! انہیں خلد کے رستہ پہ لگا دے
کوثر کا بھی پانی میرے پیاسوں کو پلا دے

جنت کی انہیں آ کے تو اب راہ بتا دے
زینب کی مرادوں کے چراغ آ کے بجھا دے

دربارِ خدا میں انہیں جانا مبارک ہو
جیتے ہوئے پھر گھر میں نہ آنا مبارک ہو

حضرت سیّدہ نے دونوں بچوں کو ہتھیاروں سے آراستہ و پیراستہ فرما کر کنیز کو حکم دیا کہ اے کنیز! تو تھوڑی دیر کیلئے میرے ماں جائے حسین رضی اللہ عنہ کو بلا تا کہ میں ان دولہوں کو ان کی خدمت میں حاضر کر دوں کہ انہیں بھی عروسِ شہادت سے ہمکنار ہونے کا موقع مل جائے۔

کنیز: اے شہزادی! میں نے تمہارا پیغام حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہ تو پہلے ہی جانتے ہیں کہ شہزادی مجھے اس لئے یاد فرماتی ہیں۔ وہ سن کر خاموش ہو گئے اور زار و زار، رونے لگے۔ یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بابا جان رضی اللہ عنہ سے رو، رو کر یوں عرض کیا۔

تب رو کے یہ زینب نے کہا شاہِ نجف کو
اے شاہِ نجف آؤ غریبوں کی مدد کو

سر نذر کیا حُر نے بھی زہرا کے خلف کو
محتاج نواسے ہیں شہادت کے شرف کو

مقتل میں قضا لُوٹتی ہے سب کی کمائی
اب تک نہ ٹھکانے لگی زینب کی کمائی

شہزادے: امی جان! نا معلوم ماموں جان ہم سے کیوں ناراض ہیں؟ ہم صبح سے رو، رو اور ہاتھ جوڑ، جوڑ کر ماموں جان کو منا رہے ہیں مگر ابھی

تم بچے ہو فرما کر ٹال دیتے ہیں۔ اب وہ آپ کی سفارش بھی نہیں مانتے۔ جب آپ ماموں جان سے اجازت طلب فرماتی ہیں رونے لگ جاتے ہیں۔

امی جان! ہم سے تو اچھے اعوان وانصار اور ہاشمی مددگار ہیں جو تاجِ شہادت اوڑھ کر جنت میں جا بسے اور ہم دونوں بھائی ان کا رشکِ شہادت سے منہ تکتے رہ گئے۔ یہ کہہ کر بچے زار وزار رونے اور کانپنے لگے۔

شہزادی: اے بچو! رونے کی ضرورت نہیں۔ گھبراؤ نہیں تمہاری اماں تمہارے ماموں جان سے ضرور اجازت دلائیں گی۔ فکر مت کرو۔ میں تمہاری خواہش کی تکمیل کیلئے ابھی بھیا عباس رضی اللہ عنہ کو بلاتی ہوں۔ کنیز کو حکم دیا کہ عباس رضی اللہ عنہ سے کہنا۔

گھر میں نہ حسین آئے تو گھبراتی ہے زینب
گر تم نہیں آتے تو خود آتی ہے زینب

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اندر آئے تو دیکھا کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے دونوں بچوں کو ہتھیاروں سے سجا کر دولہا بنا رکھا ہے۔ جب سیّدہ نے عباس کو دیکھا تو فرطِ محبت سے فرمایا۔ دیکھو بھیا! یہ چھوٹے چھوٹے ہتھیار تمہارے جاں نثار بھانجوں کے جسموں پر کیا خوش نما نظر آتے ہیں اور یہ کس مسرت سے

ماموں جان کا انتظار کرتے ہیں۔ ہاں بھیّا! میرا ماں جایا کیا فرماتا ہے؟ کیا انہیں رَن (میدانِ کربلا) کی اجازت ہے؟

عبّاس: اے بہن! میں نے حضور امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ سے دست بستہ عرض کیا وہ فرماتے تھے کہ میں سات آٹھ سال کے بچوں کو کیسے موت کے منہ میں دھکیل دوں۔ بھلا یہ ان کے جہاد کرنے کی عمر ہے۔ ویسے بھی جہاد ان پر فرض نہیں۔ معلوم نہیں بچوں کے ساتھ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی کیوں ضد ہوگئی۔ یہ سن کر سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

؎ گو صدقہ کے قابل میرے دلبر نہیں بھائی
پر کیا کروں کچھ اور میسر نہیں بھائی

اچھا بھیّا عبّاس رضی اللہ عنہ آپ ایسا کریں۔ میرے ان دونوں شہزادوں کو لے جا کر ماں جائے کی خدمت میں میرا یہ ناچیز فدیہ پیش کر دیں اور عرض کرنا کہ نادار بہن کا بھی آپ خدارا فدیہ قبول فرمائیں۔

؎ گھر میں نہ قدم رنجہ کیا شاہِ زمن نے
بھجوایا ہے صدقہ تمہیں نادار بہن نے

عبّاس رضی اللہ عنہ: اے سیّدہ! اچھا میں ان دولہوں کو لے جا کر حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شاید وہ اجازتِ حرب دے دیں۔ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ انہیں لے کر خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور رو، رو کر عرض کیا اے آقا! شہزادیِ کونین کسی طرح بھی

نہیں مانتیں۔ حضور بغیر اذن (اجازت) دیئے کوئی چارہ کار معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت سیدہ نے اندر سے ہلکی سی آواز سے عرض کیا۔ ماں جائے حسین رضی اللہ عنہ! آپ ان غلاموں کو میدانِ کربلا میں جانے سے نہ روکنا ورنہ مجھے دخترِ رسول سے سخت ندامت ہوگی۔ بہن کی گزارش سن کر امام نے رو، رو کر بچوں سے فرمایا۔ اچھا بیٹا جاؤ اور راہِ حق میں اپنا سرِ نیاز کٹا کر نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو۔ یہ سن کر بچوں اور سیدہ کے چہروں پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور بچوں سے فرمایا۔

زینب نے کہا مل گئے لو خلعتِ وقار
مجرے کرو، دعائیں دو، صدقہ ہو بار بار

کہو اب تو سرفراز ہوئے تم پہ ماں نثار
دیکھوں میں کیسے کرتے ہو میداں میں کارزار

بولے پسر کریم کا افضال چاہیے
ماں کی دعا حضور کا اقبال چاہیے

دونوں شہزادے فرطِ محبت سے ماموں جان کے قدموں میں گر گئے۔ قدم بوس ہو کر گھوڑوں کو دوڑاتے اور بجلی کی طرح چمکاتے ہوئے دشمنوں کے سامنے آ کر رجز خواں ہوئے اور دشمن کے لشکرِ جرار پر ایسا پر زور حملہ کیا کہ دشمن

کے چھکے چھڑا دیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ جدھر رخ کرتے سامنے سے دشمن بھیڑ بکری کی طرح بھاگتے نظر آتے۔

بچے دشمنوں کو مارتے کاٹتے عمرو کے خیمہ تک جا پہنچے۔ یہ جھنجھلا کر بولا کہ اے انبوہ آہو تم اتنے بزدل ہو گئے ہو کہ دو بچوں نے تمہیں بھیڑ بکری کی طرح ہانک رکھا ہے۔ تُف ہے تمہاری بہادری پر، لعنت ہے تمہاری شجاعت پر۔ یہ سن کر تمام فوجِ یزیداں پر ٹوٹ پڑی۔ دشمنوں نے دور سے تیر باری شروع کر دی۔

جب یہ بھوکے شیر کی طرح کوفیوں پر حملہ کرتے تو سینکڑوں کو واصلِ جہنم فرما دیتے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ آخر یہ منظر دیکھ کر عمرو محوِ حیرت ہو گیا کہ خدا جانے یہ ننھے ننھے حسینی مجاہد انسان ہیں یا نورانی فرشتے جو امام کی نصرت کو میدانِ کربلا میں آئے ہیں۔ آگے ہو کر شہزادوں کو عرض کیا۔

عمرو: اے بچو! اب میں نے تمہیں خوب پہچان لیا کہ تم علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نواسے اور جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ کے پوتے، سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر امام حسین رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر ہو۔ مجھے تمہاری چاندسی صورتوں اور ننھی ننھی عمروں پر رحم آتا ہے۔ تم حسین رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہو۔ اگر تم حسین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ہماری پناہ میں آ جاؤ تو بخدا میں تمہیں ہمیشہ کیلئے پناہ دوں گا اور تم سے تمہارے ماموں سے زیادہ محبت کروں گا۔ تمہاری امی جان زینب سے زیادہ شفقت کروں گا اور تمہاری تعلیم و تربیت کا اپنے بچوں سے زیادہ

خیال رکھوں گا۔ عمر بھر سیم و زر کی تم پر بارش ہوا کرے گی۔ اگر یہ منظور ہے تو واپس خیمہ میں جاؤ اور اپنی امی جان سے کہو کہ ہمیں عمرو نے آزاد کر دیا۔ یہ کہہ کر مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ چلے جاؤ۔ ہم تمہارا کوئی تعاقب نہ کریں گے۔ میدان سے ہٹ جاؤ۔ ہمارے خونخوار بہادروں سے اپنی جانیں ضائع مت کراؤ۔ بچو! کیا خیال ہے؟

شہزادے: اے عمرو! مردود کیا تو ہمیں دنیا کی لالچ دے کر امام سے پھیرنا چاہتا ہے؟ تُف ہے تم پر اور تیری فوج پر۔ لعنت ہے تیری دولت اور حکومت پر۔ او ظالم! جب تجھے نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہا اور ان کی اہلِ بیت پر ہی رحم نہ آیا اور تو نے ان کیلئے پانی تک بند کر ڈالا۔ وہ تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں تو تجھے بھلا ہم پر کیا رحم آئے گا۔ ہم امام کے بھانجے نہیں بے دام غلام ہیں۔ ہم تیرے جیسے سینکڑوں بھیڑیوں کو ٹھکانے لگا کر امام کے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہیں۔

؎ اللہ کی ہے قہر و غضب حرب ہماری
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری

معبود کی طاعت کا سر انجام نہ ہوتا
ہم ہوتے نہ دنیا میں تو اسلام نہ ہوتا

عمرو: اے شمر! سنتے ہو۔ شہزادوں کے کلمات اور دیکھتے ہو ان کے جذبات اگر یہی حالت رہی تو اے شمر تیری خیر ہے نہ میری۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ پہلے ہی حملہ میں مجھ تک پہنچ گئے تھے۔ اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا تو مجھے بھی ان شیروں نے ٹھکانے لگا دیا ہوتا۔

شمر: اے جانباز یزیدی بہادرو! اے خونخوار کوفی نامورو! تُف ہے تمہاری بہادری پر۔ لعنت ہے تمہاری شجاعت پر۔ تم اتنے بزدل ہو گئے کہ ان ننھے منھے مجاہدوں سے ڈرتے ہو جو خود تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں، جو ٹوٹی پھوٹی تلواریں لے کر لڑ رہے ہیں۔

تمام فوج ایک ہی بار ان پر حملہ کر کے انہیں جنت کا راستہ بتا دے۔

شاباش بہادرو آگے بڑھو ! آگے بڑھو! شمر مردود کا حکم سنتے ہی تمام فوج شہزادوں پر ٹوٹ پڑی مگر یہ شیر دل شہزادے بھی دل کھول کر مقابلہ فرماتے رہے۔ آخر تیروں اور تلواروں کے زخموں سے نڈھال ہو کر زینب کے لال گھوڑوں سے زمین پر آ گئے۔ یہ منظر دیکھتے ہی حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضور وہ دیکھو دونوں شہزادے دشمنوں نے گھوڑوں سے گرا دیئے ہیں۔

؎ حضرت سے عرض کی علی اکبر نے دوڑ کر
قربان ہو گئے حضور پھوپھی جان کے پسر

رنگ اُڑ گیا حسین کا سنتے ہی یہ خبر
فرمایا ہائے لٹ گیا بے کس بہن کا گھر

ہم رہ گئے بڑھاپے میں آنسو بہانے کو
میدانِ کارزار سے لاشے اُٹھانے کو

حضرت سیدہ زینب، حضرت شہر بانو اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہن خیموں کے دروازوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں اور ان کی شجاعت پر مرحبا فرما رہی تھیں۔ جب یہ شہزادے زغۂ اعداء میں گھر گئے تو تمام شہزادیوں پر درد و غم اور رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ دلوں پر مصیبت کے آرے چلنے لگے۔ سینے داغِ جدائی سے پاش پاش ہونے لگے۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں نثار ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

؎ حسرت تھی کہ بیٹے ہوں میرے شاہ پہ صدقے
صدقے ہوئے وہ آج میں اللہ پہ صدقے

حضرت امامِ بیکساں رضی اللہ عنہ نے علی اکبر اور عباس کو ہمراہ لیا اور جا کر دیکھا کہ بھانجوں کے جسم زخموں سے چور چور ہیں اور دونوں پر غشی طاری ہے۔ بچوں کو

اُٹھا کر سینے سے لگایا اور پیشانیوں کو چوما۔ جب شہزادوں کو خیمہ میں لایا گیا تو درِ خیمہ پر حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور تمام شہزادیاں بے چینی سے انتظار فرما رہی تھیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر شہزادوں کی پیشانیوں کو چوما۔ شہزادوں نے آنکھیں کھولیں اور عرض کیا امی جان خدا کی قسم ! ہم نے تمہاری وصیت پر پورا پورا عمل کیا اور اپنے ماموں جان کی محبت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ ہم نے جہادِ فِی سَبِیلِ اللہ میں کوتاہی نہیں کی۔ امی جان اب تو آپ خوش ہیں۔

یہ سن کر حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرطِ محبت سے دونوں کے منہ چوم لئے اور فرمایا۔ میرے بیٹو ! میں تم سے بہت خوش ہوں میرا خدا بھی تم سے خوش ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تم سے خوش ہیں۔

شہزادے: امی جان ! اب ہم سے بولا نہیں جاتا۔ اب آپ ہمارے حال پر اتنا رحم فرمائیں کہ ہمارے سر ماموں جان کے قدموں پر رکھ دیں۔ بس آخری یہی آرزو ہے کہ ہمارے سر ہوں اور ان کے قدم ہوں۔ سامنے ان کا روئے انور ہو۔

؎ رکھ دیجئے سروں کو قدم شاہ اُمم پر
حسرت ہے کہ دم نکلے تو ماموں کے قدم پر

؎ نجم کی اے خدا آرزو ہے یہی عاشقِ زار کی آبرو ہے یہی
آخری وقت سر ان کے قدموں پہ ہو دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

جب دونوں شہزادوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ سر ماموں جان کے قدموں پر ہیں تو دونوں کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ حضرت عون نے حضرت محمد یعنی اپنے چھوٹے بھائی کو کہا بھیا آنکھ کھول کر تو دیکھ ہمارے سر ماموں جان کے قدموں پر ہیں۔ دونوں نے ماموں جان کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ (معرکۂ کربلا)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o

حضور امام نے بھی دونوں کو حسرت بھری نگاہوں سے جان قربان کرتے ہوئے دیکھ کر زار و زار، رو، کر فرمایا۔ اے ماموں کے پیارو! سیّدہ کے دلارو! علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کے تارو! تم نے بستر پر مرنا گوارا نہیں کیا اور میری بے کسی تم سے دیکھی نہ گئی۔ مجھ سے پہلے ہی جا کر میری آمد کی خبر نانا جان، بابا جان اور امی جان کو فردوسِ اعلیٰ میں پہنچا دی۔

امام: اے زینب رضی اللہ عنہا! تیرا ارمان پورا ہو گیا۔ تیرے بچے جن کی شادی کا تجھے شوق تھا وہ دولہا بن کر تیرے سامنے آ گئے۔ اچھا زینب رضی اللہ عنہا! بتاؤ تو سہی میرے دل پر بھلا کیا گزری ہو گی کہ جن ہاتھوں نے ان بچوں کو پال کر اتنا کیا۔ انہی ہاتھوں سے اپنے بچوں کی لاشیں اُٹھا کر خیامِ اہلِ بیت میں لے آیا ہوں۔

بہن تیرے بچے، بچے نہیں بلکہ جوان تھے۔ ان کی شجاعت کو دیکھ کر عمرو اور شمر عش عش کر رہے تھے۔

میں قربان جاؤں ان بچوں کی محبت پر جنہوں نے وقتِ جہاد فرمایا کہ ہم
امام کے بھانجے نہیں بلکہ بے دام غلام ہیں۔
میں نثار جاؤں ان پر اوران کے پیارے کلمات پر کہ دشمنوں سے کہا کہ
ہماری امّاں امام کی بہن نہیں بلکہ کنیز ہے۔
ہم میدانِ کربلا میں حقِ غلامی ادا کرنے آئے ہیں۔ میرے پیارے بچو!
تم میرے غلام نہیں دل کے ٹکڑے اور جگر کے پارے ہو۔
اے بچو! تمہارا اماموں تمہارا حقِ مہمانی ادا نہ کرسکا۔ تم نے ماں کے دودھ
کا حق میدانِ کربلا میں آ کر ادا کر دیا۔
تمہارے احسان کو میرے نانا کی اُمت قیامت تک یاد کر کے آنسو
بہائے گی اور تمہاری خدمت میں ہدیۂ شکر ادا کرتی رہے گی۔
بہن اب تو ان بچوں کو عروسی جوڑا پہنا کر ان کی بارات تیار کرتا کہ یہ
عروسِ فردوس سے ہمکنار ہوں۔
بہن اپنے پیارے بھیا کی دردانگیز تقریر سن کر زار وزار، رو، رہی تھی۔
آخر یہ عرض کیا بھیا تم ذرا خیمہ سے باہر تشریف لے جاؤ۔ میں اپنے ننھے
ننھے مجاہدوں سے باتیں کرلوں۔
انہیں دودھ بخش دوں۔
ان سے کہا سنا بخشوالوں۔

انہیں تاکید کر دوں کہ ماں نے تمہیں جس ترش روئی سے میدانِ کارزار میں بھیجا تھا۔ اس کی شکایت تم نانا جان اور نانی جان سے نہ کرنا۔ یہ سن کر امامِ دو جہاں باہر تشریف لے گئے اور سیّدہ نے بچوں سے یوں کلام کرنا شروع کیا۔

زینب: اے بچو! تمہارا قاتل عمرو نہیں تمہاری ماں ہے۔ جس نے خود تمہیں
دولہا کی طرح آراستہ کر کے شہادت کیلئے عمرو اور شمر کے سامنے پیش
کر دیا۔

بیٹا علی اکبر جلدی جاؤ۔ عمرو کو میری طرف سے مبارکباد دے دو۔
جن کو کبھی زنیب نے پھول کی چھڑی نہیں لگائی۔ آج تو نے انہیں خون
میں ڈبو دیا اور تیری دلی مراد پوری ہو گئی۔
جن کو اپنے پہلو میں لٹا کر لوریاں دیا کرتی تھی اور قربان شوم قربان شوم
(میں قربان جاؤں میں قربان جاؤں) کہہ کر دل بہلایا کرتی تھی۔
آج ان کی لاشیں میرے سامنے پڑی ہیں۔
اے بچو! میں نے تمہیں اس وقت گھر سے نکالا جب بھوک پیاس نے
جان پر بنا رکھی تھی اور اَلعَطَش اَلعَطَش کی خیموں میں صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔
بچو! سنگدل ماں کا قصور معاف کرنا۔ تم نانا جان اور نانی جان کے دربار
میں میری شکایت نہ کرنا۔
اے بچو! تم نے عمرو کو بتا دیا کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے نواسے اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ
کے پوتے تین دن کے بھوکے پیاسے رہ کر بھی دشمن سے معرکہ کر سکتے ہیں اور

سینکڑوں بہادروں کو مار سکتے ہیں۔

تم نے اپنی ماں کو دونوں جہاں میں سرخرو کر دیا۔

اچھا بیٹا علی اکبر بھیا حسین رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ میرے نازنین شہیدوں کو بھی شہداء کی صف میں لے جا کر شامل فرمادیں۔

امام آئے اور، زار و زار، روتے ہوئے بھانجوں کی لاشیں اُٹھا کر لے گئے اور رو۔رو کر یوں عرض کرنے لگے۔

افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی
میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی

مجروحوں کو ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی
پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی

موت آئے کہ اب داغوں سے دل بھر گیا واللہ
تم دونوں نہیں مر گئے میں مر گیا واللہ

مقامِ حسین رضی اللہ عنہ

ہے عقل و فکر سے بالا ترین مقامِ حسین
ہر اک کے دل میں ہیں جلوہ نما امامِ حسین

سنایا نیزے پہ چڑھ کر کے آپ نے قرآں
رہے گا حشر تلک یاد، یہ پیامِ حسین

ہمارے دل کو اسی سے سکون ہوتا ہے
جبھی تو لیتے ہیں ہر وقت ہم یہ نامِ حسین

خدا نے اس کو جہاں میں بلند فرمایا
کیا ہے جس نے دل وجاں سے احترامِ حسین

وہیں جبینِ عقیدت ہماری جھکتی ہے
جہاں پہ نقشِ قدم ہو تیرا امامِ حسین

خدا نے اُس کو جہاں میں بنا دیا آقا
غلام آپ کا جو ہو گیا امامِ حسین

چھپا لو دامنِ اقدس میں اپنے ہمدم کو
یہی ہے عرض خدارا میری امامِ حسین

حضرت شمعون علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت شمعون: جناب عزیر علیہ السلام کے جانشین تھے۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام
کی اولاد سے تھے۔ آپ چار مہینے خدا کی عبادت کرتے اور چار
مہینے تبلیغ فرماتے اور چار مہینے غرباء ومساکین کو کھانے کھلاتے اور
طرح طرح کی سخاوت فرماتے۔ آپ کے شہر کا نام عموریہ تھا، جو
برسرِ دریائے روم واقع تھا۔

وہاں کے بادشاہ کا نام غوطہ تھا۔ یہ بادشاہ بہت بڑا بت پرست تھا۔ اپنی
رعیت کو بت پرستی کی تعلیم دیتا، جو بتوں کو سجدہ نہ کرتا۔ اسے سخت سزا دیا کرتا تھا۔
حضرت شمعون علیہ السلام نے اسے ہدایت فرمائی تو وہ آپ کا سخت دشمن ہو گیا۔

حضرت شمعون علیہ السلام بہت طاقتور اور بہادر تھے۔ ایک ہزار دشمنوں کو
آپ قتل فرما دیا کرتے تھے۔ جب بھی آپ کا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہوا، آپ
نے ہزار سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ آخر بادشاہ نے اپنے وزراء اور امراء کو جمع کر کے
خطاب کیا۔

بادشاہ: اے وزیرو! اب کیا کرنا چاہیے؟ فوجی طاقت سے تو ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب بھی شمعون علیہ السلام دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ ہزار سپاہیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ تمام فوج شکست کھا جاتی ہے۔ ان کے شہید کرنے کا کوئی اور طریقہ سوچنا چاہیے۔

وزیر: اے جہاں پناہ! میرا خیال یہ ہے کہ شمعون علیہ السلام کی بیوی کو دام تزویر (بہت زیادہ لالچ) میں لے کر اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

بی بی: اے شخص! تو کس کام کیلئے آیا ہے؟ میں ایک عابدہ زاہدہ بی بی ہوں اور ایک پیغمبر کی زوجہ ہوں۔

وزیر: اے بی بی! میں نے سنا ہے کہ حضرت شمعون علیہ السلام ہمیشہ عبادات، خیرات وصدقات اور جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ تمہاری طرف توجہ نہیں فرماتے۔ آخرکار زوجہ کے حقوق کا ادا کرنا بھی تو ضروری ہے۔ مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ اگر تم انہیں شہید کر ڈالو تو بادشاہ تم سے شادی کر لے گا اور تم تمام حکومت کی ملکہ کہلایا کرو گی۔

آپ ایسا کریں جب رات کو شمعون سو جائے تو ایک رسّے سے ہاتھ پیر باندھ دیں۔ پھر ہمیں اطلاع کر دیں۔ ہم آ کر اسے شہید کر ڈالیں گے اور تمہارا نکاح بادشاہ سے اسی روز کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ کی بیوی دام (فریب) میں آ گئی۔

شمعون: اے بیوی! یہ تو نے میرے ہاتھ پیر رسے سے کیوں باندھ دیئے؟ میں تو ہزار کافروں کو ایک حملہ میں قتل کر ڈالتا ہوں۔ یہ رسہ میرے سامنے کیا ہے؟ آپ نے فوراً ایک جھٹکا دیا اور توڑ ڈالا۔ بیوی نے کہا میں صرف طاقت کا امتحان لے رہی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد کافروں نے زنجیر لا کر دی۔ اس سے زنجیر بستہ کر دیا مگر وہ بھی آپ نے توڑ ڈالی۔ پھر چند دنوں کے بعد آپ کے ہاتھوں کو سر کے بالوں سے باندھ دیا اور فوج کو اطلاع دے دی۔ فوج نے آ کر آپ کے ہاتھ پیر اور ناک، کان، کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال دیں۔

بادشاہ: اے سپاہیو! تم نے بہت اچھا کیا جوان کو پکڑ لائے ہو۔ اچھا انہیں اٹھا کر ہمارے شاہی محل میں لے جا کر دریا میں ڈال دو۔ اس میں گر کر شہید ہو جائیں گے۔ جب آپ کو دریا میں ڈالا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً آپ کو آغوش میں لے لیا اور آپ کے تمام اعضاء درست ہو گئے۔

پھر آپ نے کافروں کے حق میں دعائے ہلاکت فرمائی۔ جس سے تمام کافروں کے مکانات مُنہدم ہو گئے اور تمام کافر ہلاک ہو گئے۔ پھر آپ نے زوجہ کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ اے شمعون علیہ السلام! ”عورت ناقص العقل اور ناقص الدین ہوا کرتی ہے“۔ (حدیث نبوی) اسے معاف کر دو۔ پھر آپ نے اسے معاف کر دیا۔ (خلاصۃ الانبیاء)

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امام عرش مقام ابھی بھانجوں کی شہادت کے غم میں خونی اشک بہا ہی رہے تھے اور دختران رسول عون و محمد رضی اللہ عنہما کے فراق میں سب بے تاب نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہی تھیں۔ پے در پے غشیاں پڑ رہی تھیں کہ حضرت امام قاسم بن امام حسن رضی اللہ عنہما بھوکے شیر کی طرح دوڑتے اور روتے دھوتے خدمتِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ میں آ حاضر ہوئے اور یوں رو، رو کر عرض کرنے لگے۔

قاسم: چچا جان! میں صبح سے بے تابانہ طور پر آپ کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجھ پر کب نظرِ رحمت فرماتے ہیں اور اپنی کریمانہ شفقتوں سے نوازتے ہیں؟ صبح سے اَعْوان واَنْصار دلہنوں کی طرح آراستہ ہو کر لباسِ عروسی پہن کر میدانِ کارِزار میں جاتے ہیں۔ تاجِ شہادت پہن کر عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو کر دادِ شجاعت لے کر سینکڑوں یزیدیوں کو واصلِ جہنم فرما کر فردوسِ اعلیٰ کو مسکراتے ہوئے تشریف لے جا رہے ہیں۔

میرا خیال تھا کہ حُر کے بعد یا زہیر وحبیب کے بعد میری جہاد کیلئے باری آجائے گی۔ مگر ان کے بعد بھی میری باری جہاد کیلئے نہ آئی اور میری شہادت کی تمنا پوری نہ ہوئی۔ حضور امام پاک رضی اللہ عنہ نے میری طرف کوئی اِلتفات تک نہ فرمایا۔ پھر میرے محترم چچوں اور عزیزوں کا نمبر آ گیا۔ پھر خیال ہوا شاید میرا نمبر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کے بعد آ جائے گا۔ مگر پھر بھی تمنائے

جہاد پوری نہ ہوئی۔

غرضیکہ ننھے ننھے عون و محمد رضی اللہ عنہما مجاہدوں کو حضور نے تاجِ شہادت سے نوازا۔ میں ان کا بھی منہ تکتا رہ گیا۔ حضور نے مجھے تمام اعوان و انصار اور اعزاء و اقرباء کے سامنے شرمندہ کرایا۔ کیا نانا جان، نانی جان اور ابا جان نہ پوچھتے ہوں گے کہ قاسم کیوں پیچھے رہ گیا؟

مجھ سے تو ہزار درجہ بھیا عون و محمد رضی اللہ عنہما ہی اچھے رہے جو تاجِ شہادت سر پر رکھ کر اور مرکبِ شجاعت پر سوار ہو کر نانا جان اور دادا جان کے ہاتھوں سے آبِ کوثر کے چھلکتے ہوئے جام پی رہے ہیں اور فردوسِ اعلیٰ کی سیر فرما رہے ہیں۔

آخر چچا جان میرا کیا قصور ہے؟ جو مجھے تاجِ شہادت سے محروم رکھا گیا۔ کیا میں حضور کو اعوان و عزیزان سے کم محبوب ہوں؟ بس اب میرے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اب میں اذنِ جہاد ضرور لے کر ہی رہوں گا۔ خدارا چچا جان آپ خدا اور رسول کیلئے مجھے ضرور اجازت مرحمت فرمائیں۔

؎ بر کریماں کا رہا دشوار نیست

یعنی: سخی بزرگوں کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔

امام: اے نورِ نظر، لختِ جگر! صبح سے خونی منظر دیکھتے دیکھتے، اعوان و انصار، بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے یہ وقت آ گیا۔ بیٹا قاسم! تم نورِ نظرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دلبندِ مرتضیٰ جگر

گوشۂ زہرا اور شاہِ زمن امام حسن رضی اللہ عنہ کی نشانی ہو۔ میں تمہیں دیکھ کر بھیا امام حسن کی یاد تازہ کر لیا کرتا تھا۔ جس سے میرے تمام غم غلط ہو جاتے تھے۔ اب تم بھی شہادت کیلئے تیار ہو گئے ہو۔

اے بیٹا! مجھ سے تمہارا غم برداشت نہ ہوگا۔ بیٹا تم خود مجھے ہی اجازت دے دو تا کہ میں اپنا گلا تم سے پہلے کٹا کر مسافرِ آخرت ہو جاؤں۔ کیا چچا اسی لیے ہوتا ہے کہ تمہیں آتشِ جنگ میں جھونکتا رہے اور خود محوِ نظارہ ہو کر نانا جان، نانی جان اور بھیا حسن سے شرمندہ ہو؟ بیٹا قاسم! جاؤ اور مجھ پر رحم کرو۔ حسین کا دل ہے آخر پتھر تو نہیں اللہ حافظ..........

قاسم: اے عمِ محترم! اچھا آپ ابا جان کا یہ مکتوب شریف تو بغور پڑھیں۔ وہ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک روز حضور ابا جان نے مجھے یہ تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا تھا کہ جب تمہارے چچا زغہ اعداء میں گھر جائیں تو تم میدانِ کربلا میں اپنی جانِ عزیز، ان کے قدموں پر قربان کر دینا۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ اے قاسم! تم ان پر پروانہ کی طرح نثار ہو جانا۔

یہ سن کر حضور امام عرش مقام نے وہ مکتوب شریف پڑھا تو اس میں صاف لکھا تھا کہ اے بیٹا قاسم! جب بھیا حسین رضی اللہ عنہ نرغۂ اعداء میں گھر جائیں تو ان پر اپنی جان قربان کر دینا تا کہ حسین سے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور جنت الفردوس میں نانا جان اور نانی جان کے سامنے ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

ابھی امام اور قاسم کے درمیان یہ دردناک مکالمہ ہو ہی رہا تھا کہ خیمہ سے کسی بی بی کے رونے کی آواز آئی۔ حضرت امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے کنیز سے پوچھا۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے کنیز! ذرا اندر جا کر پتہ کرو۔ یہ غم زدہ کون بی بی ہے؟ جو اس قدر نالہ وفریاد کر رہی ہے۔ مجھے آ کر جلدی بتاؤ!!

کنیز: یا امام! میں دیکھ آئی ہوں۔ یہ رونے والی اُمِّ فروی ہیں جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی اور امام قاسم رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں۔ مجھے تو رونے کا سبب کوئی نہیں بتلایا۔ خود سرکار دریافت فرما لیں۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے محترمہ بھابی جان! تم اس قدر نالہ وفریاد کیوں کرتی ہو؟ تمہارے رونے سے میرے دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ تمہارے نالہ وفریاد سے میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔

بی بی: اے پیارے امام! صبح سے آپ ایک ایک انصار اور عزیز کو اذنِ جہاد دے رہے ہیں۔ کیا میرے قاسم کی ہی کوئی خطا ہے جو اسے جہاد سے روکا جاتا ہے؟ کیا میرا قاسم رضی اللہ عنہ راہِ خدا میں فدیہ بننے کے لائق نہیں؟

خدارا آپ قاسم کو اذنِ جہاد دیں تاکہ بروزِ حشر مجھے بھی دخترِ رسول کے سامنے ندامت نہ ہو۔ آہ، یہ سن کر حضور امام کے دل پر غم کی چھری چل گئی۔ روتے روتے خیمہ سے باہر نکل آئے۔

ماں: اے بیٹا قاسم! جس طرح بھی ہو سکے، رو دھو کر، قدم بوس ہو کر، ہاتھ باندھ کر، قدموں پر گر کر اجازت لے لو۔ اگر امام تم سے پہلے شہید ہو گئے تو میں تمہیں دودھ نہ بخشوں گی اور ماں بیٹے کی دین و دنیا میں کوئی عزت نہ ہو گی

قاسم: امی جان! میں تو بڑی دیر سے اجازت مانگ رہا ہوں۔ مجھے دیکھ کر امام رونے لگ جاتے ہیں اور میری طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جب میں سامنے جاتا ہوں تو رو، رو کر یوں فرمانے لگتے ہیں۔

ے رخصت جو میں نے مانگی تو حضرت نے یوں کہا
قاسم کو رَن میں جانے کی کس دل سے دوں رضا

کرتا ہوں ان سے جب طلبِ رخصتِ دعا
بابا کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں خود چچا

آنسو رواں ہیں چشمِ شہِ مشرقین سے
کہتے ہیں داغ یہ نہ اٹھے گا حسین سے

امی جان میں دیر سے چچا جان سے ضد کر رہا ہوں کہ مجھے بھی راہِ خدا میں سر کٹانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے بابا جان کا مکتوب شریف بھی دکھایا مگر وہ یہی فرماتے ہیں کہ مجھ سے تمہارا داغِ مفارقت برداشت نہ ہو گا۔ اب میں کیا کروں؟

؎ شہید ہو چکے امامِ دو عالم کے اَقرباء
باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا

حضرت کے تن کی جان ہیں دونوں یہ مَہ لقا
سر ان کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی خجل رہو گی میرے جد کے سامنے
شرمائیں گے حسن بھی محمد کے سامنے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ماں: اے قاسم! اچھا اب تم جاؤ اور جس طرح بھی ہو سکے امامِ دو جہاں کو مناؤ اور اپنے بابا جان اور نانا جان کا واسطہ دے کر اذن مانگو۔

قاسم: اے چچا جان! خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے آپ مجھے اذنِ جہاد عطا فرمائیں۔ آپ بروزِ حشر مجھے بابا جان سے شرمندہ نہ کرائیں۔
یہ کہہ کر قدموں پر گر کر رو، رو کر اذنِ جہاد طلب کرنے لگے۔ آخر کار خود حضور امام عرش مقام نے جوان بھتیجے کو قدموں سے اٹھایا، سینے سے لگایا، تمام جنگی سامان اپنے ہاتھوں سے ان کے جسم پر سجایا اور خود امام نے رہوار برق بار پر سوار فرما کر یوں رو، رو کر خدا سے دعا مانگی۔

؎ دے صبر تو مولیٰ کہ قرار آئے جگر کو
امت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

الغرض! آپ چچا جان سے اذنِ جہاد لے کر پھوپھی اماں، چچی جان، امی جان اور بہنوں سے آ کر درجہ بدرجہ اذن لے کر میدانِ کارزار میں بھوکے شیر کی طرح آئے۔ چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھا تو ہر ایک کی زبان پر بس یہ تھا۔

؎ کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

پکارے اے عمرو! اے شمر! اے سنان! اے خولی! اگر تمہیں اپنی شجاعت پر ناز ہے تو مقابلہ میں آؤ اور کوئی ہنر دکھاؤ۔

؎ کس قہر سے ایک ایک کو للکار رہے ہیں
کس پیار سے رہوار کو چمکار رہے ہیں

فوجِ یزید پر اس قدر آپ کی ہیبت وجلالت سے سکتہ طاری ہوا کہ تمام فوج گھبرا گئی۔ کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ حسینی شیر سے آ کر مقابلہ کرے۔ آخر کار عمرو نے جب اپنی تمام فوج کو لرزاں براندام اور ترساں و پریشان دیکھا تو اپنی فوج کے ایک مشہور سپہ سالار ارزق کو بلایا، جو سینکڑوں لڑائیوں میں اپنے فن کے جوہر دکھا چکا تھا۔ وہ ایک ہزار بہادروں سے لڑا کرتا تھا اور یزید سے دس ہزار دینار وظیفہ لیتا تھا۔

عمرو: اے سالارِ فوج! دیکھتے ہو، شمر اور سنان کا خوف سے چہرہ اتر گیا۔ قاسم کے نعروں سے میدانِ کربلا گونج رہا ہے۔ تمام فوجِ یزید گھبرا

گئی ہے۔ کسی میں ہمتِ مقابلہ نہیں۔

وہ دیکھو سامنے علی کا پوتا حسن کا بیٹا حسین کا بھتیجا، فاطمی شیر ہمیں کس طرح للکار رہا ہے۔ وہ ہمارے سپاہیوں کو سپاہی نہیں بلکہ بھیڑ بکریاں سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مقابلہ میں نہ گیا تو ہم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے اور ہماری بزدلی کے چرچے گھر گھر ہوں گے۔ تمام عراق و شام میں تیری بہادری کی دھوم ہے۔ تیرے سوا ان سے کون مقابل ہوگا؟

ارزق: اے عمرو! میری بہادری اور شجاعت کے تمام مصر و عراق اور شام میں ترانے گائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شجاع و بہادر میری قوت و شجاعت کے خطبے پڑھتے ہیں۔ میں ایک ہزار آزمودہ بہادروں کو اکثر جنگوں میں قتل کرتا رہا ہوں۔

تم نے میری بہادری کی بہت اچھی قدر کی اور میری شجاعت کی بہت عمدہ داد دی ہے۔ کہ ایک نوجوان جو تین دن کا بھوکا اور پیاسا ہے۔ جس کے عزیزان شہید ہو چکے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بھیج کر مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔ ہاں جب امام حسین میدان میں آئیں گے تو ان سے مقابلہ کرنا فخر سمجھوں گا۔ ٹھیک ہے نا۔

عمرو: (ہنس کر) اے ارزق! یہ فرزندِ مرتضٰی، دلبندِ فاطمۃ الزہرا، نورِ عینِ حسن، جگر پارۂ حسین، امام قاسم رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کو دیکھ کر تمام لشکرِ یزید دل چھوڑ چکا ہے۔ تمام بہادروں کے چہروں پر مُردنی چھائی

ہوئی ہے۔ اے ارزق تو ذرا میدان میں نکل کر تو دیکھ جو تجھے اپنی بہادری پر زعم ہے۔ وہ بھول جائے گا۔

یہ بچہ نہیں ہے۔ فاطمی شیر ہے۔ اس کے سامنے اچھے اچھوں کی خاک اڑ جاتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر یہ تین دن کا بھوکا پیاسا نہ ہوتا تو ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اسے بچہ خیال نہ کرو۔ فاطمی شیر سمجھو۔

وہ دیکھو کس طرح نعرہ لگا رہا ہے اور اپنی خون ریز شمشیر اور نیزے کو بجلی کی طرح چمکا رہا ہے؟ ذرا سامنے ہو کر دیکھو مزہ آ جائے گا۔

ارزق: اے عمرو! میرے ساتھ مذاق نہ کر۔ بچہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر میں نے اسے قتل بھی کر دیا۔ پھر بھی میری بدنامی ہے۔ دنیا کے بہادر جب تاریخِ کربلا پڑھیں گے تو بجائے داد دینے کے مجھ پر لعنت کریں گے۔

میرے ہمراہ میرے چار بیٹے بھی میدان کربلا میں موجود ہیں۔ میں ابھی اپنے بڑے لڑکے کو حکم دیتا ہوں۔ وہ فوراً جا کر سر اتار لائے گا۔ یہ کہہ کر بڑے بیٹے کو اشارہ کیا۔ وہ اپنے جنگی مرکب کو دوڑاتا ہوا اور یزید مردود کے نام کے نعرے لگاتا ہوا حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا۔ کچھ دیر لڑا، حضرت امام قاسم نے وار بچا کر ایسا بھرپور وار کیا کہ دو ٹکڑے ہو کر گرا اور جہنم میں پہنچ کر دم لیا۔

اس کی قیمتی تلوار اور اسلحہ پر قبضہ فرمالیا۔ پھر غصے میں بھرے تینوں بھائی باری

باری میدان میں آئے اور وہ بھی واصلِ جہنم ہو گئے۔ جب ارزق کے چاروں بیٹے ٹھکانے لگ گئے تو ارزق غصہ میں لال پیلا ہو کر امام قاسم کے سامنے آ کر یوں بولا۔

ارزق: اے قاسم! تم بڑے سنگدل بہادر اور بے رحم مجاہد ہو۔ تم نے میرے چار بیٹوں کو پکار پکار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تمہیں ان کی جوانی پر رحم نہ آیا۔ میرا ایک ایک بیٹا ہزار ہزار بہادر پر غالب تھا تو نے کوئی خیال نہ کیا۔

قاسم: اے ارزق! مجھے دراصل معلوم نہ تھا کہ تم نے وہ میری خدمت میں تحفہ بھیجا ہے اور نہ تم نے بتایا اگر تم بتاتے کہ یہ تمہارے لیے ہدیہ ہیں تو میں انہیں صندوق میں بند کر کے رکھتا۔ خیر اب اس کی تلافی یہی ہے کہ اب تمہیں بھی موت کے جہاز پر بٹھا کر ان کے پاس بھیج دیا جائے تا کہ تم اکٹھے دوزخ میں آباد ہو سکو اور عذاب الٰہی کے مزے چکھو۔

ارزق: (غضب ناک ہو کر) اے قاسم! میرے بیٹے بھولے پن میں مارے گئے۔ ورنہ وہ بڑے نامور بہادر اور شجاع تھے۔ اچھا اے قاسم! یہ تو بتاؤ تمہیں یہ برق بار تلوار کہاں سے ملی؟ یہ تو میں نے ایک ہزار دینار میں خریدی تھی اور ایک ہزار دینار دے کر زہر میں بھگو کر رکھی تھی۔

قاسم: اے ارزق! یہ تحفہ تیرا بیٹا مجھے دے گیا۔ اب یہ میرے پاس بطور یادگار ہے۔ اسی تلوار سے تجھے شربتِ موت کا مزہ چکھانا ہے۔ اگر تیرے سر پر بھی موت کا بھوت سوار ہے تو میں اسے ابھی اتار دیتا ہوں۔ ذرا سامنے آ۔

یہ سن کر ارزق غصہ میں لال پیلا ہو گیا اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ آپ نیزے کا جواب نیزے سے، تلوار کا جواب تلوار سے دیتے رہے۔ کچھ دیر زور آزمائی ہوتی رہی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دختران رسول رضی اللہ عنہن، قاسم رضی اللہ عنہ کے معرکہ کو دیکھ کر بہت مسرور تھیں اور دعائیں دے رہی تھیں کہ مولا کریم قاسم کو اس پلتین بہادر کے مقابل تو کامیابی عطا کر۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی جنگ پر ملائکہ بھی مرحبا مرحبا کے ترانے گاتے تھے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

قاسم: اے ارزق! تو اہلِ بیتِ رسول کی عداوت میں اتنا اندھا اور بیٹوں کا انتقام لینے کے نشہ میں ایسا غافل ہو گیا کہ اپنے مرکب کے تنگ

کا بھی پتہ نہیں رہا۔ او بے وقوف! دیکھ تو سہی تیرے گھوڑے کا
تنگ کتنا ڈھیلا ہے تو تو گرنے کے قریب ہے۔ افسوس صد افسوس
کہ تنگ کا بھی خیال نہیں رہا۔ یہ سن کر ارزق مردود اپنے گھوڑے کا
تنگ دیکھنے کیلئے جھکا۔ اسے غافل پا کر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے تلوار
کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے فرشِ زمین پر
گرتے ہی واصلِ جہنم ہو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر تمام افسرانِ فوجِ یزید پر ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ عمرو، شمر اور سنان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ حضرت امام کے چہرے پر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ امام قاسم نے فوراً ارزق کے گھوڑے پر قبضہ فرما لیا اور امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔

قاسم: اے چچا جان! پیاس بہت شدت اختیار کر گئی ہے۔ اگر کچھ پانی مل جائے تو تمام فوجِ یزید کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ چچا جان اگر پانی ہے تو خدارا پلا دو۔

امام: اے بیٹا قاسم! وہ دیکھو تمہارے لیے حوضِ کوثر پر تمہارے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بابا جان، دادا جان اور دادی جان چھلکتے ہوئے جام لیے کھڑے ہیں اور تمہارا بے تابی سے انتظار فرما رہے ہیں۔ بیٹا میدان میں جاؤ اور راہِ خدا میں گلا کٹا کر جنت کو سدھارو۔

حضور نانا جان، بابا جان اور امی جان سے ہمارا بھی سلام عرض کرنا اور

عرض کرنا کہ حسین بھی آنے ہی والے ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کی تکلیف گوارا فرماؤ۔

یہ سن کر امام قاسم رضی اللہ عنہ بھوکے شیر کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے ایسی تلوار چلائی کہ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ آپ جس طرف رُخ فرماتے۔ بھوکے شیر کی طرح سینکڑوں کوفیوں یزیدیوں کو ٹھکانے لگا دیتے اور دشمنوں کو آن کی آن میں اپنی صمصام خون آشام سے سینکڑوں کو ڈھیر کر دیتے۔

لڑے اس شان سے کہ دھر لیا سب فوج کو آگے
سپاہی اور افسر سامنے سے آپ کے بھاگے

اشارہ دُور سے فوجوں کو ابنِ سعد کرتا تھا
مگر خود سامنے آتے ہوئے میداں میں ڈرتا تھا

حضرت قاسم نے ایسی جنگ کی کہ دشمن کی ناک میں دم ہو گیا۔ آپ کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے ستائیس زخم آ گئے۔ جس سے آپ کے جسمِ اقدس کا تمام خون بہہ گیا۔ شیث بن سعد نے گھات لگا کر آپ کے سینہ بے کینہ پر ایسا زور کا تیر مارا کہ آپ اسپ تازی سے فرشِ زمین پر گر گئے اور چچا جان کو آخری وقت پکارا۔ "یَا عَمَّاہُ اَدرِکنِی" یعنی: اے چچا جان! مجھے سنبھالو۔

قاسم نے صدا دی کہ چچا جان خبر لو
ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو

دنیا میں کوئی دم کا ہے مہمان خبر لو
تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو

آہ آلِ پیغمبر کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

یہ صدا سنتے ہی حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا اور دیکھا کہ جوان بھتیجا خاک و خون میں لتھڑا ہوا پڑا اور نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فوراً آبدیدہ ہو کر اپنی آغوشِ شفقت و رحمت میں لے لیا اور اسے یوں خطاب فرمایا۔

رو کر کہا صدقہ ہو چچا منہ سے تو بولو!
کیا حال ہے اے ماہ لقا منہ سے تو بولو!

بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منہ سے تو بولو!
گر اٹھ نہیں سکتے ہو بھلا منہ سے تو بولو!

مادر کو بڑا داغ دیئے جاتے ہو قاسم!
گھر باپ کا برباد کیے جاتے ہو قاسم!

چچا جان کا یہ دردانگیز، محشر خیز کلام سن کر حضرت قاسم نے دونوں آنکھیں

کھول کر دیکھا تو اپنا سر مبارک چچا جان کے زانو پر تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے اور خشک زبان نکال کر دکھانے لگے۔ گویا زار وزار، رو، رو کر تشنگیِ آب کی شکایت کر رہے ہوں۔

یہ دیکھتے ہی موت کی آخری ہچکی اُسے آئی
منہ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی

جنت سے صدا حضرتِ زہرا نے سنائی
میں ساغرِ کوثر ہوں تیرے واسطے لائی

پی لے اسے اے لال! کہ تر خشک گلا ہو
دادی تیرے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

یہ جوان بھتیجا اسی حالت میں زیارتِ خداوندی سے مشرف ہو کر واصلِ باللہ ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝

لکھا ہے کہ امام کے تشریف لانے سے پہلے ہی حضرت قاسم کی لاش پامال ہو گئی تھی۔ آپ اس پامال شدہ لاش کو بمشکل اٹھا کر خیمہ تک لائے۔ ادھر امام جوان بھتیجے کی لاش اٹھا کر خیمہ میں لا رہے تھے۔ ادھر دخترانِ رسول کے سینوں پر غم کے آرے اور دلوں پر چھریاں چل رہی تھیں۔ یہ وہ منظر ہے جسے قلم لکھنے سے عاجز اور زباں بیان کرنے سے قاصر ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے لاش کو

دیکھ کر اور کلیجہ کو ہاتھوں سے تھام کر پوچھا۔ بھیا! بتاؤ تو میرے قاسم پر کیا کچھ گزری؟ یہ سن کر امامِ پاک نے جواب دیا۔

ے شبیر نے فرمایا کہ کیا حال سناؤں؟
ہمت نہیں پڑتی ہے اب خیمہ میں آؤں؟

منہ اپنا میں کیا مادرِ قاسم کو دکھاؤں؟
گر سامنے جاؤں تو بھی کیا بات بناؤں؟

اقرار کیا میں نے تھا بانوئے حسن سے
اس وعدہ پہ میں لاش اٹھا لایا ہوں رَن سے

امام: اے بہن زینب! لو یہ جوان بھتیجے کی میدانِ کربلا سے لاش آ گئی۔ غور سے دیکھو۔ دشمنوں نے کس قدر پامال کر ڈالی۔ میں بمشکل اٹھا کر خیمہ تک لایا ہوں۔ اگر بھابی جان سے ملانے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو میں یہ لاش لا کر اور تمہیں دکھا کر تمہارے زخمی دلوں پر مزید نمک پاشی کا موجب نہ بنتا۔ مجھے بھابی جان کے سامنے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لو تم خود یہ لاش لے جاؤ۔

ے وعدہ نہ کیا ہوتا تو میں رن سے نہ لاتا
اس لاش کو لا کر میں خجالت نہ اٹھاتا

قاسم کے برابر ہی گلا میں بھی کٹاتا
اپنی بڑی بھابی کو کبھی منہ نہ دکھاتا

لے جاؤ تمہیں لاشہ کو اس غنچہ دہاں کے
بھیجو نہ مجھے سامنے تم بچہ کی ماں کے

آخر کار، زار وزار، روتے ہوئے امامِ دو جہاں جوان بھتیجے کی پامال لاش کو اٹھا کر خیمۂ اہل بیت میں لائے۔ جس وقت وہ پامال شدہ لاش خیمۂ اہلِ بیت میں آئی۔ ساداتِ کرام میں ایک حشر برپا ہو گیا۔ جسے قلم لکھنے سے قاصر زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔

؎ یہ سنتے ہی سادات میں برپا ہوا محشر
غش کھا کے ہر اک بی بی گری فرشِ زمیں پر

امام ابھی قاسم کی شہادت پر خون کے آنسو بہا ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن حسن اور احمد بن حسن رضی اللہ عنہما نے چچا جان سے اجازت طلب کی۔ عرض کیا چچا جان آپ نے بھیا قاسم کو تاجِ شہادت عطا کیا۔ ہم سے کیا قصور ہو گیا؟ جو ہمیں عروسِ شہادت کے حصول سے روکا جا رہا ہے۔ بھیا قاسم ہم دونوں سے بازی لے گئے۔ خدارا ہمیں بھی تاجِ شہادت پہنا کر جنت الفردوس کو جانے کی اجازت دو۔

اجازت لے کر دونوں نے باری باری ایسا معرکہ کیا کہ دشمنوں کے

سینکڑوں سپاہیوں کو واصلِ جہنم فرما کر جنتِ نعیم کو سدھارے۔

ابھی حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا زخم مندمل نہ ہوا تھا کہ ان دونوں حسن زادوں کی لاشیں بھی خیمۂ اہل بیت میں آ گئیں۔

ابھی ان کی یاد میں آنکھوں سے اشک باری جاری تھی اور اہلِ بیت خون کے آنسو رو ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن علی، جعفر بن علی اور عثمان بن علی نے باری باری اجازت طلب کی ان حضرات نے بھی دشمنوں کو خوب باری باری موت کے گھاٹ اتارا اور دادِ شجاعت حاصل کر کے واصل باللہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت زکریا، حضرت مریم کے خالو تھے۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ بڑے عابد وزاہد اور شاکر تھے۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن رب العزت سے فرزند کے بارے میں دعا کی۔ مولا کریم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر فرزند کی بشارت دی۔ خدا نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ جن کا نام خود رب العزت نے یحییٰ (علیہ السلام) رکھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت زیادہ رقیق القلب تھے۔ ہمیشہ خدا کی محبت میں روتے رہتے اور ہمیشہ خدا کے خوف سے آہ وبکا کرتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات جنگل کو تشریف لے جاتے۔ پہاڑوں میں جا کر ذکر وفکر اور آہ وبکا میں مصروف رہتے۔ ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام نے اجتماع کثیر میں خوفِ الٰہی پر بہت مؤثر وعظ فرمایا اور یہ بھی ذکر کیا کہ دوزخ میں ایک وادی کا نام غضبان ہے۔ اس سے وہی بچے گا جو خدا کے خوف سے آہ و بکا کرے گا اور رو، رو کر اپنے خدا سے خطائیں معاف کرائے گا۔ ورنہ اس سے بچنا

محال ہے۔ یہ سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک ہولناک چیخ ماری اور آپ فرشِ زمیں پر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو آہ وزاری کرتے ہوئے جنگل کو چل دیئے اور بار بار یہ نعرہ لگاتے۔

"اَلْوَیْلُ لِمَنْ دَخَلَ الْغَضْبَانَ"۔

یعنی: ہلاک ہوگیا وہ جو غضبان میں داخل ہوا"

حضرت زکریا علیہ السلام وعظ فرما کر بیت المقدس سے گھر تشریف لائے اور آ کر حضرت یحییٰ کے متعلق پوچھا۔ آپ کی بیوی نے کہا میرا تو خیال تھا کہ وہ مسجد میں ہوں گے۔ آخر دونوں میاں بیوی یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ تین دن اور تین رات تلاش کیا مگر آپ نہ ملے۔ دونوں رو، رو کر یہ نعرہ لگاتے اور فرماتے

اے گلبنِ حدیقۂ جاں ہا کجا شدی
پنہاں زچشم بلبل بے دل چرا شدی

یعنی: اے جان کے باغیچہ کے پھول تو کہاں رہتا ہے؟۔ تو بلبل کی آنکھ سے چھپ کر اس کو پریشان کیوں کرتا ہے؟

حسنِ اتفاق چوتھے روز ایک چرواہا ملا۔ اس سے پوچھا کہ تو نے اس جنگل میں کہیں ہمارے نورِ نظر، لختِ جگر یحییٰ علیہ السلام کو بھی کہیں دیکھا ہے؟ یہ سن کر اس نے کہا حضور میں یحییٰ علیہ السلام کو تو نہیں جانتا مگر تین دن ہوئے اس پہاڑی سے ایسی ہولناک آہ وزاری کی آواز آتی ہے کہ جانوروں کے دل بھی دہل جاتے

ہیں۔ میری تمام بکریوں نے چرنا چھوڑ دیا ہے اور زار و زار، روتی رہتی ہیں۔

؎ زسوزِ فرقتِ جاناں چناں بنالد زار
کہ ہر کہ بشنود آں نالہ در خروش آید

ترجمہ: محبوب کی جدائی کی تکلیف اسے اس طرح زار و قطار رُلاتی ہے کہ جو بھی اس کے رونے کو سنتا ہے پریشان حال ہو جاتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کی بیوی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ربُّ العزت میں جھکایا ہوا ہے اور زار و زار، رو، رہے ہیں۔ خدا سے معافی طلب کر رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرطِ محبت سے آپ کو اٹھالیا۔ یحیٰ علیہ السلام نے سمجھا کہ کہیں مَلِکُ الموت آ گیا جو میری جان قبض کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عزرائیل علیہ السلام! اگر میرا وقتِ وفات قریب آ گیا ہے تو والدین سے ملنے کی اجازت دے دی جائے تا کہ میں ان کی زیارت کرلوں؟ یہ سن کر آپ کی والدہ ماجدہ نے رو، رو کر فرمایا۔ بیٹا کچھ ہوش کرو۔ یہ ملک الموت نہیں تمہارے بابا جان حضرت زکریا علیہ السلام ہیں۔ بیٹا دیکھو ہم تمہاری جدائی میں کس قدر غمناک ہیں؟ تمہیں اسی دودھ کا واسطہ جو میں نے تمہیں پلایا ہے۔ خدارا اپنے گھر چلو۔ آپ والدین کے ساتھ گھر آ گئے۔ کچھ کھانا کھایا۔ پانی پیا۔ آپ کچھ دیر کیلئے سو گئے۔ خواب میں کسی فرشتے کو کہتے ہوئے سنا کہ اے حضرت یحیٰ علیہ السلام! کیا آپ اس خوابِ نازنین میں آ کر

غضبان کو بھول گئے؟ یہ سن کر آپ نے پھر ایک چیخ ماری اور پھر روتے روتے جنگل کو تشریف لے گئے۔ والدین پھر جا کر لائے۔ غرضیکہ آپ کی زندگی نہایت عاشقانہ اور واجدانہ تھی۔

قاضیِ شہر ہو یا شیخِ حرم ہو کوئی
جو نہ ہو مست نکالو اُسے میخانے سے

ساقی درِ میخانہ ابھی بند نہ کرنا
شاید مجھے جنت کی ہوا راس نہ آئے

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

بادشاہ کے ہاں جو عورت تھی اس کے پاس ایک گذشتہ شوہر کی لڑکی تھی، جو بادشاہ کی زبیبہ کہلاتی تھی۔ بادشاہ کی زوجہ نے خیال کیا کہ میں تو بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اگر بادشاہ نے کسی اور عورت سے نکاح کر لیا تو میری کوئی قدر نہ ہوگی۔ ایک روز اس نے اپنے شوہر کو اپنی لڑکی کے نکاح کے بارے میں کہا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بادشاہ! تیرا اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ کچھ دنوں کے بعد زوجہ نے خاوند کو نشہ میں مخمور پا کر اپنی لڑکی کو آراستہ کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ اپنی لڑکی پر اس قدر فریفتہ ہوا کہ ارادۂ زنا کر لیا۔ عورت نے کہا۔ میں اس وقت تمہیں مجامعت کی اجازت دوں گی۔ پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرا دیا جائے۔ بادشاہ نے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر اسرائیلی علماء نے بادشاہ کو بتایا کہ اگر تو نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر ڈالا تو زکریا کی بددعا سے تمام قوم ہلاک ہو جائے گی۔ حضرت یحییٰ کا خون ضرور رنگ لا کر رہے گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے سپاہ کو حکم دیا کہ پہلے زکریا کو قتل کر دو۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو، جب فوج آئی۔ تو آپ اس وقت حضرت یحییٰ

علیہ السلام کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے۔ دشمنوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حالت نماز ہی میں پکڑ کر مشکیں باندھ لیں۔ جب حضرت زکریا کو پکڑنے لگے تو آپ جنگل کی طرف بھاگے۔ ادھر فوج نے بھی تعاقب کر لیا۔ آپ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ جب فوج قریب آئی تو آپ نے اسی درخت کو اشارہ کیا۔ وہ درخت پھٹ گیا اور آپ اس درخت میں چھپ گئے اور چادر کا ایک پلہ باہر رہ گیا۔ جس سے دشمنوں کو یقین ہو گیا۔ دشمنوں نے اس بڈھے خبیث شیطان سے پوچھا کہ اب آپ کو باہر نکالنے کی کیا ترکیب ہے؟ شیطان نے جواب دیا باہر نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس درخت کو آرے سے چیر دیا جائے۔ حضرت زکریا علیہ السلام درخت کے ساتھ چر جائیں گے۔ تمہارا دلی مقصد پورا ہو جائے گا۔ جب وہ آرا لے کر درخت کو چیرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ خدا کا حکم سنایا کہ اے زکریا! اب تمہارے صبر کا امتحان ہے۔ آرے سے چر جانا اور اُف نہ کرنا ورنہ تمہارا نام صابرین کی جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ آپ درخت میں نہایت صبر و ضبط سے بیٹھے رہے۔ آرا آپ کے جسمِ اقدس پر چلتا رہا مگر آپ نے اُف تک نہ کی۔ یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (خلاصۃ الانبیاء۔ تاریخ الانبیاء)

محرمِ عشق تو مارا اگر کشد چہ باک
ہزار شکر کہ بارے شہیدِ عشق توام

یعنی: عشق کے رازداں اگر تو ہمیں قتل بھی کرے تو کیا ڈر؟ اللہ کا ہزار شکر

ہے کہ تیرے عشق میں ایک بار شہید ہوا ہوں۔ ادھر حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے شہیدِ ناز کیا گیا۔ اُدھر بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہمارے شاہی محل کے باہر قتل کیا جائے۔ سرِ یحییٰ کو ایک طشت میں رکھ کر ہماری خدمت میں پیش کیا جائے اور تمام خونِ یحییٰ کنویں میں ڈال دیا جائے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سرِ تنِ نازنین سے جدا کر دیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام وقت شہادت اپنے محبوبِ حقیقی سے یوں عرض کرتے تھے۔

؎ تڑپنا اس طرح بلبل کہ بال و پر نہ ہلیں
ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانوں کا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ روزِ پیدائش سے معرکہ کربلا تک حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ یہ بھی حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ والدہ ماجدہ کا نامِ نامی اسم گرامی اُمُّ البنین رضی اللہ عنہا تھا۔ حضرت عباس حضور امام عرش مقام کو بھائی نہیں بلکہ آقا و مولا سمجھا کرتے تھے۔ جب حضور امام عرش مقام کبھی انہیں بھیا عباس کہہ کر یاد فرماتے تو آپ رونے لگ جاتے اور عرض کرتے یَا اِمَامَ المسلمین ! آپ مجھے

بھائی نہ فرمایا کریں بلکہ غلام بے دام کہہ کر خطاب فرمایا کریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کا سکہ تمام عرب مانتا تھا۔

جب آپ دشمن پر حملہ فرمایا کرتے تو معلوم ہوتا تھا کہ مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگ فرما رہے ہیں۔ اعداء پر اس طرح آپ کا رعب چھا جاتا جیسا کہ کسی بھوکے شیر کا بھیڑ بکری پر چھا جاتا ہے۔ یا کوئی شہباز چڑیوں پر حملہ کرتا ہے۔

یہ حضور امام عرش مقام کو مولیٰ مرتضیٰ کے قائم مقام ہی سمجھا کرتے اور حضرت سیدہ زینب اور سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی طرح محترمات خیال کیا کرتے تھے۔ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور دختران رسول بھی انہیں سوتیلا بھائی نہیں بلکہ حقیقی بھائیوں سے زیادہ عزیز و محترم سمجھا کرتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرب کے ایک ہزار جانبازوں اور بہادروں کیلئے کافی ہوتے۔ آپ جب ایک ہزار بہادروں پر حملہ فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ کوئی شیر بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں پر حملہ کرتا ہے۔ حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام فوج کیلئے انہیں علمبردار اور سپہ سالار منتخب کیا۔

جب آپ کو حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے عہدۂ سپہ سالاری عطا کیا تو حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ اُمِ کلثوم اور دیگر دختران نے خیمہ میں بلا کر اس عہدہ کے ملنے پر مبارکباد پیش کی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ بھیا عباس رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کس کی طاقت ہے کہ میرے ماں جائے حسین کی طرف کوئی ترچھی نظر سے بھی دیکھے اور کس کی مجال ہے کہ جو میرے اور اُمِ کلثوم

اور دیگر دختران رسول کے سروں سے چادریں اتار سکے اور کس کا جگرا ہے جو بھیا عباس رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے خیام اہلِ بیت کی طرف قدم بڑھا سکے۔

میرا ایک عباس رضی اللہ عنہ ہزار اشقیاء کیلئے کافی ہے۔ میرا ایک عباس بھوکا پیاسا بھی فوجِ یزید کو واصلِ جہنم فرما سکتا ہے۔ لیکن آہ جب بھیا عباس شہید ہوں گے تو مجھے ہر بلا اور ہر مصیبت کا سر پر آنا ممکن نظر آنے لگے گا اور یقین ہو جائے گا کہ اب میرے ماں جائے حسین رضی اللہ عنہ کی بھی خیر نہیں۔ سر پر درد و آلام اور اندوہ و غم کے آرے چلنے لگے اور دل پاش پاش ہونے لگا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

☆ جب عمرو اور دیگر افسرانِ فوج کو معلوم ہوا کہ اب سوائے حضرت عباس اور حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہما کے فوجِ حسینی میں لڑنے والا کوئی نہیں رہا تو عمرو نے شمر ملعون کو حضرت عباس کی خدمت میں بھیجا جو حضرت عباس کا رشتہ میں ماموں لگتا تھا۔ کہا اے شمر! تم عباس کو جا کر سمجھاؤ کہ وہ ہماری فوج میں آ جائیں۔ ہم تم کو بہت کچھ انعام و اکرام دیں گے۔ یہ سن کر شمر ملعون نے آ کر آپ کو بلایا۔

شمر: اے پہریدار، میرا نام شمر ہے۔ میں (حضرت) عباس علمبردار فرزندِ علی مرتضیٰ دلبندِ زہرا کا ماموں جان ہوں اور فوجِ یزید کا ایک بہت بڑا سپہ سالار ہوں۔ عباس علمبردار کو ملنے کیلئے آیا ہوں۔ انہیں تھوڑی دیر کیلئے بلا دو۔ مجھے ان سے آخری ملاقات کرنی ہے۔ انہیں عرض کرو کہ تمہیں تمہارے ماموں بلاتے ہیں۔

پہریدار: جناب شمر! اس وقت حضرت عباس علمبردار، حضور امام عرش مقام کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ان سے کچھ عرض و معروض کر رہے ہیں۔ وہ حضور امام کی حضوری کو چھوڑ کر تیرے جیسے دنیا کے کُتے سے ملاقات فرمانا قبول نہ فرمائیں گے۔ تو جا وہ ابھی اپنے رہوار برق بار پر سوار ہو کر تجھے سپہ سالاری کا آ کر مزہ چکھاتے ہیں اور تجھے ابھی ابھی واصلِ جہنم فرماتے ہیں۔

شمر: اے پہریدار! بھئی تمہیں اس قدر غضبناک ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تم جاؤ اور جا کر میرا پیغام دے دو کہ تمہیں شمر بلاتا ہے۔ وہ جب بھی میرا پیغام سنیں گے فوراً آ جائیں گے۔ یہ ان کی شانِ کریمانہ کے خلاف ہے کہ وہ کسی کا پیغام سنیں اور تشریف نہ لائیں۔ کیا حضرت علی کا یہی طریقہ تھا؟ کہ وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ یہ تو ان کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف ہے۔

پہریدار: اے حضرت عباس! آپ کا ماموں شمر دروازے پر کھڑا ہے۔ وہ آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے، جو حضور کا ارشاد ہو میں اس سے کہہ دوں

عباس: اے پہریدار! بھئی میرا اس بے دین سے کیا تعلق؟ مومن کا کذاب اور دجال سے کیا رشتہ ہوتا ہے؟ اس مردود سے کہہ دو کہ میں اس سے ہرگز ہرگز ملنا نہیں چاہتا۔ جب کہ وہ فرزندِ رسول کا

بد ترین دشمن ہے۔

"اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ"

یعنی: محبت خدا کیلئے اور عداوت بھی خدا کیلئے۔

امام: اے عباس! اس قدر ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم باہر جا کر اس سے ملو۔ سنو دیکھیں وہ کیا کہنا چاہتا ہے؟

عباس: یا امام! آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ واجب الاحترام میں آپ کے حکم کی تعمیل ابھی کرتا ہوں۔ ورنہ میں تو اس جاہل کو منہ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ اچھا حضور میں جاتا ہوں۔ اللہ حافظ............

شمر: اے عباس! میں تمہارے پاس آخری ملاقات کیلئے آیا ہوں۔ میں عمرو سے بھی اجازت لے آیا ہوں۔ میں تمہارا ماموں لگتا ہوں۔ تم امام حسین رضی اللہ عنہ کیلئے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تم اپنی جوانی پر رحم کرو اور اپنی بیوی بچوں اور اپنے گھر بار کو تباہ نہ کرو۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس سوائے بھوک اور پیاس کے کیا رکھا ہے؟ وہاں پر ہر طرح کا عیش و آرام ہے۔ آپ کو بڑے سے بڑا عہدہ مل سکتا ہے۔ مجھے آپ کی جوانی پر رحم آتا ہے۔ میرے سر پر غم کا آرا چلتا ہے۔ جب میں تمہیں فوجِ حسین (رضی اللہ عنہ) میں دیکھتا ہوں اور یہ چاند سا چہرہ بھوک اور پیاس سے مرجھایا ہوا دیکھتا ہوں۔

افسوس ہم پانی پئیں اور تم پیاسے رہو۔

؎ کچھ آپ سے مطلب ہے نہ اکبر سے غرض ہے
ہم کو تو سرِ سبطِ پیغمبر سے غرض ہے

عباس: اے شمر بدکار! اے سگِ دنیا! اپنی زبان کو روک لو ورنہ ابھی تیرا سرتن سے جدا کر دوں گا۔ او شقی تجھ پر، تیرے امیر پر، تیری دولت اور عہدہ پر لعنت ہو۔ او خبیث تو مجھے دنیا کا لالچ دے کر فرزندِ ساقی کوثر، مالکِ بحر و بر رضی اللہ عنہ سے پھیرنا چاہتا ہے۔ کیا میں حضور نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول کو چھوڑ کر شراب خوروں کی شریر جماعت میں شامل ہو سکتا ہوں؟ اگر اب یہ کلمۂ خبیثہ زبان سے نکالا تو تیری زبان گدی سے باہر کھینچ دوں گا۔ فرمایا او مکار، بدشعار مجھ سے تو دور ہو جا ورنہ تیرا سرتن سے جدا کر دوں گا۔

؎ جس وقت کی شمر ستمگار نے گفتار
تھرانے لگا صورتِ خورشید علمدار

اور میان سے شمشیر نکل آتی ہے اک بار
فرمایا کہ خاموش ہو اے کافرِ مکار

گو خنجر کہیں حلق پہ سو بار چلے گا
میدان سے ہرگز نہ علمدار ٹلے گا

جب حضرت عباس نے شمر پر اپنی صمصام خون آشام اٹھائی تو شمر ملعون بھی سمجھ گیا کہ اب میری خیر نہیں۔ فوراً سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ وہ وہاں سے ایسا غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ حضرت عباس خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور آ کر حضور سے سب کچھ عرض کیا۔ حضور امام عرش مقام نے یہ سن کر امتحاناً فرمایا۔

امام: اے عباس! اگر تم شمر کے ہمراہ چلے جاتے تو اہلِ بیتِ رسول کیلئے بہت سی آسانیاں ہو جاتیں۔ دخترانِ رسول کے سروں پر سے چادریں نہ اترتیں۔ میری سکینہ دشمنوں کے طمانچوں سے بچ جاتی۔ قافلۂ اہلِ بیت کیلئے سہولتیں ہی سہولتیں ہوتیں۔

عباس (رو، روکر) یا امام رضی اللہ عنہ! کیا آپ کو میری وفاداری پر اعتماد نہیں؟ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰه ! کیا میری رگوں میں ہاشمی خون نہیں؟ کیا میں علی کا بیٹا نہیں؟ کیا میں دخترِ رسول کا اور آپ کا بے دام غلام نہیں؟ یا مولیٰ! اگر عباس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو پھر بھی عباس آپ کے قدموں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ تقریر سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ عباس کو سینے سے لگا کر دیر تک روتے رہے۔

زوجۂ عباس: اے کنیز، ذرا میدانِ کربلا سے عباس کو تو بلا لاؤ تاکہ میں ان سے ان کی شہزادی سکینہ رضی اللہ عنہا کی کچھ حالتِ زار بیان کر دوں۔ آج تین دن

ہو گئے۔ یہ ننھی سی بچی پیاس سے نڈھال ہے۔ پے در پے غش
آ رہے ہیں۔ زبان خشک ہو گئی اور آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ رنگ
زرد ہو گیا ہے۔ انہیں جا کر میرا پیغام دے دو کہ آ کر سکینہ رضی اللہ عنہا سے
آخری ملاقات کر لیں۔ وہ تمہیں آخری سلام کہہ رہی ہے۔

ے عباس چلو جان سکینہ کی چلی ہے
پانی نہ ملا آج بھی دوپہر ڈھلی ہے

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ فوراً خیمہ میں تشریف لائے۔ آ کر دیکھا کہ
ننھی سکینہ (رضی اللہ عنہا) بسترِ مرگ پر بغیر پانی کے نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہی ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ گھڑی پل کی مہمان ہے۔

عباس (رضی اللہ عنہ): اے زوجہ! خیر تو ہے۔ مجھے خیمۂ اہلِ بیت میں بے وقت کیوں بلایا
گیا ہے؟ میں نواسۂ رسول جگر پارۂ بتول کو اپنی وفاداری کا یقین دلا
رہا تھا۔ اوہو یہ سکینہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہو گیا؟ آہ ساقیِ کوثر کی نورِ نظر، مالکِ
بحر و بر کی لختِ جگر تو بالکل بے ہوش پڑی ہے۔ غشی طاری ہے۔

زوجۂ عباس (رضی اللہ عنہا): یا حضرت! یہ صبح سے آپ کو یاد کر رہی ہے۔ انہیں یہ گلہ ہے کہ
چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ابا جان نے عہدۂ علمبرداری عطا فرمایا۔ چچا جان
جب فوجِ حسین رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار بنائے گئے تو میں نے انہیں
اس پر مبارک باد دی اور عرض کیا تھا کہ اے چچا جان! آپ کو عہدۂ

سپہ سالاری مبارک ہو۔ آپ اس کے بدلہ میں مجھے کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا تھا بیٹی جو تم کہو گی وہی تمہیں دوں گا۔ تو ننھی سکینہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ اچھا چچا چند قطرے پانی پلا دینا۔ اب یہ آپ سے ناراض ہیں کہ چچا جان رضی اللہ عنہ صبح سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ مجھے پانی تک نہیں پوچھا۔ جب انہیں ہوش آتی ہے ہائے پانی ہائے پانی کہتی ہیں۔

؎ کھل جاتی ہے جب آنکھ تو چلاتی ہے پانی
غش ہوتی ہے تو منہ سے صدا آتی ہے پانی

عباس (رضی اللہ عنہ): اے بیگم رضی اللہ عنہا! اچھا لاؤ میری بچی کو میری گود میں دے دو۔ میں خود انہیں دامن کی ہوا دے کر ہوش میں لاتا ہوں اور ان کا میٹھی میٹھی باتیں کر کے جی بہلاتا ہوں اور ان کو شیریں شیریں کلام سناتا ہوں۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا دامن سیدہ سکینہ کی طرف پھیلایا اور اٹھانے کو ہاتھ آگے بڑھائے تو انہوں نے آپ کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ تتلا کر فرمایا۔ زوجۂ عباس رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ فرماتی ہیں کہ میں چچا جان کے پاس نہ جاؤں گی۔ وہ آپ سے روٹھی ہوئی ہے کہ چچا نے صبح سے میری خبر نہیں لی۔ یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ زار و زار رونے لگے۔ فرطِ محبت سے اٹھے

اور اٹھ کر بچی کو سینے سے چمٹا لیا۔ دیکھا کہ پھول جیسے رُخسار کملا گئے ہیں۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ شدتِ پیاس سے زبان کانٹا بن گئی ہے۔ کہا بیٹی تیرا غمگسار چچا عباس رضی اللہ عنہ آ گیا ہے۔ آنکھیں کھولو۔ یہ سن کر سکینہ نے رو، رو کر کہا۔

جس کا شہِ والا سا پدر تم سا چچا ہو
سہ روز سے پانی نہ نصیب اس کو غذا ہو

کیوں تم سے سکینہ نہ خفا پیارے چچا ہو
سہ روز سے جس نے نہ بھلا پانی پیا ہو

لائے تھے ہمیں کہہ کے یہی آپ وطن سے
تم پیاس سے تڑپو گی تو ہم آئیں گے رن سے

جن بچوں کے ماں باپ نہیں ہوتے ہیں چچا
آج ان کی طرح ہم فاقہ سے روتے ہیں چچا

پرواہ بھی کسی کو نہیں جی کھوتے ہیں چچا
بابا نہ سلاتے ہیں نہ ہم سوتے ہیں چچا

کیا یہ بھی ہے تاثیر کچھ اس دشتِ بلا کی
وہ دل نہ پدر کا ہے نہ وہ آنکھ چچا کی

کیا یہ بھی کہا تھا کہ رلائیں گے سفر میں؟
منہ صبح کو اشکوں سے دھلائیں گے سفر میں

الفت جو وطن کی ہے بھلائیں گے سفر میں
بابا بھی نہ سینے پہ سلائیں گے سفر میں

فاقے سے مرے گی تو خبر تک بھی نہ لیں گے
جاں پیاس سے دے گی تو تسلی بھی نہ دیں گے

عباس (رضی اللہ عنہ): اے نورِ نظرِ مصطفیٰ! لختِ جگرِ مرتضیٰ! اے دلبندِ فاطمۃ الزہرا! میں تم پر قربان ہو جاؤں۔ کیا کرے تمہارا چچا؟ صبح سے ایسا ہی کچھ مصروف تھا کہ تمہاری خبر نہ لے سکا۔ بیٹی جب میدان سے لاشے پر لاشے آ رہے ہوں تو کیونکر ہوش بجا رہ سکتے ہیں۔ میری لاڈوں کی پالی پیاری سکینہ رضی اللہ عنہا اب تیرے بابا جان کے لشکر میں میرے اور علی اکبر کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ بیٹی سکینہ رضی اللہ عنہا! تمہیں خبر نہیں کہ ہم کن کن ہولناک مناظر کو دیکھ چکے ہیں؟ ابھی معلوم نہیں کیا کیا دہشت ناک حوادث سے گزرنا ہے؟ بیٹی اگر مجھے تھوڑی سی فرصت بھی مل جاتی تو میں ضرور آ کر تمہاری خدمات سرانجام دیتا۔ اچھا اب تو مجھے معاف کر دو۔ اب تم مجھے اپنی مشک دے دو۔ ہم تم سے بخدا وعدہ کر کے جاتے ہیں۔ یا تو نہرِ فرات سے تمہارے لیے

پانی لے کر آئیں گے یا پھر نہر پر ہی اپنا گلا کٹائیں گے۔

یہ کہہ کر مشک اٹھالی اور مشک لے کر چلے۔ حضرتِ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو معلوم ہو گیا کہ اب بھیا عباس رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا۔ یہ تنہا ضرور پانی لے کر ہٹیں گے اور آبِ فرات پر کئی ہزار فوجی موجود ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وہاں جا کر جاں بحق ہو جائیں۔ رو، رو کر آگے بڑھ کر یوں خطاب کیا۔

زینب (رضی اللہ عنہا): بھیا عباس! میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میرا سینہ پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ آہ تم بھی میرے ماں جائے کو تنہا چھوڑ کر گلا کٹانے کو تیار ہو گئے۔ آہ عباس رضی اللہ عنہ میرے ماں جائے کو تنہا نہ چھوڑو۔ اس آخری وقت میں ان سے منہ نہ موڑو۔

؎ کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے میرے بھائی کو چھوڑ کے

سکینہ (رضی اللہ عنہا): چچا جان! آپ پانی لینے نہ جائیں۔ سنو پھوپھی اماں فرماتی ہیں کہ وہاں ہزاروں ظالم سپاہیوں نے پہرے لگا رکھے ہیں۔ چچا جان مجھے پیاس سے مر جانا گوارا ہے مگر آپ کو پانی کیلئے بھیجنا گوارا نہیں۔ چچا جان میں صبح سے دیکھتی ہوں جو پانی کا وعدہ کر کے جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ چچا جان میرے کئی بھائی اور بھیا قاسم رضی اللہ عنہ بھیا محمد، بھیا عون بھی تو پانی لینے ہی گئے تھے۔ جنہیں ان ظالم

سپاہیوں نے شہید کر ڈالا۔ یہ دیکھو پھوپھی اماں، نانی جان، امی جان اور دیگر دختران رسول تمہیں رو، رو کر منع کرتی ہیں۔ چچا جان: تم ایسے جلال میں آ گئے ہو۔ اچھا اب میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ سے ہرگز ہرگز نہ روٹھوں گی اور نہ کبھی پانی کی شکایت کروں گی۔ لاؤ چچا جان خدارا میری مشک دے دو۔ مجھے پانی کی پیاس نہیں۔ حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کی یہ درد انگیز، محشر خیز تقریر سن کر رونے لگے اور خیمۂ اہل بیت میں حشر برپا ہو گیا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے رو، رو کر فرمایا۔ بھیا عباس رضی اللہ عنہ! دیکھو سکینہ تمہیں کیسے منا رہی ہے؟ اور رو، رو کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنی مشک مانگ رہی ہے۔ خدارا آپ جلال میں نہ آئیں۔ آپ اپنی سکینہ رضی اللہ عنہا کے حال پر رحم فرمائیں اور میرے ماں جائے کی حفاظت کریں۔ انہیں کوئی ترچھی نظر سے نہ دیکھے۔

ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
جز آپ کے رہے گا بھلا کون اُن کے پاس

عباس (رضی اللہ عنہ): اے پیاری بہن رضی اللہ عنہا! تمہارے رونے سے میرا دل پاش پاش ہوتا ہے۔ میرا سینہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ اب میرے اور علی اکبر کے سوا کون رہا ہے؟ جسے معرکہ میں دشمنوں کے سامنے بھیجا

جائے۔ دشمن بار بار ہمیں بلا رہے ہیں۔ آج بھیڑیے بھی شیروں کو للکار رہے ہیں۔ زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کہیں دشمن خیامِ اہلِ بیت پر حملہ نہ کردیں۔ اگر دشمن خیامِ حسینی میں گھس آئے تو یہ تمام تر ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ بہن اجازت دو، وہ دیکھو! میرے امام عرش مقام رضی اللہ عنہ دشمنوں کے سامنے تنہا کھڑے ہیں۔ یہ سن کر شہزادیوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کلیجوں کو تھام کر فرمایا۔ اچھا بھیا عباس رضی اللہ عنہ اللہ حافظ۔ اللہ حافظ......

؎ دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمہیں آتے ہوئے دیکھیں

☆ بیبیوں سے اجازت لے کر حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ حضور امامِ دو جہاں رضی اللہ عنہ! حق تو میرا یہ تھا کہ میں تمام اعوان وانصار سے پیشتر جامِ شہادت نوش کرتا اور سب سے پہلے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوکر نانا جان، بابا جان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جامِ آبِ کوثر نوش کرتا مگر حضور ہی نے اب تک روک رکھا تھا۔ خیر۔

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو دلِ سرکار میں آئے

اب حضور مجھے بھی اجازت ہو۔ تاکہ میں بھی آپ کا حقِ نمک خواری ادا کرسکوں۔ دینِ حق کی حفاظت اور اِعلاءِ کَلِمَۃِ الْحَق کیلئے آپ کی

قیادت میں یہ ہدیہ پیش کرسکوں۔ خدارا اب صبر وضبط کی انتہا ہوگئی۔ وہ دیکھو سامنے یزیدی کوفی بھیڑیئے ہمیں کس طرح گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں؟ اور حضور امام پاک رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں بے باکانہ کلمات بک رہے ہیں۔

ہاں حضور! یہ دیکھو میں سکینہ کی مشک لایا ہوں اور ان سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ میں یا تو تمہارے لیے پانی لاؤں گا۔ ورنہ زندہ تمہیں صورت نہیں دکھاؤں گا۔ حضور امامِ بیکساں رضی اللہ عنہ اب مجھ سے سکینہ اور اصغر کی پیاس نہیں دیکھی جاتی۔ وہ اپنے اپنے بستر پر نیم بسمل کی طرح جان توڑ توڑ کر العطش العطش کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ادھر عمرو اور شمر نے لشکر کو یہ اعلان کر رکھا ہے کہ

؎ گھوڑے پئیں کتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

اب میں دیکھوں گا کہ یہ مجھے پانی سے کیسے روکتے ہیں اور آپ بھی دیکھیں گے خدا کے فضل وکرم سے میں دشمنوں کی لاشوں کے کیسے ڈھیر لگاتا ہوں ہاں حضور مجھے اجازت ہے میں بھی میدانِ کارزار میں جاؤں۔ خدا اور رسول کے دین کیلئے اپنا یہ نازنین گلا کٹا کرنانا جان کی خدمت میں سلام عرض کردوں۔

ع بر کریماں کارہا دشوار نیست

یعنی: سخیوں کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔

امام (رضی اللہ عنہ): آہ میرے دستِ راست! آہ میرے محبوب برادر! آہ میرے

تنہائی کے مونس و غمخوار! میں کس منہ سے کہوں کہ تم میدان میں جاؤ اور اپنا نازنین گلا کٹاؤ؟ کاش تم مجھے اجازت دو۔ تاکہ میں تمہارے سامنے دشمنوں سے لڑوں۔ تم میرا معرکہ دیکھو۔ مجھے راہِ حق میں شہید ہوتے ہوئے دیکھو۔ تم میری لاش اٹھا کر میدان سے لاؤ۔ آہ عباس! تمہارا دکھ مجھ سے برداشت نہ ہوگا۔ میں اپنے ایک ایک رفیق اور عزیز کو صبح سے سوار کر رہا ہوں اور میدانِ کربلا میں بھیج رہا ہوں۔ یہ فرما کر حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو ایڑ دی اور چلانا چاہا مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر رو، رو کر عرض کیا۔ حضور مجھے خدا اور رسول سے شرمندہ نہ کرائیں۔

؎ امامِ دوسرا نے سوئے میداں قصد فرمایا
تو بھر آیا رگوں میں خون آنکھوں میں جلال آیا

؎ ابھی عباس زندہ ہے ابھی عباس باقی ہے
ابھی اس کی رگوں میں جنگ کا احساس باقی ہے

اجازت مجھ کو دو میں تشنۂ جامِ شہادت ہوں
مجھے بھی کیجیے رخصت کہ میں مشتاقِ جنت ہوں

حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ عباس رضی اللہ عنہ زار و زار، رو، رہے ہیں اور دست بستہ عرض کر رہے ہیں کہ میرے ہوتے ہوئے حضور رن میں

جائیں مجھ سے یہ غم دیکھا نہ جائے گا اور میں سرکارِ مدینہ ﷺ کے دربار میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ قدموں پر گر پڑے حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے انہیں قدموں سے اٹھایا۔ سینے سے لگایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ عباس کی حسین و جمیل صورت کو دیکھ کر رونے لگے اور فرمانے لگے کہ بھیا عباس یہ چاندی صورت اب مجھ سے چھپ جائے گی۔ پھر دیکھنا نصیب نہ ہوگی۔ یہ جسمِ نازنین خاک و خون میں لتھڑ جائے گا اور میں یہ رو، رو کر کہوں گا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند بر عاشقانِ پاک طینت را

یعنی: اس اچھی رسم کی بنیاد خاک اور خون میں لت پت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پاک شخصیات پر رحمت کرے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرزندِ ساقیِ کوثر، مالکِ بحر و بر کو زار و زار، روتے ہوئے دیکھا تو رو، رو کر عرض کیا۔ حضور! مجھ سے آپ کا درد والم اندوہ وغم نہیں دیکھا جاتا۔ حضور ایک بار مسکرائیں۔ میرے مرجھائے ہوئے چمنستانِ شباب کو کھلائیں تاکہ میں خوشی، خوشی جا کر سکینہ رضی اللہ عنہا کی مشک بھر کر لاؤں اور ننھے ننھے بچوں اور بچیوں کو پانی پلاؤں۔ یہ سن کر حضور امام عرش مقام نے فرمایا۔ اچھا عباس لو اب ہم نہیں روئیں گے۔

اچھا عباس لو اب ہم نہ روئیں گے
رو کر حسین بولے کہ اچھا نہ روئیں گے

مرضی تمہاری یوں ہے تو بھیا نہ روئیں گے
تھامے رہیں گے اپنا کلیجہ نہ روئیں گے

تکتے رہیں گے چہرہ تمہارا نہ روئیں گے
بھائی کو بھائی گر نہیں روتا نہ روئیں گے

ممکن ہے ہم سے یہ کہ نہ آہ و بکا کریں
پر دل تڑپ تڑپ کے جو روئے تو کیا کریں

امامِ باوفا (رضی اللہ عنہ): میں نے تمہیں بیٹوں کی طرح پالا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسی دشمن پر یہ وقت آئے جو تیرے حسین رضی اللہ عنہ پر آیا ہے۔ آہ اپنی گود کے پالوں اور اپنی زندگی کے سہاروں کو صبح سے اپنی آنکھوں سے ذبح ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

امامِ باوفا (رضی اللہ عنہ): تمہارے بعد میرا اور ان بے سہارا سیّد زادیوں کا کون حامی و مددگار ہوگا؟ اچھا بھیا عباس! جاؤ اور تم بھی یہ سرِ نازنین راہِ حق میں کٹا کر دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جاؤ۔ نانا جان، بابا جان، امی جان اور بھیا حسن کو ہمارا بھی سلام کہنا اور پیغام دینا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) بھی میرے بعد جلد ہی آنے والے

ہیں۔ وہ ابھی ابھی آ کر تمہارے مقدس ہاتھوں سے جامِ کوثر پینے والے ہیں۔ چند منٹ انتظار فرمائیں۔ اچھا عباس! تمہارا خدا حافظ۔

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے قدموں پر گر پڑے۔ جیسے حاجی سنگِ بابِ حرم کو چومتے ہیں۔ اسی طرح یہ اپنے امامِ دو جہاں قبلۂ کون و مکاں کعبۂ ایماں کے مقدس قدموں کو چومنے لگے۔ پھر اٹھے۔ مصافحہ کیا اور اپنے امام سے آخری معانقہ کیا اور مرکبِ برق بار پر سوار ہوئے۔ آخری سلام عرض کیا اور گھوڑے کو بجلی کی طرح چمکاتے اور ہوا کی طرح دوڑاتے ہوئے میدان میں آئے اور اعداء سے خطاب فرمایا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خطاب

عباس (رضی اللہ عنہ): اے کوفیو! تم نے فرزندِ رسول، جگر پارۂ بتول کو بلا کر جو بدعہدی کی ہے اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی اور نہ قیامت تک ملے گی۔ تم نے جو ظلم و ستم آلِ رسول پر کربلا میں بلا کر کیا ہے۔ یہ پہلے نہ کسی پر ہوا اور نہ ہوگا۔ فرزندِ رسول نے جو خطبات دیئے تم نے انہیں سننا تک گوارہ نہ کیا۔ قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر پھبتیاں اڑائیں تالیاں بجائیں۔ وہ تمہیں یہی فرماتے رہے کہ تم خوب غور کر لو۔ تم کس کے سامنے کھڑے ہو؟ کس پر تلواریں چلانا چاہتے ہو؟ میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں۔ میں تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کا نورِ

نظر اور تمہارے امام رضی اللہ عنہ کا لختِ جگر ہوں۔ مجھ سے جنگ کرنا خدا اور
رسول سے لڑنا ہے مگر تم نے سب کچھ سن کر اور سب کچھ جان پہچان کر
راہِ جہنم کو اختیار کر لیا۔
انتہا یہ کہ تین دن اور تین رات سے آلِ رسول، دخترانِ بتول کا پانی بھی
بند کر دیا۔
ظالمو! بچے بے آب مچھلی کی طرح جان توڑ رہے ہیں۔
کیا تم بھی مسلمان کہلانے کا حق رکھتے ہو؟ جو آلِ رسول کو پانی کا قطرہ
تک پینے نہیں دیتے ہو۔
کم از کم بچوں کو تو پانی پلا دو۔ اتنے بے رحم تو یہود و نصاریٰ بھی نہیں تھے۔
جتنے تم ثابت ہوئے ہو۔
کیا تم صاحبِ اولاد نہیں ہو؟ افسوس صد افسوس۔

شمر (ملعون): اے عباس رضی اللہ عنہ! اب تمہارا "سوالِ آب" فضول ہے۔ میں نے
تمہیں اپنا بھانجا سمجھ کر سب کچھ سمجھا دیا۔ ہر طرح کے انعامات کا
یقین دلایا مگر تم اس قدر جلال میں آ گئے کہ تلوار سے میرا ہی خاتمہ
فرمانے لگے تھے۔ اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا۔ مجھے ہی تم نے
ٹھکانے لگا دیا تھا۔
خیر مختصر یہ کہ اپنے امام سے کہو کہ اب بھی ہمارے امیر یزید کی بیعت
فرما لیں۔ اس کے بغیر ہم پانی نہ دیں گے۔

؎ چل کر ہمارے پاس جو اصغر بھی آئے گا
سوکھے گلے پہ ہم سے وہ خود تیر کھائے گا

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا۔ آپ نے اعداء سے ایسی جنگ کی کہ میدان میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اعداء کے جسموں سے سر اس طرح اترنے لگے جیسے تیز آندھی میں بیر جھڑا کرتے ہیں۔ آپ جس صفِ اعداء پر حملہ فرماتے لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے سے یزیدی ایسے بھاگتے نظر آتے جیسے شیرِ ببر کے آگے سے بھیڑوں کا ریوڑ۔

الغرض آپ اعداء کو قتل کرتے کرتے نہرِ فرات تک پہنچ گئے۔ اور پہریداروں کو قتل فرما کر اپنے مرکب کو دریا میں ڈال دیا اور اعداء سے فرمایا:

؎ پانی کے لیے آیا ہوں تم روک کے دیکھو
میں شیرِ حسینی ہوں مجھے ٹوک کے دیکھو

دریائے فرات پر، چار ہزار سپاہی تھے جو آب (پانی) کی حفاظت پر متعین تھے۔ دو ہزار سوار اور دو ہزار پیدل ان میں سے جو بھی سامنے آئے مارے گئے۔

؎ اس جنگ میں نہ بھائی کو بھائی کی خبر تھی
ہاں تھی تو سروتن کی جدائی کی خبر تھی

آپ نے اپنے رہوار برق بار کو حکم دیا کہ اے مرکب! خوب سیر ہو کر پانی

پیو۔ گھوڑے نے زار وزار، رو کر عرض کیا۔ اے فرزندِ مرتضیٰ، دلبندِ فاطمۃ الزہرا! میری پیاس آلِ رسول سے بڑھ کر نہیں۔ جب تک اولادِ رسول پانی سے سیراب نہ ہوگی۔ میرے لیے پانی پینا حرام ہے۔ (یادگارِ شہادت)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی مشک بھری اور رہوار کو حکم دیا کہ اگر تم نے پانی نہیں پینا تو جلدی باہر نکلو۔ آپ کو پانی بھر کر نہر سے باہر آنا تھا۔ فوراً تمام ٹڈی دل لشکر نے محاصرہ کر لیا۔ آپ بھی ان پر بھوکے شیر کی طرح حملہ آور ہوئے۔

آپ نے دریائے فرات پر ایسی جنگ کی کہ چاروں طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔ ایک دشمن نے گھات لگا کر آپ کے بائیں بازو پر اس زور سے تلوار ماری کہ آپ کا بایاں بازو شہید ہو گیا۔ آپ نے مشکِ سکینہ کو فوراً دائیں کاندھے میں ڈال لیا اور دائیں ہاتھ سے جنگ کرتے رہے۔ ایک دشمن نے گھات لگا کر دایاں بازو بھی کاٹ دیا۔ پھر آپ نے وہ مشک دانتوں سے پکڑ لی اور رہوار کو چلایا تاکہ یہ پانی حسبِ وعدہ سکینہ رضی اللہ عنہا تک پہنچا دوں۔ آپ اپنے رہوار کو ہوا کی طرح اڑاتے آتے تھے کہ نوفل شقی نے آپ کے سر پر ایسا زور کا ایک گرز مارا کہ آپ اسپ پر نہ ٹھہر سکے۔ رہوار سے فرشِ زمین پر تشریف لے آئے۔ اعداء نے مشک پر تیر چلا کر پانی بہا دیا۔ آخری وقت آپ نے اپنے امام کو پکارا۔ ”یَا مَولَاہُ اَدرِکنِی“ اے آقا حسین! اپنے غلام بے دام عباس کی آ کر خبر لو۔ دیکھو یہ دونوں بازو کٹائے رَن میں پڑا ہے اور اعداء دور سے تیر برسا رہے ہیں۔

؎ اب اجل مجھ سے بغل گیر ہوا چاہتی ہے
تن سے سر کٹنے کی تدبیر ہوا چاہتی ہے

آہ! جس وقت امام کے کان میں یہ صدا پہنچی آپ نے اپنی کمر کو پکڑ کر کہا۔ آہ! اب حسین کی کمر ٹوٹ گئی۔ میرا بتیس برس کا بھائی مجھ سے جدا ہو گیا۔

آہ! حسین کی آنکھوں میں تمام دنیا تاریک ہو گئی۔ آپ فوراً علی اکبر کو ہمراہ لے کر مرکب کو دوڑاتے ہوئے عباس کی طرف آئے راستے میں عباس کے کٹے ہوئے بازو نظر آئے۔ اٹھا کر سینے سے لگا لیے اور رو، رو کر فرمایا۔

بھیا عباس! یہ تمہارے ہاتھ خدا اور رسول کے دین کی نصرت میں قلم ہوئے۔ بھیا عباس یہ تیرے بازو واہل بیت کی محبت میں کٹے ہیں۔ آپ اعداء کو مارتے کاٹتے ہوئے عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچے دیکھا کہ آپ جامِ شہادت نوش کرنے ہی والے ہیں۔ آپ بے تابانہ بھائی کی لاش سے لپٹ کر رونے لگے اور انہیں فرمانے لگے۔

کیا سو رہے ہو خاک پہ اے میرے غمگسار!
جاگو حسین لاشہ پہ آیا ہے بے قرار

عرصہ سے آپ کو نہیں ہم نے کیا ہے پیار
اٹھو گلے ملو کہ لبوں پر ہے جانِ زار

اٹھنے کی تاب گر نہ تنِ ناتواں میں ہو
آواز ہی سنا دو جو طاقت زباں میں ہو

عباس (رضی اللہ عنہ): یا امام! مجھ میں کلام کرنے کی بھی طاقت نہیں۔ آہ! میں آخری وقت یہ حسرت دل میں لے کر جان دے رہا ہوں کہ دمِ آخر آپ کی زیارت نہ کر سکا۔

امام (رضی اللہ عنہ): اے عباس رضی اللہ عنہ! کیا امر مانع ہے؟ جو تم مجھے آخری وقت دیکھ نہیں سکتے؟ آخر مجھے بھی تو بتلاؤ؟

عباس (رضی اللہ عنہ): پیارے آقا! میری ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے جب کہ دوسری آنکھ میں سر کا خون بہہ گیا ہے۔ جس نے آنکھ کو بند کر دیا۔ یہ سن کر امام رضی اللہ عنہ نے دونوں آنکھوں کو صاف کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں آنکھوں کو کھول کر ایک بار اپنے امام کے رُخِ انور کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

؎ اک آہ سرد کھینچی شہِ تشنہ کام نے
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کے سامنے

آہ! حضورِ امام رضی اللہ عنہ بھائی کی لاش کو بے گور و کفن روتے روتے چھوڑ کر مشکِ سکینہ خالی اور عَلَم لے کر خیمہ کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ حضرت سکینہ نے

جب دور سے عَلَم اور مشک کو آتے ہوئے دیکھا۔ تمام بچوں کو اعلان کر دیا کہ اے بچو! تم اپنے اپنے کوزے لے کر جلدی آ جاؤ۔ وہ دیکھو چچا عباس پانی لے کر آ رہے ہیں۔ وہ دیکھو علمِ حسینی کا پھریرا چمک رہا ہے۔

یہ سن کر تمام بچے اپنے اپنے کوزے لے کر خیموں سے باہر نکل آئے۔ جب حضور امام اور علی اکبر نزدیک آئے تو علم خون آلودہ نظر آیا اور مشک تیروں سے چھلنی نظر آئی تو بچے عباس کی مظلومی پر خون کے آنسو رونے لگے۔ آہ! جب سیّدہ زینب اور اُمِ کلثوم، شہر بانو اور زوجہ عباس رضی اللہ عنہن کو معلوم ہوا کہ عباس دونوں بازو کٹا کر دریائے فرات پر شہید ہو گئے تو سب زار و زار، رونے لگیں اور خون کے آنسو بہانے لگیں۔ دل پر غم کے آرے چلنے لگے۔ سر پر مصیبت کا پہاڑ آ گرا۔ یہ وہ مقام ہے جسے زبان بیان کرنے سے عاجز اور قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ (معرکہ کربلا۔ شہیدِ اعظم)

بچے: یَـا اِمَـامَ الْمُسْلِمِیْن رضی اللہ عنہ! آپ یہ مشک اور علم کہاں سے لائے ہیں؟ ہمارے بابا جان کو کہاں چھوڑ آئے ہیں؟ یہ پھوپھی اماں اور امی جان کیوں رو رہی ہیں؟ کیا ہم یتیم ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضور امام رضی اللہ عنہ نے بچوں کو سینے سے لگا لیا اور پھول جیسے رُخساروں اور پیشانی کو چوم کر فرمایا ہاں بیٹا! آج تم بھی یتیم ہو گئے۔ یہ فرما کر حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ خود بھی زار و زار رونے لگے اور اندوہ و غم اور رنج والم سے تھرتھر کانپنے لگے۔

فرمایا آہ بیٹو! تمہارا بابا عباس رضی اللہ عنہ میری کمر توڑ گیا مجھے اس میدان

میں تنہا چھوڑ کر جنت الفردوس کو چل دیا۔ کاش میں عباس سے پہلے شہید ہو جاتا تو میں ان یتیم بچوں کی یتیمی نہ دیکھتا۔ میرے بچو! صبر کرو۔ خدا سے اجر لو دعا کرو ربُّ العزت ﷻ تمہارے بابا کی قربانی کو قبول کرے۔ یہ سن کر چھوٹے بچے نے کہا اچھا حضور! ہم اپنے بابا کی لاش اٹھا کر میدان سے لاتے ہیں۔ دیکھیں وہ کس حال میں آرام فرما ہیں؟

دوڑا وہ سن کے نہر کی جانب کو بے پدر
اٹھ کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے کہنے لگے پسر
بابا کی لاش لانے کو جاتے ہیں نہر پر

میت نہ اٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے اعضاء کو لائیں گے

امام (رضی اللہ عنہ): بیٹا! تمہارے بابا جان کی لاش اگر اٹھانے کے قابل ہوتی تو میں خود اٹھا لاتا۔ اعداء نے ان کے جسمِ اقدس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ یہ فرما کر رونے لگے اور صبر کی تلقین فرما کر انہیں خیمہ میں بھیج دیا۔

سکینہ (رضی اللہ عنہا): جب سکینہ کو معلوم ہوا کہ چچا جان بھی شہید ہو گئے ہیں تو عباس کا وہ وعدہ جو آپ سکینہ سے کر گئے تھے یا تو ہم تمہارے لیے پانی لائیں گے یا پھر

صورت نہ دکھائیں گے آپ یاد کر کے رونے لگیں اور اپنا منہ اشکوں سے دھونے لگیں۔ پھر آ کر بابا جان کے دامن سے لپٹ گئیں اور رو، رو کر کہنے لگیں کہ چچا جان کو تمہارے پاس میں نے بھیجا تھا۔ میں بابا جان تمہیں سے لوں گی۔ میرے چچا کو لا دو۔ (شہیدِ اعظم 221)

لے کر علم یہاں سے گئے تھے میرے چچا
بھجوا دیا علم نہ خود آئے یہ کیا ہوا ؟

لوں گی چچا کو آپ سے میں شہہ ھدیٰ
وہ رہ گئے کہاں یہ بتا دو مجھے ذرا ؟

بھیجا علم نہ دھیان ہمارا ہوا انہیں
کیونکر مرا فراق گوارا ہوا انہیں ؟

شہہ نے کہا کہ صبر کر اے سوختہ جگر
خلدِ بریں کو تیرے چچا کر گئے سفر

اب مل سکو گی اپنے چچا سے نہ عمر بھر
رونے لگی امام کے دامن کو تھام کر

ڈھونڈوں کہاں وہ چاہنے والے کدھر گئے؟
ہائے میں رہ گئی! میرے چچا کدھر گئے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام حنہ تھا۔ حضرت حنہ کی دوسری بہن کا نام ایشاع تھا جو حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ حضرت یحییٰ اسی بی بی کے مقدس بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ایشاع مریم کی سگی خالہ تھیں۔ حضرت حنہ نے نذر مانی کہ الٰہی جو کچھ میرے بطن میں ہے میں اسے تیری خدمت کیلئے وقف کردوں گی۔

جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں تو والدہ نے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر حضرت زکریا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ نے مریم کو پالنا شروع کر دیا۔ مریم کی تربیت کیلئے ایک الگ کمرہ بنا دیا۔ آپ اسی مسجد کے حجرہ میں رہتیں۔ حضرت زکریا جب باہر جاتے تالا لگا جاتے۔ جب بیت المقدس میں آتے تو تالا کھول دیتے۔ آپ کے سوا اس حجرہ میں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

حضرت مریم کی قرآن کریم نے یہ کرامت بیان کی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام مریم کے حجرے میں آتے تو ان کے حجرہ میں بے موسم تازہ پھل دیکھتے۔ آپ پوچھتے کہ اے مریم! یہ پھل کہاں سے آتے ہیں؟ تو آپ فرماتیں

کہ خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ آپ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتیں۔
ایک روز آپ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھ کر یہ دعا کر رہے تھے کہ الٰہی مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا فرما۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر حضرت زکریا علیہ السلام کو بشارت دی اور عرض کیا کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام یحییٰ علیہ السلام ہوگا۔ خدا نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمایا جن کا نام یحییٰ تھا۔

ایک روز اسی حجرے میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا تنہا تھیں۔ آپ اس وقت جوان تھیں۔ ان کے پاس اچانک حضرت جبرائیل انسانی لباس پہن کر تشریف لائے۔ آپ انہیں دیکھ کر ڈر گئیں۔ فرمایا اے شخص! میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں۔ تو کون ہے؟ جو یہاں آ گیا؟ یہ سن کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا میں خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ یہ سن کر حضرت مریم نے فرمایا ابھی تو میری شادی ہی نہیں ہوئی؟ (میں ابھی کنواری ہوں) میرے ہاں بیٹا کہاں سے پیدا ہوگا؟ یہ سن کر جبرائیل علیہ السلام نے کہا خدا بغیر باپ کے بیٹا عطا کرے گا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں ایک پھونک ماری جس سے آپ اسی وقت حاملہ ہوگئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی وقت پیدا ہوگئے۔ دوسری روایت ہے کہ پورے نو ماہ مدت کے بعد پیدا ہوئے۔

جب آپ پیدا ہوئے تو لوگوں نے غلط طور پر پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا۔ ربُّ العزت نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو فرمایا اے مریم! جو تمہارے

خلاف چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ تمہیں ان کو کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم سے وہ پوچھیں گے کہ یہ بچہ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو گیا؟ تو تم بچہ کی طرف اشارہ کر دینا یہ خود ہی جواب دے گا۔

جب لوگ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آ کر سوال کیا کہ اے مریم! تم تو ابھی کنواری ہو یہ بچہ (تمہیں) کیسے پیدا ہو گیا؟ تو حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ ان کو فرمایا اے لوگو! میں اللہ کا خاص عبد (بندہ) ہوں۔ خدا نے مجھے کتاب عطا کی نبی بنایا اور برکت والا بنایا ہے۔ خدا نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور مجھے ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے۔ یہ سن کر وہ تمام لوگ حیرت زدہ ہو کر چلے گئے۔ تمام کو یقین ہو گیا کہ یہ خدا کا نبی ہو گا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ایشاع جو کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت مریم میرے سامنے آتی تھیں تو میرا بچہ یحییٰ میرے پیٹ میں ہی مریم کے بچے عیسیٰ علیہ السلام کو سجدہ کرتا۔ (تاریخ الانبیاء ص410)

اس سے چند مسائل معلوم ہوئے اوّل خدا اسباب کا محتاج نہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔

دوم: اگر کوئی فرشتہ بشری لباس پہن کر کسی کے پاس آ جائے تو اس کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اگر چہ بظاہر اس پر بشر کا اطلاق ہو جاتا ہے اور حقیقت میں وہ نور ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام لباسِ بشری پہن کر

حضرت مریم کے پاس آئے۔ لباس بشری سے جب جبرائیل ہماری طرح بشر نہیں تو حضور ﷺ جو نور ہیں خدا نے بھی انہیں نور ہی فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ: 15)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی محمد ﷺ) تشریف) آیا۔ (کنزالایمان)

مگر آپ لباس بشری میں تشریف لائے تو حضور ﷺ ہماری طرح (مَعَاذَ اللّٰه) کیسے بشر ہو سکتے ہیں اور لباسِ بشری پہننے سے حضور کے نور ہونے میں کیا فرق آ سکتا ہے؟ حقیقت تو آپ کی نور سے بھی وراءُ الوراء ہے۔

سوم: جس ذریعہ سے کوئی نعمت عطا ہو اگر اس نعمت کی اس وسیلہ کی طرف نسبت کر دی جائے تو کوئی گناہ نہیں جیسا کہ بیٹا دینے والا تو خدا ہے مگر حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے جبریل علیہ السلام نے کہا۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (المائدہ: 15)

ترجمہ: کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔ (کنزالایمان)

اگر یہ کہنا شرک ہوتا تو حضرت جبرائیل ہرگز نہ کہتے اور نہ یہ کہنے کی خدا اجازت ہی دیتا۔ خدا کے ارشاد کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا ایک نام جبرائیل بخش بھی ہوا۔ اگر کسی ولی اللہ کی دعا سے کسی کے گھر لڑکا پیدا ہو جائے تو اس کا نام پیر بخش رکھ دیا جائے تو یہ کیوں کر شرک ہوگا؟

بعض جاہل مولوی اپنی کتابوں میں محمد بخش، نبی بخش، رسول بخش، علی

بخش، حسین بخش، فرید بخش جیسے نام رکھنا شرک لکھتے ہیں حالانکہ یہ نام رکھنا قرآن سے ماخوذ ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کو جبرائیل کے واسطے سے ملے خدا نے ان کی نسبت جبرائیل کی طرف حکم دے کر کرائی۔ ایسے ہی تمام نعمتیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عطا ہوئیں۔ لہٰذا ہر چیز ہی محمد بخش ہے۔ یعنی عطائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء۔

بلا شبہ خدا دیتا ہے اور دے گا قیامت تک
مگر ملتا ہے سب کچھ مصطفیٰ کے دست اکرم سے

صفی اللہ خلیل اللہ کلیم اللہ غرض سارے
مراتب پانے والے ہیں میری سرکارِ اعظم سے (مصنف ہمدم)

چہارم: نبی کو بعطائے الٰہی ہر چیز کا علم ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ ہی میں فرمادیا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یعنی میں خدا نہیں ہوں۔ خدا کا خاص بندہ ہوں۔ آپ کو معلوم تھا کہ عیسائی لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا کریں گے اور فرمایا اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ یعنی اس نے مجھے کتاب دی ہے۔ آپ انجیل کے حافظ اور عالم پیدا ہوئے۔ حضرت مریم فرماتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں انجیل پڑھا کرتے تھے اور میں سنا کرتی تھی۔

وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا (مریم: 30-31)

یعنی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا۔ (کنز الایمان)

آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ میں اندھوں اور برص والوں کو شفاء بخشوں گا۔ مردوں کو زندہ کیا کروں گا۔ مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونک سے جان ڈال کر اڑایا کروں گا۔ یعنی جن معجزات کا ظہور بڑے ہو کر کرنا تھا انہیں گہوارہ ہی میں بیان فرما رہے ہیں۔

ہمارے آقا و مولا حضور ﷺ کی امت میں بہت سے ولی اللہ مادر زاد حافظ و عالم پیدا ہوئے۔ حضرت امام مہدی بھی مادر زاد عالم ہوں گے۔ میرے دادا مرشد حضرت خواجہ سید توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ مادر زاد عالم و حافظ و عارف تھے۔ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام مادر زاد عالم و عارف ہوئے۔ انہیں بعثت سے قبل جاہل جاننا اور سمجھنا کفر ہے۔ یہ حضرات دار العلوم الٰہیہ سے ہی تمام علوم اور حقائق و اسرار سیکھ کر آتے ہیں۔

تعلیمِ جبرائیلِ امیں تھی۔ برائے نام
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

حضرت کا علم، علم لدنی تھا اے امیرؔ
دیتے تھے قدسیوں کو سبق بے پڑھے ہوئے

شانِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مریم علیہا السلام: اے پادری! اب میرا نورِ نظر لختِ جگر خوب چلنے پھرنے لگا ہے۔ آپ اپنے دارالعلوم میں اسے بھی داخل فرما لیں تا کہ یہ بھی تمہارے طلبہ کی طرح لکھنے پڑھنے لگے۔

والدہ: بیٹا عیسیٰ (علیہ السلام)! دیکھو یہ کتنا وسیع اور حسین وجمیل دارالعلوم ہے تم یہاں داخل ہو جاؤ میں ان کو تمہارا استاد مقرر کرتی ہوں۔ یہ بہت بڑے پادری ہیں یہ تمہیں پڑھایا کریں گے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): امی جان! واقعی یہ تو بہت بڑا اور حسین وجمیل دارالعلوم ہے اور واقعی پادری بڑے لائق فائق نظر آتے ہیں۔ دارالعلوم میں رونق بھی خوب ہے۔ خوب چہل پہل نظر آتی ہے۔ اچھا میں دیکھتا ہوں اگر یہ سبق پڑھا سکا تو میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔ اچھا تم جاؤ میں سبق پڑھ کر ابھی آتا ہوں۔

پادری: پڑھو بسم اللہ

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (نمل: 30)

ترجمہ: اللہ کے نام سے جو بہت مہربان رحمت والا۔ (کنز الایمان)

پادری: اے عیسیٰ! اچھا پڑھو۔ ا۔ ب۔ ج۔ د

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے پادری! کیا تم ان حروف کے معانی جانتے ہو؟ اگر

جانتے ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ ورنہ میں خود تمہیں ان حروف کے معانی کی تعلیم دیتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔

پادری: اے عیسیٰ علیہ السلام! واقعی میں تو ان حروف کے معانی نہیں جانتا اگر تم جانتے ہو تو خدارا مجھے بھی تعلیم دو!

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): او پادری! جب تو ان حروف کے معانی ہی نہیں جانتا تو تو مجھے کتاب اللہ یا دوسرے علوم کیا پڑھائے گا؟ لو سنو! میں خود تمہیں ان حروف کے معانی کی تعلیم دیتا ہوں۔ (ا) سے مراد اللہ۔ (ب) سے مراد ہے خدا کی بہجت۔ (ج) سے مراد ہے اللہ کا جلال۔ (د) سے مراد ہے خدا کا دین۔ ٹھیک ہے نا۔

پادری: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اچھا اٹھو میں تمہاری امی جان کے پاس لے چلتا ہوں۔ تم تو دارالعلوم الٰہیہ کے مستند فاضل ہو یہ دنیا کا دارالعلوم ہے۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہاری تعلیم انجام دے سکوں۔ یہ سن کر پادری کے ہمراہ والدہ کے پاس خراماں تشریف لائے۔

حضرتِ عیسیٰ (علیہ السلام): امی جان! تم نے تو مجھے دارالعلوم میں داخل کروا دیا۔ خود میں نے بھی داخل ہونا منظور کر لیا تھا۔ اب نامعلوم پادری صاحب مجھے پڑھانے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ نہ تو میرا دارالعلوم تمہارے داخلہ کے قابل ہے اور نہ میں ہی تعلیم دینے کے قابل ہوں۔ اچھا امی جان خود انہیں سے پوچھ لو۔

مریم (علیہا السلام): اے پادری! میں نے تو اپنے نورِ نظر، لختِ جگر عیسیٰ علیہ السلام کو بڑی
محبت اور ذوق وشوق سے تمہارے دارالعلوم میں داخل کروا دیا
تھا۔ تم انہیں پڑھانے سے کیوں انکار کرتے ہو؟
بھئی جو تمہاری فیس ہوا کرے گی۔ میں ہر ماہ ادا کر دیا کروں گی۔
جب تم اتنے طلباء کو پڑھاتے ہو تو کیا میرے عیسیٰ علیہ السلام کو سبق
نہیں دے سکتے؟ آخر بتاؤ تو سہی تم انہیں کیوں نہیں پڑھاتے؟

پادری: اے مقدس خاتون! یہ تو خود میرے استاد ہیں۔ میں اسے کیا
پڑھاؤں گا؟ یہ تو خود تمام علوم پڑھا ہوا ہے۔ اسے کون پڑھا سکتا ہے؟

دستِ عیسیٰ علیہ السلام کا اعجاز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک بہت بڑے شہر سے ہوا۔ وہاں دیکھا کہ
بادشاہ کے مکان کے پاس ایک بہت بڑا اجتماع ہے۔ لوگ زاروزار رو رو کر اپنے بتوں
سے دعائیں کر رہے ہیں۔ التجائیں کر رہے ہیں۔ گڑگڑا رہے ہیں، رو رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے لوگو! یہ کیا مصیبت بالائے مصیبت ہے؟ ایک تو تم
لوگ بڑے رنج والم اور اندوہ وغم میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہو
دوسرا بڑے گڑگڑا کر بتوں سے دعائیں کرتے ہو۔ آخر قصہ کیا
ہے؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔

لوگ: اے مسافر! شاید آپ کسی دور دراز ملک یا شہر کے رہنے والے

ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم پر کیا مصیبت آئی؟ وہ سامنے جو تخت نشین ہیں۔ ہمارے بادشاہ ہیں۔ ان کے گرداگرد جو کرسی نشین نظر آتے ہیں۔ یہ سب بادشاہ کے وزراء اور ارا کینِ دولت ہیں جو ان تمام کے گرداگرد کھڑے ہیں۔ یہ تمام امصار کے بڑے بڑے پنڈت اور مہاشے ہیں، جو اپنے اپنے دیوتاؤں اور خداؤں سے دعائیں کر رہے ہیں۔ پھر ان کے چاروں طرف عام لوگ ہیں معلوم نہیں کیا وجہ ہے؟ ابھی تک ہمارے معبود نہیں مانتے۔ بادشاہ کی بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے۔ نامعلوم بچہ الٹ ہو گیا ہے یا کوئی اور کسر ہے۔ بچہ کی پیدائش نہیں ہو رہی۔ تم بھی دعا کرو شاید تمہاری دعا سے ہی ہماری ملکہ پر رحمت ہو جائے اور مشکل آسان ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: بھئی! یہ کون سی بڑی بات ہے؟ خدا کے فضل و کرم سے اگر بادشاہ کی بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ دوں تو بچہ فوراً پیدا ہو جائے گا۔ تم لوگ بڑے بے وقوف ہو تمام ملک کے پنڈت اکٹھے کر کے پتھروں (بتوں) سے دعائیں کرتے ہو۔ یہ بے حس پتھر کیا کر سکتے ہیں۔ دعا تو خدا سے کرنی چاہیے۔ نہ کہ بتوں سے یہ سن کر ان لوگوں نے اپنے بادشاہ سے عرض کیا۔

بادشاہ: یا حضرت! کیا یہ ٹھیک ہے؟ جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ میری

زوجہ کے پیٹ پر ہاتھ لگا دیں تو فوراً بچہ پیدا ہو جائے گا۔ اگر آپ کی یہی شان ہے تو آپ بھی خدارا اپنا اعجاز دکھائیں۔ ہم اور ہمارے تمام پنڈت تو بالکل عاجز ہو گئے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو بیگم صاحبہ کی خیر نہیں موت یقینی ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے بادشاہ! بالکل ٹھیک ابھی میں اپنا اعجاز دکھاتا ہوں۔ اچھا اگر میں یہ بتادوں کہ تیری بیگم کے پیٹ میں لڑکا ہے یا کہ لڑکی تو تُو ایک خدا پر ایمان لے آئے گا۔

بادشاہ: یا حضرت! آپ یہ اعجاز دکھائیں۔ میری بیگم کی جان بچائیں میں فوراً ایمان لے آؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: اے بادشاہ! تیری بیگم کے پیٹ میں لڑکا ہے اور بالکل زندہ ہے۔ اس کے رخسار پر سیاہ اور پیٹھ پر سفید تل ہے۔ یہ کہہ کر بیگم صاحبہ کے شکم پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اے لڑکے! تجھے خالقِ کائنات کی قسم دیتا ہوں کہ جلدی باہر آ جاؤ۔ یہ سن کر لڑکا فوراً پیدا ہو گیا۔ تمام لوگوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں۔ بیگم کی جان بچ گئی۔ بادشاہ بڑی خوشی سے مسلمان ہونے لگا۔ مگر پنڈتوں نے کہا کہ یہ کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ یہ اعجاز رسول نہیں بلکہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (نزہۃ المجالس جلد 2 صفحہ 433)

ایک حریص کا انجام

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر فرما رہے تھے کہ راستے میں ایک یہودی مل گیا۔ وہ عرض کرنے لگا یَا نَبِیَّ اللّٰہِ علیہ السلام ! آپ مجھے ہمراہ لے چلیں۔ آپ نے قبول فرما لیا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ایک اور یہودی کے پاس دو روٹیاں تھیں۔ جب بھوک لگی تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اسے فرمایا۔

عیسیٰ (علیہ السلام): اے یہودی! بھوک لگی ہے۔ تو وہ اپنی دو روٹیاں زنبیل (توشہ دان) سے نکال کر دستر خوان پر رکھ لو میں نے اپنی ایک روٹی رکھ دی ہے۔

یہودی: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ میرے پاس بھی ایک ہی روٹی ہے۔ لو حضور کھاؤ۔ بسم اللہ شریف پڑھو۔ خدا برکت دے گا۔ کھانا کھا کر آگے چلے۔ راستے میں ایک اندھا ملا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں دعا فرمائی تو وہ فوراً بینا (آنکھوں والا) ہو گیا۔ اسے خوب نظر آنے لگا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے یہودی! اسی خدا کی قسم جس نے میری برکت سے اس نابینے کو بینا فرمایا۔ سچ سچ بتا وہ دوسری روٹی کہاں گئی؟

یہودی: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! خدا کی قسم میرے پاس تو ایک ہی روٹی تھی دو روٹیاں میرے پاس ہرگز نہ تھیں۔ پھر آپ اس یہودی کو لے کر

آ گے چلے۔ جنگل میں ایک ہرن دوڑتا نظر آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے بلایا وہ فوراً حاضرِ خدمت ہوگیا۔ آپ نے اسے ذبح فرمایا۔ پھر اسے خوب بھونا۔ آپ نے بھی کھایا۔ اس یہودی نے بھی خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر آپ نے اس ہرن کو فرمایا۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی "اے ہرن خدا کے حکم سے زندہ ہوجا"۔ وہ ہرن فوراً خدا کے حکم سے زندہ ہوگیا اور جنگل کو چلا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: اے یہودی! تجھے اس خدا کی قسم جس نے میری دعا سے اس ہرن کو زندہ فرمایا۔ سچ سچ بتا وہ دوسری روٹی کہاں ہے؟

یہودی: یَا نَبِیَ اللّٰهِ! علیہ السلام خدا کی قسم میرے پاس تو ایک ہی روٹی تھی۔ دوسری بالکل نہ تھی۔ پھر آپ اسے لے کر آگے چلے۔ جب ایک شہر میں گئے تو یہودی نے آپ کا عصا مبارک چرا لیا اور غائب ہوگیا۔ شہر میں اعلان کرادیا کہ میں مردے زندہ کرسکتا ہوں۔ یہ دیکھو میرے پاس عصا (لاٹھی) ہے۔ اسکی برکت سے فوراً مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

عوام: اے مسافر! بھئی ہم تو خود چاہتے تھے کہ کوئی طبیبِ کامل حکیمِ حاذق ملے۔ ہمارے حاکمِ شہر سخت بیمار ہیں۔ پہلے انہیں اس عصا سے شفا بخشو۔ پھر مردوں کو بھی زندہ کرالیا کریں گے۔ یہودی گیا اور جاکر اس حاکم کے سر پر ایک زور سے عصا رسید کیا۔ جس سے وہ حاکم

شہر مر گیا۔ پھر کہنے لگا دیکھو اب یہ بالکل مر گیا ہے۔ میں ابھی اسے زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔ پھر وہ قُم بِاذْنِ اللّٰہِ۔ (یعنی: ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا'') کہہ کر عصا مبارک کو اس کے سر اور جسم پر پھیرنے لگا۔ بہت کوشش کی مگر وہ حاکم زندہ نہ ہوا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور ایک پھانسی گاڑ دی گئی تاکہ اسے پھانسی چڑھا دیا جائے۔ آخر کار اسے تختہ دار پر کھڑا کر دیا۔ خدا کی شان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے آئے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے لوگو! یہ یہودی تو میرا ہم سفر ہے تم اس بیچارے کو کیوں پھانسی لگانے لگے ہو؟ یہ تو بے گناہ ہے۔

عوام: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! اس نے پہلے تو ہمارے شہر میں اعلان کیا کہ میں مردے زندہ کر سکتا ہوں۔ جس کی مرضی ہو میرا اعجاز دیکھ لے۔ بس یہ عصا مبارک لگانے کی ضرورت ہے۔ فوراً مردہ زندہ ہو جائے گا۔ ہمارا حاکم بیمار تھا۔ ہم نے کہا اچھا تم پہلے انہیں تندرست کر دو۔ اس نے ہمارے حاکم کے سر پر ایک زور کا ڈنڈا رسید کیا۔ وہ بیچارا پہلے ہی سخت بیمار تھا۔ عصا (ڈنڈا) لگتے ہی مر گیا۔ پھر قُم بِاذْنِ اللّٰہِ۔ (یعنی: ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا'') کی رٹ لگانے لگا مگر وہ حاکم زندہ نہ ہو سکا۔ اب ہم حاکم کے قصاص میں اسے پھانسی دینے لگے ہیں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اچھا! تم اسے چھوڑ دو۔ اس سے غلطی ہو گئی۔ چلو تمہارے حاکم کو میں زندہ کر دیتا ہوں۔ لوگوں نے فوراً یہودی کو چھوڑ دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حاکم کو زندہ فرما دیا اور اس یہودی کو فرمایا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے یہودی! تجھے اس خدا کی قسم جس نے میری دعا سے مردہ زندہ فرمایا اور تجھے پھانسی سے بچایا۔ سچ سچ بتا وہ دوسری روٹی کہاں ہے؟

یہودی: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ (علیہ السلام)! خدا کی قسم میرے پاس تو ایک ہی روٹی تھی دوسری روٹی بالکل نہ تھی۔ پھر آپ نے اسے ساتھ لے کر آگے سفر فرمایا۔ راستے میں تین سونے کی اینٹیں نظر آئیں۔ آپ نے انہیں اٹھا لیا۔ آپ نے یہودی کو فرمایا

اے یہودی ایک اینٹ میری ایک اینٹ تیری اور تیسری اینٹ اس کی جس نے وہ تیری روٹی کھائی تھی، ٹھیک ہے۔

یہودی: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ (علیہ السلام)! آپ یہ اینٹ مجھے ہی دے دیں خدا کی قسم وہ تیسری روٹی تو میں نے ہی کھائی تھی۔ آپ نے اسے تینوں سونے کی اینٹیں دے کر فرمایا۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (کہف: 78)

یعنی: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے (کنزالایمان)

اچھا جاؤ اب تم آرام کرو۔ میرے ساتھ سفر کرنے کے قابل نہیں ہو۔ وہ یہودی سونے کی تینوں اینٹیں لے کر خوشی خوشی گھر جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے راستے ہی میں اینٹوں سمیت غرق فرما دیا۔ (نزہۃ المجالس جلد 1 ص 207)

ایک نابینا کی حکایت

ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر ایک بہت بڑے رئیس کے ہاں قیام فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد اس امیر کے گھر چوری ہو گئی۔ امیر نے بہت سے غرباؤ مساکین کو بلا لیا اور ان سے تحقیقات کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

اے امیر! تم نے ان مفلسوں کو کیوں جمع کیا ہے؟ آخر ان کا کوئی جرم بھی تو ہونا چاہیے۔ آخر قصہ کیا ہے؟

امیر: یَا نَبِیَّ اللّٰہ! میرے گھر چوری ہو گئی۔ یہی لوگ میرے گھر ہمیشہ آتے جاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے کوئی میری چوری کرنے والا ہے۔ اس لیے میں نے انہیں بلایا تا کہ تحقیق کروں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے امیر! اچھا تم ایسے کرو ان تمام محتاجوں کو ایک جگہ جمع کر لو۔ جب وہ تمام جمع ہو جائیں تو مجھے مطلع کرنا تا کہ میں ان میں سے تمہارا چور پکڑ کر تمہارے حوالے کر دوں۔ یہ حکم سن کر امیر نے فوراً محتاجوں کو جمع کیا اور آ کر حضور کو اطلاع دی۔ آپ اس

مجمع میں تشریف لے گئے اور جاتے ہی ایک لنگڑے کو حکم دیا کہ تو
اس نابینے پر سوار ہو جا اور نابینے کو فرمایا کہ تو اسے اٹھا کر کھڑا رہ۔

نابینا: یَا نَبِیَّ اللّٰهِ (علیہ السلام) ! میں تو ایک نابینا ہوں۔ دوسرا بہت ہی کمزور ہوں۔ بھلا میں اس ہٹے کٹے لنگڑے کو اٹھا کر دیر تک کیسے کھڑا رہ سکتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام): اے نابینے! اب تو ایک رات ہی میں کمزور ہو گیا۔ اچھا بتا جب رات لنگڑے نے اس امیر کی چوری کی تھی تو یہ کس پر سوار ہو کر مال اٹھا کر گھر لے گیا؟ یہ سن کر وہ نابینا کانپنے لگا۔ دونوں چور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امیر کے حوالہ فرما دیئے۔ فرمایا کہ یہی دونوں تیرے چور ہیں۔ باقی محتاجوں کو چھوڑ دو۔

نزول مائدہ

حواری: یَا نَبِیَّ اللّٰهِ (علیہ السلام) ! آپ خدا کے بڑے محبوب پیغمبر ہیں۔ آپ اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا فرماتے ہیں۔ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ آپ ہر طرح سے بابرکت ہیں۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں تاکہ آسمان سے خدا کھانا اتار دیا کرے۔ ہم بے فکری سے کھا لیا کریں اور خدا کی بندگی اور آپ کی اطاعت میں ہر وقت مصروف رہا کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: اے حواریو! صبر وضبط سے کام لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم خدا کی مفت نعمتیں کھا کھا کر شک وشبہ کر کے گمراہ ہو کر خدا کے عذاب کا نشانہ بن کر ہلاک ہو جاؤ۔

آخر بار بار عرض کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے ایک دسترخوان آسمان سے نازل فرمایا۔ اس میں گوشت، روٹی، پھل اور سبزیاں تھیں۔ خوشبو سے تمام دماغ معطر ہو جاتے تھے۔ صبح سے دوپہر تک ہزاروں لوگ کھاتے مگر وہ کھانا کم نہ ہوتا۔ دوپہر کو دسترخوان واپس چلا جاتا۔ اس کے کھانے سے مریض اچھے ہو جاتے۔ نابینے بینا ہو جاتے۔ کافی عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر یہ پابندی لگا دی گئی کہ ایک تو کھانے کو صرف یتامیٰ مساکین اور غرباء وفقراء کھائیں۔ اغنیاء ہرگز نہ کھائیں۔ دوسرا اسے بچا کر نہ رکھیں۔ ان دونوں شرطوں کو سن کر اغنیاء خلاف ہو گئے اور کہنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ بھلا اگر یہ خوان آسمان سے آتا تو یہ امراء پر پابندی کیوں لگاتے؟ دوسرے غرباء نے اس کھانے کو دوسرے وقت کیلئے بچانا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ نے انہیں بہت ہدایت فرمائی مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔ آخر اللہ تعالیٰ عزوجل نے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ چند دنوں میں وہ لوگ ہلاک ہو گئے تو آپ نے انہیں ارشاد فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: اے یہودیو! تمہارا دین منسوخ ہو چکا۔ تمہاری کتاب تورات بھی منسوخ ہوگئی۔ اب تم میرے دین اور میری کتاب

انجیل پر عمل کیا کرو۔ میری اطاعت تم پر فرض ہے۔ یہ سن کر یہودی اور بھی خلاف ہو گئے اور بادشاہ کو بھی بھڑکا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا جائے۔ ورنہ یہ بد دعا فرما کر تمہیں بھی بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔ جس سے تمام ملک تباہ ہو جائے گا۔

اجلاس

بادشاہ: اے منادی! جاؤ، تمام شہر میں منادی کر دو کہ آج شام اجلاس خاص ہے۔ تمام یہودی جمع ہو جائیں۔ تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔

منادی: اے بادشاہ! تمام یہودی جمع ہو گئے ہیں۔ صرف تمہارا انتظار ہے چلو اور چل کر انہیں خطاب فرماؤ۔

بادشاہ: اے یہودیو! تمہیں معلوم ہی ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بے مثال جادوگر ہیں۔ پہلے تو وہ اپنے جادو سے اندھوں اور کوڑھوں کو اچھا مردوں کو زندہ، پرندے بنا بنا کر اڑایا اور آسمان سے کھانے منگوایا کرتے تھے۔ جس کا لوگوں کو فائدہ ہی فائدہ تھا اب تو وہ لوگوں کو بہت نقصان پہنچانے لگے ہیں۔

چند دن ہوئے۔ سینکڑوں لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا کر تباہ کر ڈالا۔ اگر یہ زندہ رہے تو ہماری اور تمہاری بھی خیر نہیں ہے۔ اب انہیں

قتل کرنا ہی بہتر ہے۔

یہودی: اے بادشاہ ! یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہم ان کی عجیب عجیب کہانیاں سنتے ہیں یہ تو مادرزاد جادوگر ہیں۔ ابھی آغوشِ مادر میں ہی تھے کہ پکارنے لگے کہ "میں خدا کا بندہ ہوں۔ میں خدا کا نبی ہوں۔ مجھے خدا نے کتاب دی ہے۔ میں بہت برکت والا ہوں۔ میں نمازی ہوں۔ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں"۔ سنا ہے کہ یہ کلام سن کر تمام یہودی پادری، تمام عقلا، اور تمام فلاسفر حیران رہ گئے۔

یہ بھی سنا ہے کہ ان کی ماں بھی جادوگرنی تھی۔ وہ بچپن ہی میں اپنے جادو سے بے موسم پھل منگوالیا کرتی تھی۔ جنہیں دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام بھی حیران رہ جاتے تھے۔ وہ بھی یہی کہا کرتی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

بہرحال اگر یہ زندہ رہے تو یہ ضرور ہمیں بندر، ریچھ اور خنزیر بنا کر دم لیں گے۔ اب تو انہوں نے کھلا اعلان بھی کر دیا ہے کہ اے یہودیو! تمہارا دین اور تمہاری کتاب منسوخ ہے۔ اب بتاؤ ان کے جادوگر ہونے میں کیا شک رہا؟

بادشاہ: بھئی ! میں خود ان کے اسی قسم کے واقعات اور (معجزات) سن چکا ہوں۔ خیر ہماری زندگی اسی میں ہے کہ انہیں پتہ نہ چلے اور ہم انہیں قتل کر ڈالیں۔ اگر ان کو پتہ چل گیا تو پھر ہماری بھی خیر نہیں۔ پھر ہمیں یہ ضرور بندر اور خنزیر بنا ڈالیں گے۔ اچھا ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا جائے اور اندر گھس کر ان کو سوتے ہوئے قتل کر دیا

جائے۔ اچھا جاؤ۔

جبرائیل علیہ السلام: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ (علیہ السلام)! اب تمام یہودیوں نے تمہارے قتل اور پھانسی کا مشورہ کرلیا ہے۔ ربُّ العزت عزوجل نے فرمایا ہے کہ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ میں عنقریب آسمان پر اٹھانے والا ہوں۔ ان کے تمام برے ارادے فیل ہوجائیں گے۔

یَا نَبِیَّ اللّٰہِ (علیہ السلام)! جس وقت یہ یہودی تمہارے مکان کا آ کر محاصرہ کریں گے۔ میں تمہیں اٹھا کر آسمان پر پہنچا دوں گا۔ پھر بہت سے یہودیوں نے آ کر مکان گھیر لیا۔

یہودی: اے دوستو! مکان تو خیر گھیر لیا گیا ہے۔ معلوم نہیں وہ سوتے ہیں یا کہ جاگتے۔ اچھا کسی آدمی کو اندر دیکھنے کیلئے بھیج دیا جائے۔ ایک آدمی کو اندر بھیج دیا گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا اور آسمان پر پہنچا دیا، جو آدمی اندر آیا تھا خدا نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ پھر یہودی اندر گھس آئے اور انہوں نے اس اپنے ہی آدمی کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کرلیا۔ وہ بار بار کہتا رہا کہ میں تو تمہارا وہی ساتھی ہوں۔ جسے تم نے اندر بھیجا تھا تاکہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ کروں۔ تم پھانسی کیوں دیتے ہو؟ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ تمام لوگوں نے جمع ہو کر اُسے پھانسی پر چڑھا دیا۔ (تاریخ انبیاء جلد اول:432)

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ، رحمۃ العلمین ختم المرسلین، فخر الاوّلین و الآخرِین، ساقی کوثر، مالکِ بحر و بر، احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت و سیرت، اخلاق و عادات اور گفتار و رفتار میں بالکل مشابہ تھے۔ آپ کا جلوۂ زیبا تشنگانِ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاس بجھانے کا موجب ہوتا اور آپ کو دیکھ کر صورتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا تھا۔ جب اہلِ مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ اور قرب و جوار کو شوقِ زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیتاب کرتا تو یہ حضرات آ کر اس تصویرِ مصطفیٰ اور تنویرِ مجتبیٰ کا دیدار کیا کرتے اور شربتِ دیدار پی پی کر پیاس بجھاتے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور قلب و قالب کو منور کیا کرتے تھے۔ آپ کامل ترین شبیہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو بھی انہیں دیکھ لیتا وہ زبانِ حال سے یوں پکار اٹھتا۔

؎ بخشی ہے خدا نے تجھے توقیرِ محمد
گیسو ہیں تیرے زُلف گرہ گیرِ محمد

صورت ہے تیری عین ہی تصویرِ محمد
باتوں میں تیری لذتِ تقریرِ محمد

شوکت وہی صورت وہی دستورُ وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نُور وُہی ہے

حضور شہزادۂ کونین، سُلطانِ دارین، امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضور شہزادیِ کونین ملکۂ دارین سیّدہ طیبہ طاہرہ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت سیّدہ اُمِ کلثوم، حضرت شہربانو، حضرت اُمِ رباب، حضرت اُمِ لیلیٰ، زوجۂ عباس، زوجۂ مسلم بن عقیل اور مادرِ امام قاسم رضی اللہ عنہن غرضیکہ تمام اہلِ بیت کرام ہی حضرت علی اکبر کا احترام کرتے اور اس ہم شکلِ رسول کے دیدار پُر انوار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دلوں کو مسرور کیا کرتے تھے۔

اگرچہ دوسرے شہزادے بھی حسن و جمال اور حسنِ اخلاق میں بے مثل و بے مثال تھے۔ مگر جو ہم شکلِ رسول اور گلِ بے مثلِ باغِ بتول ہونے کا ان کو شرف حاصل تھا وہ کسی اور شہزادے کو نہیں تھا۔ تمام فرزندانِ رسول دخترانِ بتول ان کے عاشق زار تھے۔ اس لیے ان کی جدائی اور روانگی نے تمام اہلِ بیت میں حشر برپا کر دیا تھا۔

حضور نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ صبح سے یہ درد انگیز اور محشر خیز جسموں کو لرزا دینے والے حالات اور روحوں کو تڑپا دینے والے واقعات کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔ انصار کے لاشے اٹھائے۔ بھانجوں اور بھتیجوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لائے اور ہر ایک کی بے گور وکفن لاش پر خون کے آنسو بہائے اور بارگاہِ حق میں صبر وشکر کے ترانے گائے اور نیاز مندانہ سجدوں کے نذرانے پیش کیے۔

مگر جب آپ ہم شکلِ رسول اور گلِ باغِ بتول کی لاش اٹھانے میدانِ

کربلا میں گئے تو جوان بیٹے کو فرشِ زمین پر خاک وخون میں لتھڑا ہوا دیکھا۔ آپ کے قلبِ اقدس پر وہ رنج والم اور دردوغم طاری ہوا کہ صبح سے آپ کی ریش (ڈاڑھی) کے موئے مبارک (بال) سیاہ فام تھے مگر آپ کے اسے خاک وخون میں لتھڑا ہوا دیکھ کر تمام موئے مبارک سفید ہو گئے۔ کلیجہ پانی پانی ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ کمر خمیدہ اور قلب داغدار ہو گیا۔ بمشکل اس شبیہِ رسول، جگر پارۂ بتول رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر خیمہ تک لائے تھے۔

رسول زادیوں کے کلیجوں پر دردوالم کی چھریاں چل رہی تھیں اور انہیں غش پر غش آ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان زمین پر گر پڑا ہے۔ زمین ریزہ ریزہ ہو گئی ہے۔ یہ ایک ایسا محشر خیز منظر تھا کہ جسے زبان بیان کرنے سے قاصر اور قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت وہی منظر پیش کر رہی تھی جو مدینہ منورہ میں وفاتِ رسول نے صحابہ واہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا تھا۔ آخر کار اس خونی منظر کو دیکھ کر شہزادیِ رسول سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی پکار اٹھیں اور رو، رو کر یوں عرض کیا۔

یا شاہِ مدینہ! قربان جاواں جو کجھ نئیں سی تکناں تکیا اے
جیہڑا کندھے رسول تے بیٹھ داسی کندھے چک لاشاں ڈھوڈھو تھکیا اے
بال بچے تڑپدے بانجھ پانی ایسا آتشی جام جھلکیا اے
ٹولہ کوفیاں شامیاں ظالماں دا بارگاہ خدا دا دھکیا اے

قاسم علی اکبر عباس ٹر گئے زخم وچہ کلیجڑے پکیا اے

پاک داماں پاک شہزادیاں توں اج شمر ملعون نہ جھکیا اے

لاشے اوہناں دے جنگلاں وچ رُلدے پردہ جنّاں جہان دا رکھیا اے

تیرے دین دے واسطے اے نانا موہرا تلی تے رکھ کے پھکیا اے

صابر ویر دی بہن ناں آہ ماراں رہندا نیر نہ اکھیوں ڈکیا اے

پھل زہرا دے باغ دا وائے حسرت اک اک کر کے توڑ سٹیا اے

چایا بھار حسین نے وچ کربل جنوں کوئی وی چا نہ سکیا اے

حضور نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول نے دیکھا کہ زین العابدین تو سخت بیمار ہیں اور ان کو شدتِ بخار کی وجہ سے غش پر غش آ رہے ہیں۔ دوسرا علی اصغر شیر خوار ہے۔ اب صرف ہم شکلِ رسول، گلِ باغ بتول علی اکبر رضی اللہ عنہ ہی رہتے ہیں جو اٹھارہ برس کے کڑیل جوان ہیں۔

خود حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ بھی اس شہزادے کے بہت ہی عاشقِ زار تھے۔ کہ ان کے دیدار کو شربتِ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اپنی تشنگیِ دیدار بجھایا کرتے تھے اور انہیں دیکھ کر اپنے دل اور کلیجہ کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ اب آپ اس شبیہہِ رسول کو کیسے فرماتے کہ بیٹا تم رن میں جاؤ اور اپنی گردن کٹاؤ۔ اس لیے اب حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے خود ہی سلاحِ جنگ (ہتھیار) زیبِ تن فرمایا اور اپنے مقدس رہوار برق بار پر سوار ہو کر میدانِ کارزار کی طرف چلنے کا عزم فرمایا۔

جب شہزادے کو معلوم ہوا کہ خود تنہا امام عرش مقام رضی اللہ عنہ جنگ کی تیاری فرما رہے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور تھر تھر کانپنے لگے اور رو، رو کر حضور امام سے عرض کرنے لگے۔

علی اکبر: باباجان! علی اکبر تمہارے قدموں پر قربان آپ میرے ہوتے ہوئے کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آخر باباجان مجھے بھی تو بتائیں؟

امام عرش مقام رضی اللہ عنہ: اے بیٹا! تمہیں معلوم ہی ہے کہ اب میرے لشکر میں جہاد کرنے اور لڑنے کے قابل کون رہا ہے؟ زینُ العابدین رضی اللہ عنہ بیمار ہے۔ علی اصغر رضی اللہ عنہ شیر خوار ہے۔ تم شبیہِ رسول ہو۔ تمہارا دیدار شہزادیوں کیلئے موجبِ راحتِ جان ہے۔ جب یہ سنیں گی کہ علی اکبر شہید ہو گئے تو تمہارے غم میں بے آب مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو جائیں گی۔

بیٹا تمہارا داغِ مفارقت خود میں بھی برداشت نہ کرسکوں گا۔ بیٹا میں نے میدانِ کربلا میں بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب تم اور میرے سر پر کیا مصائب و آلام کے پہاڑ رکھنا چاہتے ہو؟ اچھا بیٹا! تمہارا خدا حافظ۔ مجھے رن کی اجازت دو تا کہ میں جا کر راہِ خدا میں یہ سرِ نیاز کٹاؤں، نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم باباجان اور امی جان کے دربارِ اقدس میں جا کر تمہارا حال سناؤں۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ: (رو، رو کر) باباجان! آپ شربتِ شہادت کے بھی ساقی ہیں اور

حوضِ کوثر کے بھی۔ آپ صبح سے اعوان و انصار کو اور شجاعانِ اہلِ بیتِ
اطہار کو جامِ شربتِ شہادت پلا رہے ہیں اور انہیں لباسِ شہادت میں
ملبوس فرما فرما کر عروسِ شہادت سے ہمکنار فرما رہے ہیں۔ خدارا آپ
مجھے کیوں جامِ شربتِ شہادت سے محروم رکھتے ہیں؟

بابا جان مجھ سے تو عون و محمد رضی اللہ عنہ ہی ہزار درجے اچھے رہے اور مجھ سے تو
چچا عباس رضی اللہ عنہ اور بھیا قاسم و عبداللہ اور دیگر عزیزان و اعوان و انصار ہی اچھے
رہے، جو شہادت و شجاعت میں بازی لے گئے اور ان بے دین کوفیوں کو حق و
صداقت کا سبق دے گئے۔

بابا جان یہ دیکھو۔ صبح سے میری رو، رو کر آنکھیں پتھرا گئیں اور جسم سے
جوشِ شہادت اور آتشِ شجاعت کے شعلے نکل رہے ہیں۔ آخر میں بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا نواسہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پوتا، فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نورِ نظر، حسین رضی اللہ عنہ کا لختِ جگر ہوں۔
میری رگوں میں بھی ہاشمی خون جوش مار رہا ہے۔ میں شیرِ خدا کا شیر بیٹا ہوں۔
میں عورت نہیں جو چوڑیاں پہن کر خیمہ میں چھپ جاؤں اور بروزِ حشر
خدا اور رسول اور شہدائے کربلا کے سامنے ندامت اٹھاؤں۔

بابا جان! خدارا واپس تشریف لاؤ اور میدانِ کارزار کیلئے مجھے اجازت
عطا فرماؤ تاکہ میں ان یزیدی سگوں (کتوں) کو چھٹی کا دودھ یاد کراؤں اور
میدانِ کارزار میں ان کے چھکے چھڑاؤں اور پھر رو، رو کر یوں عرض کیا۔

؎ اکبر کی یہ ہے عرض کہ اب رَن کی رِضا دو
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو

بابا میری صورت کو تم اب دل سے بھلا دو
امّاں سے بھی رخصت مجھے مرنے کی دلا دو

کٹواؤں گا سر رن میں میں اب آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

حضرت امام رضی اللہ عنہ: (رو، روکر) بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ! یہ تصویرِ مصطفیٰ، تنویرِ مجتبیٰ، جب خاک و خون میں تڑپے گی تو وہ منظر مجھ سے دیکھا نہ جائے گا۔ بیٹا تمہیں دیکھ کر اہلِ مدینہ کی نظروں میں صورتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آ جایا کرتی تھی اور ان کے دلوں میں تنویرِ مجتبیٰ سما جایا کرتی تھی۔ میں اور تمام گھر والے تمہیں دیوانہ وار دیکھ کر صورتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کیا کرتے تھے۔

جب تمہیں تمہاری پھوپھی اماں، تمہاری اماں جان، تمہاری امی شہر بانو تمہاری ممانی جان، چچی جان اور تمہاری بہنیں نہ دیکھیں گی تو وہ تمام نیم بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائیں گی۔

بیٹا اب اہلِ بیت کے پاس کیا کوئی بیٹا ہے؟ جو اِن کی آنکھوں کا تارا اور

ان کے زخمی دلوں کا سہارا بن سکے۔ میں کسی صورت تمہیں اجازت دینے کو تیار نہیں۔ مجھ سے اور تمام دختران رسول سے تمہارا دردو غم اور رنج والم برداشت نہ ہوگا۔ بیٹا تمہارا شربت دیدار ہماری حیات قرار ہے۔ آپ نے رو، رو کر فرمایا۔

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا مے روی

ترجمہ: اے وہ ذات کہ جس کا چہرہ تمام جہان والوں کیلئے جلوہ گاہ (زیارت کی جگہ) ہے تو جلوہ دیکھنے کیلئے کہاں جارہا ہے۔

علی اکبر(رضی اللہ عنہ): (رو، رو کر) جب دیکھا کہ حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ مجھے کسی بھی صورت اجازت نہ دیں گے۔ آخر رو، رو کر قدموں پر گر پڑے اور امام عرش مقام کے آگے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اجازتِ جہاد طلب کرنے لگے اور امام کو واسطے دے دے کر اجازت مانگنے لگے اور یوں عرض کیا۔

بہرِ رسول رَن کی رِضا دیجیو مجھے
صدقہ علی کا اِذنِ وفا دیجیو مجھے

مرتا ہوں یا امام جلا دیجیو مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیو مجھے

کھولو کمر حضور جو دل کو قرار ہو
فرمایئے کہ جا علی اکبر نثار ہو

یہاں پر یہ دردانگیز اور محشر خیز مکالمہ باپ اور بیٹے کے درمیان ہو رہا تھا۔

اُدھر خیامِ اہلِ بیت میں ایک الگ حشر برپا تھا۔ امام زَینُ العابدین کو غش پر غش آ رہے تھے اور شدتِ بخار سے دورے پر دورے پڑ رہے تھے۔

حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شدتِ پیاس کی وجہ سے جان لب پر آ چکی تھی۔ زبان کانٹے کی طرح خشک ہو چکی تھی۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہے تھے۔

حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا بھی شدتِ پیاس کی وجہ سے بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھیں اور غشی پر غشی طاری تھی۔ جب ہوش آیا تو ہائے پانی، ہائے پانی کی صدا بلند ہوتی تھی۔

درِ خیمہ پر بھائیوں، بھانجوں، بیٹوں اور شوہروں کے بے گور وکفن لاشے ایک علیحدہ خونی منظر پیش کر رہے تھے۔ غرضیکہ میدانِ کربلا آج میدانِ حشر کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ الغرض اس محشر خیز خونی منظر کو دیکھ کر دخترانِ رسول یوں پکار اٹھیں۔

سیدزادیاں خیمیاں وچہ رودن پھُل ملے وچہ خس وخاشاک ساڈے
ساڈے شور تھیں پھٹ زمین جاوے سنے نعرے جے شاہِ لولاک ساڈے

فنا چرخِ بریں دی ہو جاوے ایسے ہیں نالے دردناک ساڈے
شرع نانے دی رکھ وکھا دتی بھانویں ہو گئے دامن چاک ساڈے

سانوں شہر مدینیوں لے آندا کربلا اندر اَللہ پاک ساڈے
جھلّے سخت طوفان مصیبتاں دے پھل رل گئے نے اندر خاک ساڈے

حضور شہزادیِ رسول، جگر پارۂ بتول کو کنیز سے معلوم ہوا کہ شہزادۂ کونین سُلطانِ دارین، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سامانِ جنگ میں ملبوس ہو کر میدانِ کارِ زار میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر علی اکبر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی باگ پکڑی ہوئی ہے۔ کبھی ہاتھ باندھتے ہیں۔ کبھی قدموں پر گرتے ہیں۔ انہیں منا رہے ہیں کہ حضور آپ رَن میں تشریف نہ لے جائیں بلکہ آپ مجھے اپنے مقدّس ہاتھوں سے سامانِ حرب پہنائیں اور مجھے خوشی سے رن کی اجازت مرحمت فرمائیں مگر آپ شہزادے کو رَن کی اجازت نہیں دے رہے۔

شہزادیِ کونین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خیمہ کے اندر سے دیکھا کہ باپ بیٹے میں اذنِ جہاد پر ایک بڑا پر زور مکالمہ ہو رہا ہے۔ مگر امام رضی اللہ عنہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کو رن کی اجازت نہیں دے رہے۔ یہ دیکھ کر حضرت سیّدہ نے کنیز کو حکم دیا۔

سیدہ: اے کنیز! جلدی جاؤ۔ میرے اکبر کو کہو کہ تمہیں خیمہ میں تھوڑی دیر کے لیے زینب بلاتی ہیں۔ یہ سن کر کنیز گئی۔

"فِدَاكَ اُمِّیْ وَاَبِیْ وَرُوْحِیْ وَجَسَدِیْ"

کنیز: اے شہزادے! آپ کو میری شہزادی زینب دیر سے یاد کر رہی ہیں۔ آپ کی فرقت میں بے آب ماہی کی طرح تڑپ رہی ہیں اور آپ کی مادرِ گرامی کا بھی بہت غیر حال ہے۔ وہ بھی نیم بسمل کی طرح جان توڑ رہی ہیں۔ آپ کی پھوپھی اماں نے خاص کر یہ پیغام دیا ہے۔

آگے نہ بڑھنا تم کو قسم ہے بتول کی
اکبر بلا رہی ہے نواسی رسول کی

علی اکبر رضی اللہ عنہ: اے کنیز! اچھا پھوپھی اماں سے کہو میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ جب آپ خیمہ میں تشریف لائے تو حضرت اُمِ لیلیٰ بیٹا بیٹا کہہ کر علی اکبر سے لپٹ گئیں اور رو، رو کر جوان بیٹے کو فرمانے لگیں۔ اے بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ! کیا تم بھی اب ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہو؟ کیا تمہیں باپ کی ضعیفی پر رحم نہیں آتا؟ تمہارے بعد ان کا کون سہارا ہوگا؟ وہ تمہارے غم میں تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو جائیں گے۔ وہ تو یونہی زندہ درگور ہیں۔ پھر نا معلوم تمہارے بعد ان کا کیا حال ہوگا؟ یہ سن کر علی اکبر نے ماں کو دست بستہ عرض کی۔

علی اکبر: اماں جان! میں سب کچھ جان رہا ہوں اور سب کچھ صبح سے دیکھ رہا ہوں۔ (رو، رو کر) اماں جان یہ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کہ

فرزندِ رسول میرے سامنے ذبح ہوں اور میں عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر خیمہ میں بیٹھا رہوں۔ میں نے صبح سے جو نہ دیکھا تھا وہ بھی دیکھ لیا۔ اب مجھ سے رہا نہیں جاتا۔

پھوپھی اماں نے امام رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی قربانیاں پیش فرمادیں۔ تائی اماں نے تمام جوان بیٹے امام کے قدموں پر فدا کر دیئے۔ چچی اماں نے اپنے دلبندوں کو امام کے قدموں پر نثار کر دیا۔ اب میں ہوں یا بابا جان ہیں۔

دشمن بابا جان کو قتل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اگر دشمنوں کے سامنے میں لڑنے کو نہ جاؤں تو اور کون جائے گا؟ کیا بابا جان کو بھیج دوں؟ کہ بابا جان تم رَن میں جاؤ اور اپنا پیارا پیارا گلا کٹاؤ۔

یہ سن کر مادرِ گرامی نے ایک دردناک نعرہ مارا اور فرشِ زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئیں اور بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے مقدس گیسوؤں سے خوشبو سونگھائی اور ہوش میں لائے اور رو، رو کر قسمیں دینے لگے۔

اَمّاں تمہیں حیدر کی قسم مجھ کو رِضا دو !
بابا کے تمہیں سر کی قسم مجھ کو رِضا دو !

دیتا ہوں پیغمبر کی قسم مجھ کو رِضا دو !
تم کو علی اصغر کی قسم مجھ کو رِضا دو !

یہ سمجھو کہ پیدا نہ ہوا تھا علی اکبر!
اک بار یہ فرما دو کہ اب جا علی اکبر!

مادرِ گرامی: اے بیٹا علی اکبر! تم شبیہِ احمدِ مختار ہو۔ ہمشکلِ رسولِ کردگار ہو۔ ہمارے لیے تمہاری زیارت۔ زیارتِ رسول ہے۔ بیٹا جب ہم تمہیں دیکھ لیتی ہیں۔ ہماری نگاہوں میں صورتِ رسول ﷺ آجاتی ہے۔ دلوں میں تنویرِ مصطفیٰ سما جاتی ہے۔ بیٹا ہمارے پاس اب کیا رہا ہے؟ تمام بیٹے، بھائی، بھانجے، بھتیجے درِ خیمہ پر خاک وخون میں لتھڑے پڑے ہیں۔ ابھی انہیں تمہارے بابا جان نے کفنایا اور دفنایا تک بھی نہیں۔ کیا یہ کام تمہارے بابا جان تنہا کریں گے؟

آہ بیٹا میں کس منہ سے کہہ دوں کہ اکبر جاؤ اور دشمنوں سے اپنا پیارا گلا کٹاؤ؟ کاش تمہارا کوئی بیٹا ہوتا آج وہ تم سے اجازت مانگتا تو تمہیں پتہ چلتا۔

؎ اس واسطے غم میرا تجھے یاد نہیں ہے
بیٹا علی اکبر تیرے اولاد نہیں ہے

علی اکبر (رضی اللہ عنہ): اچھا امی جان! اگر تم اجازت نہیں دیتی ہو تو میں پھر تمہیں تا عمر کبھی شکل نہ دکھاؤں گا۔ میں اپنی جان سے زیادہ اپنے بابا جان کو عزیز سمجھتا ہوں۔ ان کے قدموں پر قربان ہونے کو حیاتِ ابدی

تصور کرتا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو میں دنیا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ مجھے لوگ کیا کہیں گے؟ کہ تمام فرزندانِ رسول تو امام پر قربان ہو گئے اور علی اکبر عورتوں کی طرح چوڑیاں پہنے خیمے میں چھپا رہا۔ امی جان میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کیا جواب دوں گا۔

دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی

جب پسر و مادر کا یہ دردانگیز مکالمہ یہاں تک پہنچا تو یکبار رحمۃ للعالمین ختم المرسلین کے روضۂ انور کو حرکت ہوئی اور تھر تھر کانپنے لگا۔ حضور نے اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہا کو یوں خطاب فرمایا:

روضہ سے محمد کی صدا کانوں میں آئی
بی بی تیری آہوں نے میری قبر ہلائی

حق دودھ کا یہ ہے کہ تو اکبر کو جدا کر
اپنی یہ کمائی میری امت پہ فدا کر

یہ آواز جب حضرت اُمِ لیلیٰ نے سنی۔ زار وزار، رو، رو کر یہ عرض کیا۔ نانا جان! آپ کو میری دردانگیزی سے بہت تکلیف پہنچی مگر جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اسی طرح میری رضا ہے۔ میں اپنا یہ فدیہ بخوشی آپ کے نواسے کے قدموں

پرنثار کرتی ہوں، اور رو رو کر عرض کی۔ (ذکرِ شہادتین صفحہ 99)

جو تیری رضا ہے وہی مقصد ہے ہمارا
امت کیلئے نانا کی سب کچھ ہے گوارا

اکبر سے کہا جاؤ گلا رَن میں کٹاؤ
اٹھارہ برس کی میری دولت کو لٹاؤ

اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہا: اے کنیز! ذرا تھوڑی دیر کیلئے فرزندِ رسول کو خیمہ میں بلا لاؤ۔ عرض کرنا کہ تمہیں مادرِ علی اکبر رضی اللہ عنہ یاد کرتی ہیں۔

کنیز: یا امام المسلمین رضی اللہ عنہ! آپ کو خیمہ میں علی اکبر رضی اللہ عنہ کی مادرِ گرامی یاد فرماتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ حضور سے کہو کہ تھوڑی دیر کیلئے خیمہ میں تشریف لا کر کنیز کی بات سن جائیں۔

امام رضی اللہ عنہ: اے اُمِ لیلیٰ! خیر تو ہے! مجھے خیمہ میں کیوں بلایا گیا؟ ہاں علی اکبر رضی اللہ عنہ والا مقدمہ تو میرے سامنے نہیں پیش کرنا؟ یہ مسئلہ میرے حل کرنے کا نہیں ہے۔

میں شبیہِ رسول، گلِ باغِ بتول کو کیسے کہہ دوں کہ رَن میں جاؤ اور اپنا پیارا گلا دشمنوں سے کٹاؤ اور خاک وخون میں نہاؤ۔ ہمیں اپنی فرقت میں رلاؤ۔ مجھے خود دشمنوں کے ہاتھوں ذبح ہونا منظور ہے مگر میں اس ہم شکلِ رسول کو خاک وخون میں لتھڑا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔

اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہا: اے امامِ دو جہاں، سلطانِ کون ومکاں، یہ دیکھو میرے بچے نے رو، رو کر آنکھیں سُجا لی ہیں۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ برابر کے بھائی اور چھوٹے بچے بھی مجھ سے بازی لے گئے اور میں اب تک چوڑیاں پہنے اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہوں۔

انصاف آپ کیجئے اے سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب

مارا گیا نہ آج تو واللہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا ہے غضب

سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

امام (رضی اللہ عنہ): اے اُمِ لیلیٰ! علی اکبر رضی اللہ عنہ کو اجازت دینے کا اختیار مجھے تو نہیں ہے؟ مجھ سے زیادہ حق سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ہے۔ جس نے انہیں آج تک پال پوس کر جوان کیا ہے۔

اے اُمِ لیلیٰ (رضی اللہ عنہا)! مجھ پر اور زینب رضی اللہ عنہا پر تو رحم کرو۔ وہ کلیجے کے دو ٹکڑے ابھی ابھی خون میں نہلا چکی ہیں۔ تم دیکھنا میرے بعد شہزادیٔ رسول، علی اکبر رضی اللہ عنہ کی یاد میں اس کی لاش سے لپٹ لپٹ کر جان دے دے

گی۔اس نے اپنی راتوں کی نینداور دنوں کا آرام علی اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے حرام کر رکھا تھا۔اب اس شیر کو موت کے منہ میں دے دینا ناشاد زینب رضی اللہ عنہا پر ایسا ظلمِ عظیم ہو گا جسے سن کر اولاد والے تڑپ جائیں گے۔ابھی امام رضی اللہ عنہ کا کلام معجز نظام ختم نہ ہونے پایا تھا کہ اپنے خیمہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی تشریف لے آئیں اور یوں عرض کیا۔

سیدہ (رضی اللہ عنہا): ماں جائے حسین! سنا ہے کہ آپ اور بھابی جان نے علی اکبر کو رن کی اجازت دے دی ہے۔اچھا کیا، خیر کم از کم مجھ بدنصیب کا تو کچھ خیال کیا ہوتا۔بھیا میں کون تھی؟ جو آپ مجھ سے اجازت لیتے۔میں پھوپھی نہ تھی۔میں تو ایک علی اکبر کی کھلائی تھی۔

خدا شاہد ہے کہ ایک دم کیلئے بھی اگر علی اکبر مجھ سے غائب ہو جائے تو میں دیوانی ہو جاتی ہوں اور دل میں ہزاروں طرح کے وہمات پیدا ہوتے ہیں۔بھیا تم نے بدنصیب زینب (رضی اللہ عنہا) کو میدانِ کربلا میں اچھا صلہ دیا۔مجھے خبر نہ تھی کہ جس علی اکبر پر میں جان نثار کرتی ہوں اور راتیں جاگ جاگ کر پالتی رہی ہوں وہ میرا نہیں بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔

اچھا کیا اجازت دے دی۔کم از کم اجازت دیتے وقت مجھے بھی بلا لیا ہوتا۔میں بھی تمہارے مشورے میں شامل ہو جاتی مگر میرا علی اکبر رضی اللہ عنہ پر کیا حق تھا؟ جو مجھ سے پوچھا جاتا۔آج کربلا کے میدان نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اپنے پیٹ اور دوسرے کے پیٹ میں یہ فرق ہوتا ہے۔اچھا بھیا! تم شاد رہو۔آباد

رہو۔ میری خیر ہے۔

یہ کہہ کر سیدہ نے علی اکبر کی طرف دیکھا تو وہ پھوپھی اماں کی گفتگو سن کر رو، رہا تھا۔ فرمایا بیٹا جب تمہیں حسین رضی اللہ عنہ اور تمہاری ماں رن کے لیے گلے لگا لگا کر رخصت کریں گے تو میں تمہاری بلائیں لوں گی۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئیں۔ بے ہوشی میں کہہ رہی تھیں۔

بھیا حسین رضی اللہ عنہ! تم نے میرے بغیر کس طرح میرے اکبر کو اجازت دے دی؟ ابھی تو بدنصیب پھوپھی زندہ تھی۔ کم از کم مجھے بھی بلا لیا ہوتا۔ سیدہ کو ہوش میں لانے کی ہر تدبیر کی گئی مگر انہیں ہوش نہ آیا۔

اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہا: اے علی اکبر رضی اللہ عنہ! انہیں ایسے ہوش ہرگز نہ آئے گا۔ تم ان کے منہ کے آگے اپنے گیسو کر دو۔ جب انہیں خوشبو آئے گی تو یہ فوراً ہوش میں آ جائیں گی۔

علی اکبر: امی جان! میرا سر اس قابل نہیں کہ میں ان کے سامنے اپنے موئے مبارک کھول کر انہیں سنگھاؤں۔ مجھے شرم آتی ہے۔ یہ کہہ کر اپنا سر پھوپھی اماں کے سینہ پر رکھ دیا۔ سیدہ زینب کو جو علی اکبر کے موئے مبارک کی خوشبو آئی تو حضرت سیدہ کو ہوش آ گیا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کا سر پھوپھی اماں کے سینے پر رکھا ہوا ہے اور زار و زار، رو، رہے ہیں۔

پھوپھی اماں نے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ اچھا بیٹا! رن کو جاؤ اور اپنا پیارا

گا راہ خدا میں جا کر کٹاؤ۔ بیٹا علی اکبر عون ومحمد کو خوشی خوشی بھیا حسین کے قدموں پر قربان کیا۔ انہیں یاد تک نہ کیا۔ مگر تیری یاد ہمیشہ خون کے آنسو رلائے گی۔ آہ ناشاد زینب رضی اللہ عنہا! تیرا یہ غم جدائی نہ دیکھتی۔ تیری شہادت سے پہلے فوت ہو جاتی۔ اچھا بیٹا خدا حافظ جاؤ اللہ حافظ۔۔۔۔۔

امام پاک رضی اللہ عنہ: اے زینب رضی اللہ عنہا! دنیا میں میری بہن ہو تو تم ہو، ماں ہو تو تم ہو، تم نے کربلا میں میرا ایسا ساتھ دیا ہے جو قیامت تک کوئی ماں اور بہن نہ دے گی۔ تمہاری اس مختصر گفتگو نے میرے دل کو پاش پاش کر دیا ہے۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ میں نے علی اکبر کو جس روز سے تیری گود میں دیا ہے۔ کبھی اکبر کے معاملہ میں میں نے اور تیری بھاوج نے کسی امر کا کبھی دخل نہیں دیا۔ تم ہی علی اکبر کی ماں ہو اور تم ہی پھوپھی ہو۔

علی اکبر، حسین رضی اللہ عنہ کا بیٹا نہیں بلکہ زینب رضی اللہ عنہا کا بے دام غلام ہے۔ میں اُم لیلیٰ سے یہی کہہ رہا تھا کہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی اجازت کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ اس کی اصل ماں زینب ہے جس نے اسے پالا ہے۔ وہی اجازت دے گی۔ وہی سامانِ جنگ پہنائے گی۔ وہ جانے علی اکبر جانے۔ میں نے یہی علی اکبر سے کہا اور یہی ام لیلیٰ سے کہا۔ میں اب بھی علی اکبر سے یہی کہتا ہوں کہ اپنی پھوپھی اماں سے اجازت لے لو۔ ہمیں اجازت کا کوئی حق نہیں۔ پیاری بہن مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اکبر میرا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔ یہ سن کر علی اکبر پھوپھی اماں کے قدموں پر

گر پڑے اور ان سے اجازت لینے لگے۔ سیّدہ نے جوان بیٹے کی پیشانی چوم کر فرمایا۔ اچھا بیٹا جاؤ۔ اپنے سر کو راہِ خدا میں قربان کر دو۔ میں تمہیں بخوشی اجازت دیتی ہوں۔ بیٹا علی اکبر! اچھا اب تم اپنے بابا جان اور اپنی اماں جان سے بھی اجازت لے لو۔ (تاریخ شہادتین صفحہ 223)

یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

نواسۂ رسول اور دخترانِ بتول کا یہ دردناک مکالمہ سن کر تمام دخترانِ رسول خون کے آنسو رو رہی تھیں اور غش پر غش پڑ رہے تھے۔ کلیجوں پر چھریاں چل رہی تھیں۔ دائمی جدائی کے آرے سے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ جب یہ اپنی پھوپھی جان، امی جان اور تمام شہزادوں سے رخصت ہو کر چلے تو خیموں میں حشر برپا تھا۔

پھوپھی بلائیں لے کے لگی کرنے یہ بیاں
آفت میں ہم کو چھوڑ کے واری چلے کہاں

لپٹی ہوئی تھیں قدموں سے بہنیں بصد فغاں
رو رو کے کہہ رہی تھیں یہ بانوئے خستہ جاں

مرنے کو قتل گاہ میں اکبر جواں چلے
گر حکم ہو تو لاش پہ رونے کو ماں چلے

علی اکبر رضی اللہ عنہ: بابا جان! علی اکبر (رضی اللہ عنہ) تم پر ہزار دل و جان سے قربان۔ میں!!
پھوپھی اماں، امی جان، تائی جان اور چچی جان اور بہنوں سے تو
رخصت ہو آیا ہوں۔ اب للہ آپ بھی مجھے اجازتِ رَن (میدان
کی) عطا فرمائیں اور مجھے بھی اپنے ہاتھوں سے لباسِ جنگ
پہنائیں اور دولہا کی طرح آراستہ و پیراستہ فرمائیں اور مجھے بھی
عروسِ شہادت سے ہمکنار ہونے کا موقع مرحمت فرمائیں تاکہ
میں بھی فردوسِ اعلیٰ میں پہنچ کر نانا جان، دادا جان اور تایا جان کے
ہاتھوں سے حوضِ کوثر کے چھلکتے ہوئے جام نوش کروں۔

امام (رضی اللہ عنہ): بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ! میرا تو ارادہ یہی تھا کہ گلِ باغِ بتول اور ہم شکلِ
رسول سے پہلے میں اعداء سے لڑ کر تاجِ شہادت حاصل کروں۔ تم
سے پہلے جا کر نانا جان، بابا جان، امی جان اور بھیا حسن کی قدم
بوسی کروں۔ آہ تم نے مجھے میدان سے روک کر طرح طرح کے
امتحانات میں مبتلا کر دیا۔

یہ بوڑھا باپ ہم شکلِ رسول کو جب خاک و خون میں تڑپتا دیکھے گا تو کیا
اس کے قلب و جسم پر درد و غم اور رنج و الم کے آرے نہ چلیں گے؟ اچھا بیٹا خدا
حافظ یہ کہہ کر جوان بیٹے کو سینے سے لگایا، پیشانی کو چوما اور اپنے ہاتھوں سے علی
اکبر کے سر پر عمامۂ مصطفائی باندھا اور ذوالفقارِ حیدری کمر سے لگائی اور نیزہ ہاتھ
میں تھمایا اور رو، رو کر، رہوار برق بار پر سوار فرمایا اور فرمایا اچھا بیٹا علی اکبر جاؤ اور

راہِ حق میں یہ اپنا سرِ نیاز کٹاؤ نانا جان ﷺ، بابا جان اور امی جان سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ تھوڑی دیر اِنتظار فرمائیں۔ میں بھی علی اکبر کے بعد جلد ہی حاضرِ خدمت ہونے والا ہوں۔ اچھا بیٹا علی اکبر جاؤ اور تم بھی دل پر زخمِ غم لگاؤ۔

؎ میدانِ کارزار سے اکبر نہ آئیں گے
جیتے رہے تو لاش گلے سے لگائیں گے

لکھا ہے کہ جس وقت علی اکبر ماں، پھوپھیوں اور تمام بہنوں سے اور امام سے رخصت ہو کر میدان کو چلے تو علی اصغر بھی یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور خون کے آنسو بہانے لگے۔ گویا زبانِ حال سے عرض کرتے تھے کہ بھیا اچھا تم جا رہے ہو اور میں تمہاری جدائی میں بے قرار ہوں۔ خیر تھوڑی دیر انتظار فرمانا۔ میں ابھی تمہارے بعد آرہا ہوں۔ بابا جان نے میرا نام بھی شہداء کی فہرست میں درج فرما لیا ہے۔ اچھا تم چلو میں بھی آتا ہوں۔

؎ جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے
اکبر جدا جس وقت علی اصغر سے ہوتے تھے

الغرض حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ تمام سے رخصت ہو کر اپنے رہوار برق بار کو بجلی کی طرح دوڑاتے ہوئے اور ذوالفقارِ حیدری کو چمکاتے ہوئے اپنے جلوہ زیبا سے آفتاب کو شرماتے ہوئے جب میدان میں تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر تمام کوفی تھرّا گئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

؎ کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

لشکری: (تعجب سے) یہ کون شہزادہ ہے؟ یہ تو بالکل ہی صورت وسیرت اخلاق وعادات اور گفتار ورفتار میں رحمۃ للعالمین، خاتم المرسلین محبوب رب العالمین، سلطان الاولین والآخرین کے مشابہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا کہ اپنے روضۂ انور سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت واعانت کیلئے خود حضور پرنور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ (ذکر الشہادتین صفحہ 103)

؎ شوکت وہی صورت وہی دستور وہی ہے
نقشہ وہی انداز وہی نور وہی ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
گویا رسولِ پاک کا رَن میں گزر ہوا

چلاّئے اہلِ کوفہ کہ طالع قمر ہوا
ہنگامِ ظہر پر انہیں وہم سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلّی طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

عمرو! شاید تم نے پہچانا نہیں یہ نواسۂ رسول، جگر پارۂ بتول، سلطانِ کونین امام حسین رضی اللہ عنہ کا فرزند دلبند ہے۔ ان کا نام (حضرت) علی اکبر رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ شہزادہ اُمِ لیلیٰ بنت میمونہ بنت ابوسفیان کے بطنِ اقدس سے ہے۔ یہ تو یزید کا بھانجا ہے۔ اہلِ مدینہ جب زیارتِ رسول کے خواہاں ہوا کرتے تھے تو اسی شہزادے کو دیکھ کر اپنی تشنگی (دِید) بجھایا کرتے تھے۔ ہو بہو وہی سیرت، وہی گفتار، وہی رفتار معلوم ہوتی ہے۔ غرضیکہ اعداء بھی دیکھ کر جان گئے کہ واقعی یہ شبیہہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ: اے عمرو! کیا مشورے کر رہے ہو؟ میں فرزندِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دلبندِ مرتضیٰ، زہرا کا ماہ پارا، حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کا تارا علی اکبر (رضی اللہ عنہ) ہوں۔ میرے مقابل تم خود آؤ۔ یا شمر ملعون کو بھیجو۔ تمہارا خود دوزخ بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ تمہارے لیے موت کا جہاز تیار ہے آگے بڑھو تا کہ تمہیں دوزخ کا ٹکٹ دے کر جلد جہنم کو روانہ کروں۔ آؤ اور آ کر جلدی اپنی قسمت آزماؤ۔ ورنہ مجھ سے عرض کرو تا کہ میں فوراً آگے بڑھ کر تمہارا ذوالفقارِ حیدری سے استقبال کروں اور ایک ایک کو واصلِ جہنم کروں۔ تمہاری یاد میں "جہنم هَلْ مِنْ مَزِيْد" کے نعرے لگا رہا ہے۔ مجھ سے اب اس کی بے چینی دیکھی نہیں جاتی۔

اکبر نے کہا آگے اب اے کوفیو آؤ!
گر تم نہیں آتے تو وہاں ہم کو بلاؤ!

گھبراتا ہے دل نیزہ و شمشیر اٹھاؤ!
بے چین ہے رہوار نہ اب دیر لگاؤ!

شمشیر کے جوہر تمہیں دکھلا کے رہیں گے!
میدان میں لشکر کی صفیں خالی کریں گے!

عمرو: اے علی اکبر (رضی اللہ عنہ) مجھے تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ تم شبیہِ رسول گلِ باغِ بتول ہو۔ ابھی تم نے دنیا میں اپنے حسن و جمال کی کوئی بہار نہیں دیکھی۔ تم صبح سے نظارہ دیکھ رہے ہو۔ ہمارے بہادر کوفیوں اور جانباز یزیدیوں نے تمہارے تمام اعوان وانصار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علی کے تمام جوان بیٹوں کو خاک وخون میں تڑپا دیا۔ امام حسن، امام مسلم عباس رضی اللہ عنہم کے جوان بیٹوں کو خاک میں ملا دیا۔ اب صرف ایک تم رہتے ہو اپنے اوپر رحم کرو اور ہمیں اپنی خون ریزی سے بچاؤ۔ جاؤ جا کر خیمہ میں آرام کرو۔ تم اپنی زندگی سے کیوں بیزار ہو؟

تم ہمارے امیر یزید کے بھانجے ہو۔ اس لیے بھی تمہارا لحاظ ہے۔ اے

علی اکبر! تین دن سے تمہیں پانی میسر نہیں۔ غذا سے تم محروم ہو۔ العطش العطش کی دلدوز روح سوز الگ آوازیں آ رہی ہیں۔ ان پر رحم کرو۔

آؤ ہم تمہیں اپنے امیر یزید کا بھانجا سمجھ کر امان دیتے ہیں۔ پانی پلاتے ہیں۔ کھانا کھلاتے ہیں۔ ہر طرح کے عیش و آرام کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہمارے امیر بھی تم کو اپنے بیٹوں سے عزیز سمجھیں گے۔ ہم نے تین روز سے تمہارے خلاف ہر فوجی تدبیر پر عمل کر رکھا ہے۔ تمہارا آب و دانہ تک بند کر رکھا ہے۔ وہ دیکھو آبِ فرات سامنے لہریں لے رہا ہے۔ ہمارے گدھے اور گھوڑے پانی پی رہے ہیں مگر تمہارے لیے حکم ہے کہ

؎ گھوڑے پئیں کتے پئیں منع نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

افسوس صد افسوس تم مسلح ہو کر اس کی اعانت کو آئے ہو جس نے امیر کی بغاوت کی جو آج کربلا میں آب و دانے کو ترس رہا ہے۔ ہر نعمت سے محروم ہے۔ تم میرا دریا دل دیکھو اور میری سخاوت کے گیت گاؤ۔ حسین کا ساتھ چھوڑ دو اور میرے لشکر میں آؤ۔ تمام عراق کے مالک کہلاؤ۔ ابھی عمرو کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا۔

علی اکبر (رضی اللہ عنہ): او خبیث عمرو! اپنی اس ناپاک زبان کو روک اگر اب شہزادۂ کونین سلطانِ دارین کی شانِ اقدس میں کچھ بکواس کرنے کی

کوشش کی تو تمہاری ناپاک زبان گدی سے کھینچ دوں گا۔

اُو خبیث تو مجھے آب ودانے کی لالچ دلاتا اور آبِ فرات کی طرف اشارہ کرکے پانی دکھاتا ہے۔ خدا کی قسم جتنی بھی تو نے بکواس کی یہ ایک مخبوط الحواس (پاگل) انسان کی گفتگو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

ہم تیرے لطف وکرم کے محتاج نہیں۔ تمہارا اور تمہارے خبیث امیر کا یہ باطل خیال تھا کہ نواسۂ رسول کا سر ہماری تلواروں کے سامنے جھک جائے گا۔ تو نے صبح سے ہماری صداقت کا اندازہ کرلیا۔ ہمارے سر نہ کبھی باطل کے آگے جھکے اور نہ جھکیں گے۔ تو آب ودانے پر پھولا نہیں سماتا۔

او یزید پلید کے پٹھو، او ابنِ زیاد کے نمک خوار، فقر وفاقہ ہمارا پرانا ورثہ ہے۔ ہمارے نانا جان نے اس پر فخر فرمایا ہے۔ کیا تو نے ہمارے دادا جان امیر المومنین علیِ مرتضٰی کے حالات اور دادی جان سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے واقعات نہیں سنے۔ کہ وہ کئی کئی دن پانی نہیں پیا کرتے اور کھانا نہ کھایا کرتے تھے۔ کئی کئی دن کا فاقہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ یہ تو ہمارا موروثی حق ہے۔

او عمرو! جو میدانِ کربلا میں صبر وضبط کا خاکہ ہم نے پیش کیا اور اس نصب العین پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ ہمارے نانا کی امت اسے قیامت تک فراموش نہ کرسکے گی۔ ہمارے نصبُ العین پر عمل پیرا ہونا حیاتِ ابدی تصور کرے گی۔

او عمرو! یہ تیری دولت تیرے امیر کی حکومت تو چند دن کی مہمان ہے۔ ہمیں خدا نے وہ حکومت اور سلطنت عطا فرمادی جو ابد الآباد تک قائم رہے گی۔

جس کے لئے فناہ ناممکن ہے۔

؎ شاہ است حُسین بادشاہ است حُسین
دین است حُسین دین پناہ است حُسین
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حُسین

اوعمرو! ہم وہ اولادِ رسول اور جگر پارہائے بتول ہیں کہ ہماری زبان سے جونکلتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ اجابتِ حق ہماری دعاؤں کا استقبال کرتی ہے۔ ہم خدا کے فضل وکرم سے جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ تو ہماری شانِ والا سے جاہل ہے۔

(تاریخ شہادتِ معرکۂ کربلا صفحہ 23)

؎ کہہ دوں تو پگھل کر ابھی کُہسار ہو پانی
جنگل کا ہر ذرّہ ہر اک خار ہو پانی

تیرے لیے دریا کا شَرر بار ہو پانی
اپنے لیے آتش سے نمودار ہو پانی

چاہوں تو ابھی غرق تحیُّر میں جہاں ہو
فوّارہ اسی جگہ سے کوثر کا رواں ہو

اے عمرو! ہمارے نانا جان خاتم الانبیاء ہیں۔ بروزِ حشر جن کی شفاعت کے تمام انبیاء ومرسلین محتاج ہوں گے۔ دادا جان ہمارے امیر المومنین علی مرتضیٰ ہیں جنہیں دامادِ رسول اور شوہرِ بتول ہونے کا شرف حاصل ہے، جو امام الاولیاء سُلطان الاصفیاء ہیں، جو شیرِ خدا ہیں۔ جن کی صمصام خون آشام سے دنیا کے سُلطان لرزہ براندام تھے۔ دادی ہماری فاطمۃ الزہرا ہیں جنہیں دخترِ رسول ہونے کا شرف حاصل ہے۔

کیا تمہارے لیے جائز ہے؟ کہ تم ہمارا خون بہاؤ اور ہمارے لیے پانی پر پہرے لگاؤ۔

اے کوفیو! سینکڑوں خطوط لکھ کر اور سینکڑوں قاصد بھیج کر تم نے ہم کو بلایا اور ہمارے امام کی بیعت کی۔ آج تم لوگوں نے ہم پر ہاتھ اٹھایا اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو آب ودانے سے ترسایا اور ہمارے عزیزوں کو شہید کیا۔ یہ سن کروہ اعداء عرض کرنے لگے۔

گر آپ پیغمبر کے نواسے ہیں ہمیں کیا
بچے شبِ ہفتم سے جو پیاسے ہیں ہمیں کیا

محروم جو سادات غذا سے ہیں ہمیں کیا
بے گور وکفن گرچہ یہ لاشے ہیں ہمیں کیا

پانی کی حقیقت نہیں پر تم کو نہ دیں گے
دکھلا کے بہا دیں گے مگر تم کو نہ دیں گے

یہ سن کر آپ جلال میں آ گئے اور اعداء پر بھوکے شیر کی طرح ایسا پرزور حملہ کیا کہ دشمن کے پرے کے پرے ختم کر ڈالے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ عمرو، شمر اور دیگر افسرانِ فوج حضرت علیِ اکبر رضی اللہ عنہ کے آگے اس طرح بھاگے پھرتے تھے جس طرح شیر کے آگے بھیڑ بکریاں میدانِ کربلا میں آپ نے اعداء کیلئے وہ حشر برپا کیا کہ تنوں سے سر اور شانوں سے ہاتھ اس طرح کٹ کر گرنے لگے جس طرح تیز آندھی میں بیر گرا کرتے ہیں۔ اگر کسی نے بھیڑوں پر کسی بھوکے شیر کو یا چڑیوں کے جھنڈ پر کسی بھوکے شہباز کو حملہ کرتے دیکھا ہو تو وہ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کے اس معرکہ کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے۔ پیدل سواروں سے اور سوار پیدلوں سے ٹکرا ٹکرا کر واصلِ جہنم ہونے لگے۔ موت نے آ کر اپنے دامن کو پھیلایا اور ظالموں کی ناپاک روحوں کو جلد از جلد سمیٹ کر ملک الموت کے سپرد کرنے لگے۔ رسول کا نواسہ، حیدرِ کرار کا پوتا، زہرا کا نورِ نظر، حسین رضی اللہ عنہ کا لختِ جگر اس شجاعت اور بہادری سے لڑا کہ ملائکہ بھی مرحبا مرحبا کے شادیانے بجانے لگے اور حبذا حبذا کے ترانے گانے لگے۔

بجلی گری بجلی پہ اجل آئی اجل پر
اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر

سیارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر
مریخ گرا شمس پہ اور شمس زحل پر

چہرہ نہ کیا سامنے سورج کی چمک نے
خود دانتوں سے آ کر وہ زمیں پکڑی فلک نے

آپ نے وہ شیرانہ حملہ کیا کہ تھوڑی سی دیر میں دشمن کے پانچ سو بہادر اور اکیاسی افسر ٹھکانے لگا دیئے۔ جس طرف رُخ کرتے کوئی آگے سے بھاگتے نظر آتے تھے۔ مگر پھر بھی ذوالفقار برق بار کا نشانہ ہو کر دوزخ کو سدھارتے۔

حضور نواسۂ رسول یہ معرکہ دیکھ کر اپنے نورِ نظر کو داد دے رہے تھے اور مرحبا مرحبا کے پھول اس پر برسا رہے تھے اور تمام دخترانِ رسول، جگر پارۂ بتول خیموں کے پردوں کے جھروکوں سے منظر دیکھ کر شاد ہو رہی تھیں اور مرحبا مرحبا کے ترانے گا رہی تھیں۔

حضرت اُمِ لیلیٰ نے کنیز کو حکم فرمایا کہ تو نواسۂ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ کے رُخِ انور کی طرف دیکھتی رہنا اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب رُخِ حسین پر کوئی ملال طاری ہو گا تو کنیز کا چہرہ خود بخود رُخِ حسین کو دیکھ کر زردی مائل ہو جائے گا۔ اس سے میں سمجھوں گی کہ میرے علی اکبر کی بس اب خیر نہیں۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اعداء کو مارتے، بچھاڑتے، گراتے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا بابا جان اگر تھوڑا سا پانی مل جائے تو میں اپنا حلق تر کر لوں۔ تازہ دم ہو کر میں پھر دشمنوں پر حملہ کروں۔ یہ سن کر حضور امام عرش مقام نے اپنی مقدس زبان پیاسے بیٹے کے منہ میں ڈال دی۔ آپ کی زبان میں کانٹے

پڑے ہوئے تھے اور لکڑی کی طرح خشک ہوگئی تھی۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے بابا جان! تمہاری زبان میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر امام عرش مقام رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی عطا فرمائی۔ ارشاد فرمایا اسے منہ میں رکھو اور اسے چوستے رہو۔ اس کو چوسنے سے تمہیں کچھ سکون حاصل ہوگا۔ آپ نے فرمایا بیٹا رن میں جاؤ اور اپنا سرِ نیاز راہِ حق میں جا کر کٹاؤ۔ ساقیِ کوثر، سُلطانِ بحر و بر، حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ وہ دیکھو اپنے مقدّس ہاتھوں میں چھلکتا ہوا جام لیے کھڑے ہیں۔ تمہیں بلا رہے ہیں کہ بیٹا علی اکبر آ کر جلدی یہ شربت نوش کرو اور اپنی پیاس بجھاؤ۔ پھر پیاس نہ لگے گی۔

(شہیدِ اعظم: 229)

یہ ارشاد سن کر آپ فوراً قدم بوس ہو کر شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔

؎ کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

اب عمرو شمر اور دوسرے افسرانِ فوج نیم مردہ کھڑے تھے۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ سے مبارز خواہ ہوتا۔ اسی اثناء میں علی اکبر کو وہ وعدہ بھی یاد آ گیا جو آپ نے مدینہ منورہ سے چلتے وقت اپنی لاڈلی بہن صغریٰ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا کہ بہن صغریٰ تم کوئی فکر نہ کرو میں خود تمہیں آ کر لے جاؤں گا۔ آپ یہ وعدہ یاد کر

کے زار وزار، رونے لگے اور مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے صغریٰ سے یوں خطاب فرمانے لگے۔

دردناک خط

اکبر آکھیا اک افسوس مینوں ساراں لیاں نہ بھین بیمار دیاں
ہوسی نت اُڈیکدی راہ میرا آساں رکھ کے میرے اِقرار دیاں
جنہاں بھیناں دے جان بھرا وچھڑا ہین نال فراق دے مار دیاں
اکھاں وچہ آنسو جاری رہن ہر دم وِیر وِیر ہر وقت پکار دیاں
حضرت یوسف دی لاڈلی بھین زینب گلاں جاندا جگ پیار دیاں
دن رات کنعان وچہ رہی روندی بھال بھال جوہاں جنگل بار دیاں
آخر اس نوں ملیا سی ویر یوسف شاہیاں مان دا مصر دیار دیاں
صغریٰ ویکھ تو کربل ول منہ کر کے اج قدرتاں ربِ جبّار دیاں
تتی ریت تے رلدیاں ہین کلیاں اہلِ بیت دے پاک گلزار دیاں
ہائے امت بے ادبیاں کیتیاں نے نبی پاک دی آلِ اَطہار دیاں
کیتا بند پانی ساڈا ظالماں نے ہر طرف فوجاں ستم گار دیاں
صغریٰ کریں معاف تو ویر تائیں پیّاں اکھیاں خون گزار دیاں
منہ ویکھ لے کربل وچہ آن صغریٰ واگاں پکڑ کے ویر سوار دیاں
دولہا ہو ٹریا اج ویر تیرا حوراں جنتی شگن گزار دیاں
تیرا ہووسی رِگلا بھرا اُتے گلاں یاد کر کے جاندی وار دیاں
تینوں ملاں گا حشر دے روز صغریٰ آیاں چٹھیاں دھروں سرکار دیاں

علی اکبر (رضی اللہ عنہ): اے عمرو! تو مجھے موت سے ڈراتا تھا۔ ہم لوگ اسے حیاتِ ابدی سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارا بڑی تعظیم و تکریم سے استقبال کرتی ہے۔ ہم اسے اجازت دیتے ہیں تو یہ آتی ہے۔ ہمارے لیے یہ وصالِ حقیقی کا پیغام ہے۔ ہم اسے حیاتِ ابدی سمجھتے ہیں۔ اگر تو دریا کو ہمارے قدموں میں بہادے تو ہم پھر بھی اسے دیکھنے کو تیار نہیں۔

اے عمرو! تو کہتا ہے نواسۂ رسول کا ساتھ چھوڑ دو۔ اے بدبخت تو اپنے ناپاک کانوں سے سننا جب میرا یہ جسم خون میں نہائے گا تو قطرہ قطرہ سے ''حسین زندہ باد اے حسین زندہ باد اے'' کی صدا بلند ہوگی۔

او عمرو! اگر اپنی بہادری پر کچھ ناز ہے خیمہ سے باہر نکل۔ عورتوں کی طرح مت روپوش ہو۔ چوڑیاں پہن کر اندر مت بیٹھو۔ سامنے ہو کر ذرا دو دو ہاتھ کر۔ خدا کی قسم زندگی بھر کا لطف آجائے گا۔ ان بھیڑوں کو کیوں مجھ سے لڑاتا ہے؟ اور ان کو کیوں ناحق دوزخ میں دھکیلتا ہے؟۔ یہ سن کر شمر بول اٹھا۔

شمر: اے عمرو! میری بات کو ذرا غور سے سن۔ فتح ہو یا شکست مگر اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور علی رضی اللہ عنہ کے پوتے نے جو جرأت و ہمت اور کمال شجاعت کربلا کے میدان میں دکھائی اس کی مثال دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ برملا یہ کہنا پڑے گا کہ......

؎ علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جسے دیکھو وہی شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

تھوڑی دیر میں ہمارے سینکڑوں بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اب ہمارے بہادر اس سے ڈر گئے کہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف کوئی منہ نہیں کرتا۔ یہ سن کر سلیمان بن عوف سامنے آیا اور عرض کرنے لگا۔

سلیمان: اے علی اکبر! تیرے دادا جان امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے میرے باپ عوف کو ایک جنگل میں قتل کیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں باپ کا بدلہ حسن یا حسین سے لوں گا۔ اب تیرے مقابلہ میں کوئی نہیں آتا۔ میں آیا ہوں تاکہ تجھے فردوسِ اعلیٰ میں بھیج دوں۔ اگر شمشیرزنی پر ناز ہے تو تلوار سے دو ہاتھ کرا گر زور آزمائی کرنی ہے تو گھوڑے سے اتر کر میرے ساتھ کشتی لڑ۔

یہ سن کر شہزادے کو جلال آ گیا اور طرفین سے معرکہ شروع ہو گیا۔ آپ نے اس کے سینے میں ایسا برچھا مارا کہ سینے سے پار ہو گیا اور ساتھ ہی تلوار کا اس کی گردن پر وہ کاری وار کیا کہ گردن کٹ کر زمین پر گر گئی۔ آپ نے اسے نیزہ پر ٹانگ کر فرمایا اے عمرو! جو تماشہ دادا جان نے تمہیں عوف کا دکھایا تھا وہی تماشہ تم نے اس کا آنکھوں سے دیکھ لیا۔

او عمرو! یہ ذوالفقارِ حیدری ہے اس کی زد سے بچنا ناممکن ہے اب اور کسی کو بھیج۔

؎ اٹھی کبھی بلند کبھی پست ہو گئی
پی پی کے کافروں کا لہو مست ہو گئی

الغرض عمرو نے تمام لشکر کو حکم دیا تاکہ تمام مل کر علی اکبر رضی اللہ عنہ پر جمہوری حملہ کر دیں۔ یہ سن کر تمام لشکر نے آپ رضی اللہ عنہ پر تیروں کا دور سے مینہ برسانا شروع کر دیا۔ جس سے آپ کا تنِ نازنین کافی زخمی ہو گیا۔

جب دشمنوں نے دیکھا کہ خون کافی بہہ گیا ہے تو پھر نزدیک آ کر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور امام کے جائے پر چاروں طرف سے نیزوں اور تلواروں کے وار ہونے لگے۔ جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا جسمِ نازنین بہت زیادہ زخمی ہو گیا۔

آپ (رضی اللہ عنہ) فرشِ زمیں پر آ گئے اور پکارے "یَا اَبَتَاهُ اَدْرِکْنِیْ" اے بابا جان آؤ اور اپنے علی اکبر (رضی اللہ عنہ) کی خبر لو دیکھو تمہارا علی اکبر (رضی اللہ عنہ) خونی جوڑا پہن کر جنت کو سدھار رہا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ یہ صدا سن کر علی اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑے۔

آپ (رضی اللہ عنہ) اس وقت نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے تھے۔ ہزاروں کا لشکر تھا پتہ نہ چل سکا۔ حضور امام عرش مقام (رضی اللہ عنہ) دشمنوں کو مارتے کاٹتے آگے بڑھے مگر پتہ نہ چل سکا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ آپ نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کو پکارنا شروع کیا اور یوں خطاب کیا۔

اکبر میرے شفیق پسر مہرباں پسر
خوش رو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر

مادر کا چین، باپ کا آرامِ جاں پسر
کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر

مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نورِ عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

ترجمہ: اے میرے شفیق مہربان بیٹے علی اکبر ہنس مکھ بیٹے خوش بخت بیٹے عزت و مرتبہ کو پہچاننے والے بیٹے۔

ماں کے دل کا سکون باپ کی جان کا چین بیٹے کم بولنے والے شہید بیٹے نوجوان بیٹے۔

حضور امام عرش مقام رضی اللہ عنہ دشمنوں سے جنگ بھی لڑ رہے تھے اور-- یٰبُنَیَّ (اے بیٹے) علی اکبر رضی اللہ عنہ کہہ کہہ کر پکار بھی رہے تھے مگر چاروں طرف علی اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قدر ہجوم تھا کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کہاں ہیں؟ آخر اس پریشانی کے عالم میں حضور امام نے یوں پکار پکار کر فرمایا۔

مجھ کو غریبِ دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
اِک بار تو شہِ دُوسرا کہہ کے پھر پکار،

اے شیر سَیِّدُ الشھداء کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یَا اَبَتَاہ کہہ کے پھر پکار

میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مر جاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی

ایک طرف سے آواز آئی۔ بابا جان میں تو ادھر دشمنوں میں گھرا ہوا

ہوں۔ پے در پے تلواروں اور نیزوں کے وار ہو رہے ہیں۔ جلدی تشریف لاؤ اور آخری دیدار دکھاؤ۔ حضور امام عرش مقام اس طرف مارتے کاٹتے گئے آگے ہو کر دیکھا کہ جوان بیٹا خاک وخون میں لتھڑا پڑا ہے۔ آپ جوان زخمی بیٹے کی لاش پر اکبر اکبر کہہ کر گر پڑے۔ اعداء سمجھے کہ بس اب امام حسین رضی اللہ عنہ بھی جوان بیٹے کے غم میں جاں بحق ہو گئے۔

؎ تڑپے جو گرے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل ہو گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے

پھر آپ نے علی اکبر کے سر کو زانو پر رکھا اور دامن کی ہوا دی اور انہیں بلانا شروع کیا رو، رو کر فرمایا۔ اے بیٹا علی اکبر! ہوش کرو!! آنکھیں کھول کر دیکھو۔ جس مظلوم باپ کو تم پکارتے تھے وہ تمہارے پاس ہے۔

؎ دِل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
بانہیں اٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

بابا جان حسین کی آواز اور پُر درد آہ و بکا جب کانوں سے ٹکرائی تو آنکھیں کھول کر بابا جان کا آخری دیدار کرنے لگے اور زار و زار رونے لگے۔ رو، رو کر ہچکی بندھ گئی۔ پوچھا اے بیٹا علی اکبر رضی اللہ عنہ! کوئی وصیت کر جاؤ۔ مجھے رونے کا سبب بتاؤ کیوں روتے ہو؟ یہ سن کر علی اکبر رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور یوں عرض کرنے لگے۔ (شہید اعظم صفحہ 231)

ـــہ ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں

اے علی اکبر! تم نے یہ سینے پر دونوں ہاتھ کیوں رکھے ہیں؟ ذرا ہاتھ اٹھاؤ تو سہی میں دیکھوں کیا بات ہے؟ اگر سینے میں درد ہے تو ہاتھ اٹھاؤ تاکہ میں دبا دوں مگر آپ نے کچھ نہ بتایا۔ دراصل حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ایک بہت بڑا برچھی کا زخم تھا اسے چھپاتے تھے۔ تاکہ بابا جان اسے دیکھ کر مغموم نہ ہوں۔

حضور امام عرش مقام نے خود ہی علی اکبر کے ہاتھ اٹھائے پتہ چلا کہ بہت بڑا برچھی کا سینے میں زخم ہے۔ اسے دیکھ کر فرمایا بیٹا اچھا حکمِ مولیٰ اَز ہمہ اَولیٰ۔ کوئی آرزو ہو تو بتاؤ؟ میں پوری کروں۔

عرض کیا بابا جان رضی اللہ عنہ بس یہی آرزو تھی کہ جان بابا جان کے قدموں پر نکلے۔

ـــہ نجم کی اے خدا آرزو ہے یہی عاشق زار کی آبرو ہے یہی
آخری وقت سر اُن کے قدموں پہ ہو دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

دعا وہ پوری ہوگئی۔ یہ کہہ کر جوان بیٹا جان بحقِ تسلیم ورضا ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○

ـــہ دنیا سے انتقال ہو نورِ عین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسین کا

آہ!!! اس وقت کوئی بھی نہ تھا کہ فرزندِ حسین رضی اللہ عنہ کی لاش کو سہارا دے کر

حضور امام رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل کر خیمہ تک پہنچا دے۔ آہ! کوئی یہ کہنے والا بھی نہیں رہا کہ سرکار آپ ہٹو میں خود ہی علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھاتا ہوں اور اسے خیمہ تک پہنچاتا ہوں۔

آہ! مظلوم باپ نے خود ہی اپنے جوان بیٹے کی لاش کو کاندھے پر لادا اور لاکر خیمہ میں رکھ دیا۔ رو، رو کر آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا لے زینب! اے اُم کلثوم! اے شہر بانو! اے اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہن لو یہ تمہارا علی اکبر رضی اللہ عنہ خون میں نہا کر اور خونی جوڑا پہن کر دولہا سا بن کر آیا ہے۔ یہ سن کر اور لاش کو دیکھ کر شہزادیوں پر ایک حشر برپا ہو گیا۔ دخترانِ رسول ﷺ کے کلیجوں پر چھریاں چلنے لگیں اور اجسام ٹکڑے ہونے لگے۔ فرشِ زمیں پر گر گر کر بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں۔ (شہیدِ اعظم:233)

لاشہ کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جاں گری

دل پر ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری
غش کھا کے یاں گری کوئی تو واں گری

چھوٹی بہن جو لاشہ سے آ کر لپٹ گئی
محشر ہوا بپا صفِ ماتم اُلٹ گئی

آہ! یہ دردانگیز اور محشر خیز منظر ہے جسے زبان بیان کرنے سے قاصر ہے قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ سیاہی دوات کی خشک۔ کاغذ پُرزے پُرزے ہو رہا ہے حضور

نواسہ رسول، جگر پارۂ بتول دل کو سنبھال رہے ہیں۔ سیدزادیوں کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ علی اصغر رضی اللہ عنہ کو گہوارے میں تین دن کا پیاسا جان توڑتا دیکھ رہے ہیں۔ مگر اف نہیں کرتے۔

جواں بیٹے زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑتا دیکھ رہے ہیں۔ مگر آہ نہیں کرتے۔ سکینہ رضی اللہ عنہا کو العطش العطش کے نعرے لگاتے ہوئے سن رہے ہیں اور پے در پے دورے پڑتے دیکھ رہے ہیں مگر آہ نہیں کرتے۔

سیِدہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو غمِ علی اکبر رضی اللہ عنہ میں بے ہوش دیکھتے ہیں مگر زبان پر اَلحَمدُ لِلّٰہِ کا ترانہ ہے۔ اُمِ کلثوم، شہر بانو اور اُمِ لیلیٰ رضی اللہ عنہن کو آہ و بکا کرتے نیم بسمل کی طرح تڑپتے دیکھ رہے ہیں مگر زبان پر کوئی شکوہ نہیں۔ بلکہ رو، رو کر خدا سے یوں دعا کرتے ہیں۔

تن وہ دے کہ جو زخم تیری راہ میں کھائے
سر وہ دے کہ جو کٹ کے تیری راہ میں آئے

دل وہ دے کہ سینے پہ جو قاتل کو بٹھائے
لب وہ دے کہ شکوہ نہ کبھی پیاس کا لائے

دنیا سے جو اے خالق و قیوم اٹھوں میں
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم اٹھوں میں

اب ہم اس مضمون کو اس دردانگیز اور محشر خیز شہادت پر ختم کرتے ہیں اسی

کتاب کی دوسری جلد کو شروع کرتے ہیں۔ رب العزت ﷻ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اسے حضور رحمۃ للعلمین، ختم المرسلین ﷺ اور صحابہ واہلِ بیت کرام کے طفیل قبول ونافع فرمائے۔ مولف، سننے اور پڑھنے والوں کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔

اٰمین ثُمَّ اٰمین بِحُرمَۃِ سَیِّدِ المُرسَلِینَ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ۔ بِرَحمَتِكَ یَآ اَرحَمَ الرّٰاحِمِینَ۔

علاّمہ ہمدم۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

سُلطانُ العاشقین کی دُعاء

اِلٰہی! تو مسلمانانِ حاضر کو ہدایت دے
اِلٰہی! شرم و غیرت دے لطافت اور شرافت دے

خداوندا! بنا دے پھر سے ان کو حامل قرآں
جہاں بھر میں یہ پھیلا دیں ترا دیں اے مرے رحماں!

اِلٰہی! ان کی نسلِ پاک سے پیدا مجاہد ہوں
اِلٰہی! ان کے بیٹے حافظ و عالم ہوں زاہد ہوں

اِلٰہی! پھر اُسی تاریخ کو اِک بار دہرائیں
اِلٰہی! مذہبِ اسلام کو دنیا میں پھیلائیں

اِلٰہی! حضرتِ صدیق کی صورت خلافت دے
عمر، عثمان و حیدر کی طرح ان کو اِمامت دے

اِلٰہی! حیدرِ کرّار سے جذبات پیدا کر
بلالِ پاک کی صورت محمد پر تو شیدا کر

اِلٰہی! کلمۂ حق کا ہمیشہ بول بالا ہو
زمیں سے عرش تک دینِ اِلٰہی کا اُجالا ہو

اِلٰہی! ہمدمِ ناچیز کا بطحا میں مدفن ہو
بروزِ حشر اس پر کملی والا سایہ اَفگن ہو

فقہِ اسلامی پر مُستند اور معرکۃ الآراء نماز کے تعلیمی کورس پر

قرآن وحدیث کے بے شمار معتبر ومُستند حوالہ جات سے مُزین کتاب

تقلیدِ آئمہ سُبحانی

کامطالعہ فرمانے والے شائقین حضرات جلد از جلد رابطہ فرمائیں

اور اپنی نمازوں کو درست انداز میں خشوع وخضوع کیساتھ خداوند قدوس کی بارگاہ میں قبولیت

کی اُمید پر ادا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت وریاضت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ (امین)

از تصنیفات

قُدْوَةُ السَّالِکِین، زُبْدَةُ العَارِفِین، بُرهَانُ الوَاصِلِین، عُمْدَةُ الکَامِلِین، سُلطَانُ العَاشِقِین

أُستاذُ الشُعَراء، وَالأدباء، أُستاذ الحُفّاظ وَالقُرّاء، أُستاذ العُلَماء وَالفُضَلاء شَیخُ العُرَفاء وَالسُّلکاء

حضرت علّامہ مولانا الحاج الحافظ القاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ

علّامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی قادری توکلی مرتضائی برکاتی پٹیالوی

فاضلِ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور وبانی دارالعلوم ودارالسلوک

ناشر مکتبۂ ہمدم ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور

فون : 049-4381163 موبائل : 0300-4879860

maktabaehamdam@gmail.com

قُدْوَةُ السَّالِکِیْن، زُبْدَةُ العَارِفِیْن، بُرْھَانُ الوَاصِلِیْن، عُمْدَةُ الْکَامِلِیْن، سُلطَانُ العَاشِقِیْن
اُستاذُ الشُعَرَاء، وَالادبَاء، استاذُ الحُفَّاظ وَالقُرَّاء، استاذُ العُلَمَاء وَالفُضَلَاء شیخُ العُرَفَاء وَالسَّالکاء

حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ

علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی، قادری، توکلی، مرتضائی، برکاتی، پٹیالوی

فاضلِ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور و بانی دارالعلوم و دارالسلوک

عربی، فارسی، اُردو، پنجابی

کی معرکۃ الآراء اور شہرہ آفاق نعتیہ کلام کی کتابوں کا مجموعہ

کلیاتِ ہمدم

تضمیناتِ حُسنِ عقیدت بر کلامِ اعلیٰ حضرت	تضمیناتِ حُسنِ عقیدت بر کلامِ برادرِ اعلیٰ حضرت
مصحفِ ہمدم (اُردو)	تنویرِ حرم (اُردو)
مثنوی مولانا ہمدم (اُردو)	گلشنِ وحدت کا پھول (اُردو)
جامِ عرفان (اُردو)	گلہائے حُسنِ عقیدت (اُردو)
تصویرِ حرم (پنجابی)	زینب دا سوہنا ویر (پنجابی)

ناشر **مکتبۂ ہمدم** ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور
فون: 049-4381163 موبائل: 0300-4879860
maktabaehamdam@gmail.com

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سید المرسلین رحمۃ للعلمین

راحۃ العاشقین

مراد المشتاقین

امام الاولین والآخرین احمد مجتبیٰ

سیرۃ طیبہ پر منظوم معرکۃ الآراء عظیم شاہکار کتاب

شاہنامۂ اسلام (ہمدم)

(مکمل چار جلد)

از تصنیفات

قُدوۃُ السّالکین، زُبدۃُ العارفین، بُرہانُ الواصلین، عُمدۃُ الکاملین، سُلطانُ العاشقین

اُستاذُ الشعراء والادباء، اُستاذُ الحفّاظ والقرّاء، اُستاذُ العلماء والفضلاء شیخُ العرفاء والسّلکاء

حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری ابوالمعانی عبدالمصطفیٰ

علامہ مہر محمد خاں ہمدم رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی، قادری، توکلی، مرتضائی، برکاتی، پٹیالوی

فاضل دارالعلوم حزب الاحناف لاہور و بانی دارالعلوم و دارالسلوک

ناشر مکتبۂ ہمدم ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا ضلع قصور

فون: 049-4381163 موبائل: 0300-4879860

maktabaehamdam@gmail.com

شاہنامہ	معراجِ جسمانی	تفسیرِ نورانی	کلیاتِ ہمدم
شانِ صدیقِ اکبر	رسائلِ ہمدم	شاہنامۂ اسلام ۴ حصے	مصحفِ ہمدم
تنویرِ حرم	تصویرِ حرم	شانِ فاروقِ اعظم	جامِ عرفان
شانِ مصطفےٰ ﷺ	مختارِ سلطنتِ ربانی	شانِ عثمانِ غنی	نورِ مصطفےٰ ﷺ
شاہدِ مملکتِ سبحانی	گلہائے حق حقیقت	شانِ علی المرتضیٰ	شانِ قرآن
علمِ غیبِ رسولِ رحمانی	تذکرۂ ہمدم	شانِ فاطمہ	امتِ مصطفےٰ
عصمتِ انبیاء ربانی	علم و عرفان کا تعلیمی کورس	شانِ حسن	شانِ اسلام
حیاتِ انبیاء ربانی	اسرارِ معرفت	شہیدِ کربلا	معجزاتِ مصطفےٰ
میلادِ رسولِ رحمانی	قرآن شریف کا تعلیمی کورس	نماز کا تعلیمی کورس	مظلومِ کربلا
معجزاتِ انبیاء	حیاتِ شہداء	سیرتِ خلفاء راشدین	تقلیدِ ائمہ سبحانی
مناظرہ ہوشیار و لاہور	حیاتِ اولیاء	شانِ خلفاء	وسیلۂ انبیاء و اولیاء ربانی
برقِ انتقام	زینب و اسوہ ہادر	گیارہویں شریف دو جلد	

تصنیفاتِ ہمدم
شاہنامہ اسلام ہمدم چار جلد
سیرتِ خلفاء راشدین
کلیاتِ ہمدم
تقلیدِ ائمہ سبحانی
مقالات ہمدم رحمۃ اللہ علیہ
شانِ خلفاء
مصحفِ ہمدم
نماز کا تعلیمی کورس حصہ اول دوم
شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
تضمیناتِ حسنِ عقیدت
قرآن شریف کا تعلیمی کورس حصہ اول دوم
نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
شانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
بر کلام اعلیٰحضرت . بر کلام برادر اعلیٰحضرت
علم و عرفان کا تعلیمی کورس حصہ اول دوم
شانِ قرآن
شانِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ
گلشنِ وحدت کا پھول
اسرارِ معرفت
شانِ اُمتِ مصطفےٰ
شانِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
مثنوی مولانا ہمدم
تفسیرِ نورانی
شانِ اسلام
شانِ فاطمہ
تنویرِ حرم
معراجِ جسمانی
معجزاتِ مصطفےٰ
شانِ حسن
جامِ عرفان
مختارِ سلطنتِ ربانی
معجزاتِ انبیاء
شہیدِ کربلا دو جلد
گلہائے حسنِ عقیدت
شاہدِ مملکتِ سبحانی
علمِ غیبِ رسولِ رحمانی
مظلومِ کربلا
تصویرِ حرم
وسیلہ انبیاء و اولیاء ربانی
عصمتِ انبیاء ربانی
حیاتِ شہداء
زینب دا اسوہ نا وریر
مناظرہ ہوشیار و لاپو
حیاتِ انبیاء ربانی
برقِ انتقام
گیارہویں شریف دو جلد
سیرتِ ہمدم
میلادِ رسول رحمانی
حیاتِ اولیاء
ملفوظات و مکتوبات ہمدم
تذکرہ ہمدم
ناشر:- مکتبہ ہمدم ہمدم آباد شریف چھانگا مانگا قصور
0300-4879860